عیسائیت...؟
تالیف
علامہ الشیخ رحمت اللہ خلیل الرحمن کیرانوی ہندی
اختصار و تدقیق
ڈاکٹر محمد احمد عبدالقادر ملکاوی
اردو ترجمہ
مولانا صفی الرحمن مبارکپوری
إِنَّ الدِّينَ عِندَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ إِلَّا مِن بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ
Dar-ul-Andlus

مسنون خطبہ

إِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ نَحْمَدُهُ وَنَسْتَعِينُهُ، وَنَسْتَغْفِرُهُ، وَنَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا، مَنْ يَهْدِهِ اللّٰهُ فَلاَ مُضِلَّ لَهُ، وَمَنْ يُضْلِلْ فَلاَ هَادِيَ لَهُ، وَأَشْهَدُ أَنْ لاَّ إِلٰهَ إِلاَّ اللّٰهُ وَحْدَهُ لاَ شَرِيْكَ لَهُ، وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ

أَمَّا بَعْدُ: فَإِنَّ خَيْرَ الْحَدِيْثِ كِتَابُ اللّٰهِ وَخَيْرَ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ ﷺ وَشَرَّ الْأُمُوْرِ مُحْدَثَاتُهَا وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلاَلَةٌ وَكُلَّ ضَلاَلَةٍ فِي النَّارِ

”بلاشبہ سب تعریف اللہ ہی کے لیے ہے۔ ہم اسی کی تعریف کرتے، اسی سے مدد مانگتے اور اسی سے بخشش طلب کرتے ہیں۔ اپنے نفس کی شرارتوں اور اپنے برے اعمال سے اللہ کی پناہ میں آتے ہیں۔ جسے اللہ راہ دکھائے اسے کوئی گمراہ نہیں کرسکتا اور جسے وہ دھتکار دے اسے کوئی راہ راست پر نہیں لاسکتا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہی معبود برحق ہے، وہ اکیلا ہے، کوئی اس کا شریک نہیں۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد ﷺ اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔“

”حمد وصلوۃ کے بعد! یقیناً تمام باتوں سے بہتر بات اللہ کی کتاب اور تمام طریقوں سے بہتر طریقہ محمد ﷺ کا ہے اور تمام امور میں سے برے کام (دین میں) خود ساختہ (بدعت والے) کام ہیں، ہر بدعت گمراہی اور ہر گمراہی کا انجام جہنم ہے۔“

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ط

نام کتاب

عیسائیت...؟

تالیف

علامہ شیخ رحمت اللہ بن خلیل الرحمن کیرانوی ہندی رحمہ اللہ

اختصار و تدقیق

ڈاکٹر محمد احمد عبدالقادر ملکاوی حفظہ اللہ

اردو ترجمہ

شیخ صفی الرحمن مبارکپوری رحمہ اللہ

ناشر...دارالاندلس

قیمت...
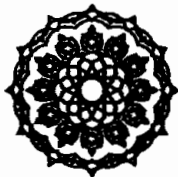
پبلشرز اینڈ ڈسٹری بیوٹرز

دارالاندلس ® اسلام کی نشرواشاعت کا عالمی مرکز

۴۔لیک روڈ، چوبرجی لاہور، پاکستان

Ph: 92-42-7230549 Fax: 92-42-7242639 www.dar-ul-andlus.com

إِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ قُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ۝ يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا ۝

''اے اہل ایمان! اللہ سے ڈرو جیسا اس سے ڈرنے کا حق ہے اور تمہیں اس حال میں موت آئے کہ تم مسلمان ہو۔ لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا، (پھر) اس سے اس کی بیوی کو بنایا اور (پھر) ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پیدا کیں اور انہیں (زمین پر) پھیلا دیا۔ اللہ سے ڈرتے رہو جس کے نام پر تم ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو اور قطع رحمی سے (بچو)۔ یقیناً اللہ تم پر نگران ہے۔ اے اہل ایمان! اللہ سے ڈرو اور سیدھی (سچی اور کھری) بات کہو۔ اللہ تمہارے اعمال سنوار دے گا اور تمہارے گناہوں کو معاف فرما دے گا۔ جس نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی، یقیناً اس نے عظیم کامیابی حاصل کر لی۔''

① ((مسلم' الجمعة' بابا تخفيف الصلوة و الخطبة' حديث ٨٦٨ و ٨٦٧۔ والنسائى' ٣٢٧٨))

② ((رواه الاربعة واحمد والدارمى و روى البغوى فى شرح السنة مشكوٰة مع تعليقات الالبانى' النكاح' باب اعلان النكاح...... وقال الالبانى حديث صحيح۔))

تنبیہات:

- صحیح مسلم' سنن نسائی اور مسند احمد میں ابن عباس اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں خطبہ کا آغاز ((ان الحمدلله)) سے ہے لہٰذا ((الحمدلله)) کی بجائے ((ان الحمدلله)) کہنا چاہیے۔
- یہاں ((نومن به و نتو كل عليه)) کے الفاظ صحیح احادیث میں موجود نہیں ہیں۔
- یہ خطبہ نکاح' جمعہ اور عام وعظ و ارشاد یا درس و تدریس کے موقع پر پڑھا جاتا ہے۔ اسی خطبہ حاجت کہتے ہیں اسے پڑھ کر آدمی اپنی حاجت و ضرورت بیان کرے۔

عرض ناشر

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى اَشْرَفِ الْاَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِيْنَ. اَمَّا بَعْدُ !

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ﴾

[آل عمران : ٦٤]

’’کہہ دے: ’’اے اہل کتاب ! آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہمارے درمیان اور تمھارے درمیان برابر ہے کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کریں اور ہم میں سے کوئی کسی کو اللہ کے سوا رب نہ بنائے پھر اگر وہ پھر جائیں تو کہہ دو: گواہ رہو کہ بے شک ہم فرماں بردار ہیں۔‘‘

زیر نظر کتاب ’’عیسائیت......؟‘‘ علامہ شیخ رحمت اللہ بن خلیل الرحمٰن کیرانوی عثمانی رحمہ اللہ کی مایہ ناز کتاب ’’اظہار الحق‘‘ کا جامع اختصار ہے۔ جسے ’’مختصر اظہار الحق‘‘ کے نام سے جامعہ ملک سعود، ریاض، سعودی عرب کے استاذ ڈاکٹر محمد احمد عبد القادر ملکاوی نے مرتب کیا ہے۔ اردو میں رواں ترجمہ عالم اسلام کی ممتاز علمی شخصیت اور شہرۂ آفاق کتاب ’’الرحیق المختوم‘‘ کے مؤلف شیخ صفی الرحمٰن مبارکپوری رحمہ اللہ نے کیا ہے۔

اس وقت عیسائی مشنریاں دنیا بھر میں بالعموم اور پاکستان میں بالخصوص دین اسلام کے

خلاف شکوک وشبہات پھیلانے کی تگ وتاز میں مصروف ہیں۔ 9/11 کے بعد دنیا میں پیدا ہونے والے تغیرات کے نتیجے میں صلیبی دنیا برملا اسلام دشمنی پر اتر آئی ہے اور اپنے اس عزم کا اظہار کر رہی ہے کہ وہ تھوڑے ہی دنوں میں عالم اسلام کو عیسائی بنا لے گی۔ یہ کتاب اپنے مواد کے اعتبار سے دشمنانانِ دین وملت کے سامنے ایک ٹھوس بند کی حیثیت رکھتی ہے۔

عیسائیت کیا ہے؟ اور اہل تثلیث نے مختلف ادوار میں بائبل میں کیا تغیر وتبدل کیا ہے؟ پورے دلائل کے ساتھ یہ سب کچھ اس کتاب میں واضح کر دیا گیا ہے۔ سو خود پڑھنے کے ساتھ یورپ ومغرب کو دعوتِ اسلام دینے کے لیے یہ گراں قدر خزینہ ہے۔

احباب سے گزارش ہے کہ پوری یکسوئی سے کتاب کا مطالعہ کریں، دین حنیف پر خود بھی عمل پیرا ہوں اور دنیا کو اس کی دعوت دینے کے لیے میدان عمل میں نکلیں کہ آج اس کی اشد ضرورت ہے۔ غیر مسلم این جی اوز تعلیم اور خدمت خلق کے نام سے پوری دنیا میں اپنی سازشوں کا جال پھیلائے ہوئے ہیں۔ اس کے رد اور اسلام کی حقانیت واضح کرنے کے لیے ہر غیرت مند مسلمان کو کردار ادا کرنے کی ضرورت ہے۔

اللہ تعالیٰ مؤلف محترم، مترجم اور تمام معاونین کو جزائے خیر عطا فرمائے اور کتاب کو سب کے لیے دنیا وآخرت کی سعادت کا ذریعہ بنائے۔ آمین!

محمد سیف اللہ خالد

مدیر دارالاندلس

مقدمہ

ضروری گزارشات

۱- بہت سے مقامات پر پروٹسٹنٹ علماء کی کتب سے جو نقول درج کی گئی ہیں وہ الزامی طور پر ہیں' اعتقاد کے طور پر نہیں۔

۲- پروٹسٹنٹ اپنی کتابیں ہمیشہ بدلتے رہتے ہیں' کبھی بعض مضامین بدل دیتے ہیں' کبھی اضافہ کر دیتے ہیں' کبھی کمی کر دیتے ہیں۔ اسی لئے ان کے اگلے پچھلے ایڈیشنوں میں بڑا اختلاف ہوتا ہے' قاری کو یہ بات یاد رکھنی چاہیئے۔

۳- انبیاء کے متعلق جو بہت سے مضامین اور واقعات گھڑ لئے گئے ہیں ان پر غلط' خطایا جھوٹ کا لفظ بولنے میں کوئی حرج نہیں' کیونکہ یہ آسمانی کتب میں تحریف ہے' اللہ کا کلام نہیں ہے' لہٰذا اسے آسمانی کتب کے ساتھ بے ادبی نہیں قرار دیا جا سکتا' کیونکہ ان میں جو جھوٹ اور تحریف ہے ان کا اظہار' اور جو برے مضامین ہیں ان کا انکار ہر مسلمان پر واجب ہے۔

۴- عیسائی علماء کی عادت ہے کہ مسلم علماء کی کتابوں میں اگر کچھ ضعیف اقوال ہوں تو انہیں لے کر ان کی خوب تشہیر کرتے ہیں' پھر ان کا رد کرتے ہیں' اور قاری کو یہ چکمہ دیتے ہیں کہ مسلم علماء کی کتابیں ضعیف اقوال سے بھری پڑی ہیں' جبکہ حقیقت یہ ہوتی ہے کہ یہ حضرات ٹھوس اقوال کو چھوڑ دیتے ہیں اور ان کی طرف اشارہ تک نہیں کرتے' اور اگر کبھی کوئی قول نقل بھی کرتے ہیں تو نقل میں خیانت کرتے ہیں اور کتر بیونت کر کے تحریف کر ڈالتے ہیں۔ یہ نہایت گندی عادت ہے اور مخالفین کے اقوال نقل کرنے میں علمی امانت کے منافی ہے' یہی حرکت ڈاکٹر پادری فنڈر نے اس عظیم مناظرہ کے سلسلے میں کی ہے جو

ہندوستان کے اندر ۱۲۷۰ھ / ۱۸۵۴ء میں اس کے اور شیخ رحمت اللہ کے درمیان پیش آیا تھا' چنانچہ اس نے فریقین کے اقوال میں مکمل تحریف کر کے انگریزی زبان میں اس کی روداد شائع کی۔ اسی ڈاکٹر پادری فنڈر نے اپنی بعض کتابوں میں قرآنی آیات کا ترجمہ بھی کیا ہے اور اپنی رائے سے ان کی تفسیر بھی کی ہے' پھر ان پر اعتراضات کئے ہیں اور دعویٰ کیا ہے کہ صحیح تفسیر وہی ہے جو اس کی اپنی تفسیر ہے' مسلم علماء کی تفسیر نہیں۔ جبکہ حقیقت حال یہ ہے کہ یہ شخص عربی زبان اور قرآنی علوم کے سلسلے میں مکمل طور پر جاہل تھا اور پھر یہ طمع رکھتا تھا کہ اس کی لچر اور ردی تفسیر لے لی جائے' اور مسلم علمائے تفسیر نے جس ٹھوس تفسیر پر اجماع کیا ہے اسے چھوڑ دیا جائے۔

یا اللہ! ہمیں حق کو حق دکھلا اور اس کی پیروی کی توفیق دے' اور باطل کو باطل دکھلا اور اس سے بچنے کی توفیق دے۔

پہلا باب

عہد قدیم اور عہد جدید (بائبل) کی کتابوں کے ناموں کا بیان اور ان میں تحریف اور نسخ کا اثبات

یہ باب چار فصلوں پر مشتمل ہے:

فصل اول: ان کتابوں کے نام اور ان کی تعداد کے بیان میں۔

فصل دوم: اس بیان میں کہ اہل کتاب کے پاس عہد قدیم اور عہد جدید (بائبل) کی کتابوں میں سے کسی بھی کتاب کی کوئی متصل سند نہیں پائی جاتی' اور نہ ان کے لئے اس دعویٰ کی کوئی گنجائش ہے کہ ان کی موجودہ مشہور کتابیں الہام کی بنیاد پر لکھی گئی ہیں۔

فصل سوم: اس بیان میں کہ یہ کتابیں اختلافات' غلطیوں اور تحریفات سے بھاری پڑی ہیں۔

فصل چہارم: عہد قدیم و جدید (بائبل) کی کتابوں کے اندر وقوع نسخ کے اثبات ہیں۔

فصل اول

کتابوں کے نام اور ان کی تعداد کے بیان میں

یاد رہے کہ عیسائیوں نے اپنی کتابوں کی دو قسمیں کی ہیں :

پہلی قسم : وہ کتابیں جن کے متعلق ان کا دعویٰ ہے کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے تشریف لانے والے انبیاء کے ذریعہ لکھی گئی ہیں۔ اس قسم کا نام انہوں نے عہد قدیم رکھا ہے۔

دوسری قسم : وہ کتابیں جن کے متعلق ان کا دعویٰ ہے کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد بذریعہ الہام لکھی گئی ہیں۔ اس قسم کا نام انہوں نے عہد جدید رکھا ہے۔

عہد قدیم و جدید کے مجموعہ کو "بائبل" کہتے ہیں۔ یہ یونانی لفظ ہے اور اس کا معنی ہے "کتاب"۔ پھر جو ٹائٹل ان دونوں عہد کی کتب پر مشتمل ہوتا ہے اس کا نام "کتاب مقدس" لکھتے ہیں۔

ان کی اس "کتاب مقدس" بائبل کی پہلی قسم "عہد قدیم" انتالیس (۳۹) کتابوں پر مشتمل ہے، جن کے نام یہ ہیں :

۱- پیدائش

۲- خروج

۳- احبار

۴- گنتی

۵- استثناء

ان پانچ کتابوں کے مجموعہ کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پانچ کتب کہتے ہیں، انہی کو

"توریت" بھی کہا جاتا ہے' یہ عبرانی لفظ ہے جس کے معنی قانون' تعلیم اور شریعت کے ہیں۔ لیکن اب "توریت" کا لفظ مجازاً عہد قدیم کی ساری کتابوں پر بولا جانے لگا ہے' یعنی حضرت موسیٰ کی مذکورہ پانچ کتابوں -توریت- پر بھی اور ان کی حسب ذیل ملحقات پر بھی :

۶-یشوع (یوشع بن نون)

۷- قضاۃ

۸-روت

۹-سموئیل (اول)

۱۰-سموئیل (دوم)

۱۱-سلاطین (اول)

۱۲-سلاطین (دوم)

۱۳-تواریخ (اول)

۱۴-تواریخ (دوم)

۱۵-عزرا

۱۶-نحمیاہ

۱۷-آستر

۱۸-ایوب

۱۹- زبور

۲۰-امثال (امثال سلیمان)

۲۱-واعظ

۲۲-غزل الغزلات

۲۳-یسعیاہ

۲۴-یرمیاہ

۲۵-نوحہ

۲۶-حزقی ایل

۲۷-دانی ایل

۲۸-ہوسیع

۲۹-یوایل

۳۰-عاموس

۳۱-عبدیاہ

۳۲-یوناہ

۳۳-میکاہ

۳۴-ناحوم

۳۵-حبقوق

۳۶-صفنیاہ

۳۷-حجی

۳۸-زکریاہ

۳۹-ملاکی

ملاکی نبی حضرت مسیح علیہ السلام کی پیدائش سے کوئی چار سو بیس (۴۲۰) سال پہلے تھے۔

سامری ان میں سے صرف سات کتابوں کو مانتے ہیں' پانچ کتابیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف منسوب ہیں اور دو کتابیں یشوع اور قضاۃ نامی۔ پھر سامری توریت کا نسخہ یہود کے عبرانی توریت کے نسخے سے مختلف ہے' اور یہ دونوں یونانی توریت کے نسخے سے مختلف ہیں۔ نیز یونانی توریت کے نسخے میں عبرانی توریت سے زائد مزید سات کتابیں پائی جاتی ہیں' جنہیں کتب اپوکریفا کہا جاتا ہے' ان کے نام یہ ہیں :

۱-باروخ

۲-طوبیا

۳-یہودیت

۴-وزدم (حکمت سلیمان)

۵-ایکلیزیا سٹیکس (یشوع بن سیراخ)

۶-مکابیین اول

۷-مکابیین دوم

اور یوں یونانی توریت چھیالیس (۴۶) کتابوں پر مشتمل ہو جاتی ہے۔

کتاب مقدس "بائبل" کی دوسری قسم عہد جدید ستائیس (۲۷) کتابوں پر مشتمل ہے' اور ان کے نام یہ ہیں :

۱-انجیل متی

۲-انجیل مرقس

۳-انجیل لوقا

۴-انجیل یوحنا

لفظ "انجیل" ان ہی چار کتابوں کے ساتھ مختص ہے' چنانچہ ان کو "اناجیل اربعہ" کہا جاتا ہے' یہ لفظ عربی میں دوسری زبان سے لایا گیا ہے' یونانی میں اس کی اصل "انگلیوس" ہے' اور قبطی میں "انگلیون"۔ اس کے معنی بشارت' تعلیم اور خوشخبری کے ہیں' لیکن اب لفظ "انجیل" مجازاً عہد جدید کی ساری کتابوں کے مجموعہ پر بولا جانے لگا ہے' یعنی مذکورہ اناجیل پر بھی' اور ان کی حسب ذیل ملحقات بھی:

۵- رسولوں کے اعمال

۶- پولس کا رومیوں کے نام خط

۷- پولس کا کرنتھیوں کے نام پہلا خط

۸- پولس کا کرنتھیوں کے نام دوسرا خط

۹- پولس کا گلتیوں کے نام خط

۱۰- پولس کا افسیوں کے نام خط

۱۱- پولس کا فلپیوں کے نام خط

۱۲- پولس کا کلسیوں کے نام خط

۱۳- پولس کا تھسلنیکیوں کے نام پہلا خط

۱۴- پولس کا تھسلنیکیوں کے نام دوسرا خط

۱۵- پولس کا تیمتھیس کے نام پہلا خط

۱۶- پولس کا تیمتھیس کے نام دوسرا خط

۱۷- پولس کا ططس کے نام خط

۱۸- پولس کا فلیمون کے نام خط

۱۹- پولس کا عبرانیوں کے نام خط

۲۰- یعقوب کا عام خط

۲۱- پطرس کا پہلا عام خط

۲۲- پطرس کا دوسرا عام خط

۲۳- یوحنا کا پہلا عام خط

۲۴- یوحنا کا دوسرا خط

۲۵- یوحنا کا تیسرا خط

۲۶- یہوداہ کا عام خط

۲۷- یوحنا عارف کا مکاشفہ

یوں عیسائیوں کی کتاب مقدس "بائبل" کی کتابوں کا مجموعہ حسب ذیل ہوا:

عبرانی توریت کے مطابق:

عہد قدیم (۳۹) + عہد جدید (۲۷) = ۶۶ کتابیں۔

اور یونانی توریت کے مطابق:

عہد قدیم (۴۶) + عہد جدید (۲۷) = ۷۳ کتابیں۔

یاد رکھیں کہ بادشاہ قسطنطین اول کے حکم سے ۳۲۵ء میں شہر نائس (نیقیہ) کے اندر عیسائی علماء کی ایک کونسل منعقد ہوئی تھی، تاکہ مشکوک کتابوں کے متعلق کوئی فیصلہ صادر کیا جا سکے، چنانچہ اس کونسل نے مشورہ اور تحقیق کے بعد فیصلہ کیا کہ صرف کتاب یہودیت ماننی ضروری ہے، باقی چودہ کتابیں چھوڑ دی جائیں اور انہیں مشکوک اور جھوٹی سمجھا جائے جن کی صحت تسلیم کرنی درست نہیں، وہ کتابیں یہ ہیں:

۱- آستر

۲- یعقوب کا خط

۳- پطرس کا دوسرا خط

۴- یوحنا کا دوسرا خط

۵- یوحنا کا تیسرا خط

۶- یہوداہ کا خط

۷- عبرانیوں کے نام خط (یہ پولس کی طرف منسوب ہے)

۸- وزدم (حکمت سلیمان)

۹- طوبیا

۱۰- بارُدخ

۱۱- اکلیزیاسٹیکس (یشوع بن سیراخ)

۱۲- مکابیین اول

۱۳- مکابیین دوم

۱۴- مشاہدات یوحنا (یوحنا عارف کا مکاشفہ)

یہ بات اس مقدمے سے بالکل نمایاں ہے جسے کتاب یہودیت پر جیروم (متوفی ۴۲۰ء) نے لکھا ہے۔

مذکورہ کونسل کے صرف انتالیس (۳۹) سال بعد ۳۶۴ء میں شہر لودیسیا (لاوڈکیہ) کے اندر عیسائی علماء کی ایک اور کونسل منعقد ہوئی' اس کونسل نے فیصلہ کیا کہ جو کتابیں نیقیہ کی کونسل نے رد کر دی تھیں' ان میں سے پہلی سات کتابوں (نمبر ۱ تا ۷) کو تسلیم کرنا

ضروری ہے' اور یہ سات کتابیں جھوٹی نہیں بلکہ صحیح سمجھی جائیں۔ البتہ آخری سات کتابیں (۸ تا ۱۴) بدستور مشکوک اور جھوٹی مانی جائیں جن کی صحت تسلیم نہیں کی جاسکتی۔ اس کونسل نے اس فیصلہ کو عام مراسلے کے ذریعہ مزید موکد کیا۔

پھر اس کے صرف تینتیس (۳۳) سال بعد ۳۹۷ء میں شہر کارتھیج (خلیج تونس پر واقع شہر قرطاجہ یا قرطاجنہ) کے اندر عیسائی علماء کی ایک اور کونسل منعقد ہوئی' اس کونسل نے فیصلہ کیا کہ آخری سات کتابیں (نمبر ۸ تا ۱۴) جنہیں پہلی دو کونسلوں نے مشکوک و مکذوب کر دیا تھا اور ان کو صحیح ماننا جائز نہیں سمجھا تھا' انہیں بھی ماننا ضروری ہے' یعنی قرطاجہ کی اس کونسل نے سابقہ دو کونسلوں کا فیصلہ رد کر دیا اور یہ فیصلہ کیا کہ تمام مشکوک و مکذوب کتابیں صحیح' واجب التسلیم اور جمہور عیسائیوں کے نزدیک مقبول ہیں۔ پھر تسلیم و قبول کی یہ بات بارہ صدیوں تک برقرار رہی' تا آنکہ سولہویں صدی عیسوی کے وسط میں پروٹسٹنٹ فرقہ ظاہر ہوا' اس فرقہ نے یہودیت' دزدم' طوبیا' باروخ' ایکلیزیا سٹیکس' مکابیین اول اور دوم نامی کتابیں مسترد کر دیں۔ کتاب آستر کے سولہ باب (اصحاح) تھے' اس فرقہ پروٹسٹنٹ نے اس کے صرف پہلے نو اصحاح' اور تیسرے فقرہ تک دسواں اصحاح تسلیم کیا اور اس کے چوتھے فقرہ سے سولہویں باب کے خاتمہ تک باقی کتاب مسترد کر دی۔ اس فرقہ نے سابقہ کتابیں رد کرنے کی جو دلیل دی وہ یہ ہے:

۱- ان کتابوں کی اصل عبرانی ناپید ہے اور جو موجود ہے وہ ان کا ترجمہ ہے۔

۲- عبرانی یہود ان کتابوں کو (جو عہد قدیم کی کتب ابوکریفا ہیں) تسلیم نہیں کرتے۔

۳- یہ کتابیں بہت سے عیسائیوں کے نزدیک بھی مسترد ہیں' ان کے قبول کرنے پر اجماع نہیں ہوا ہے۔

۴- جیروم (متوفی ۴۲۰ء) نے کہا ہے کہ یہ کتابیں دینی مسائل کو طے کرنے اور ثابت

کرنے کے لئے کافی نہیں ہیں۔

۵-کلوس نے صراحت کی ہے کہ یہ کتابیں تمام مقامات سے نہیں پڑھی جا سکتیں۔

۶-مورخ یوسی بیس نے صراحت کی ہے کہ یہ کتابیں بالخصوص مکابین دوم تحریف شدہ ہیں۔

اب دیکھئے کہ جن کتابوں کے رد کرنے پر ہزاروں متقدمین کا اجماع تھا' کیونکہ ان کی اصل لاپتہ تھی' اور ان میں تحریف ہو چکی تھی' اور جو کتابیں یہود کے نزدیک بھی مردود اور وحی و الہام کی صفت سے خالی تھیں' وہی کتابیں بعد والوں کے نزدیک الہامی' مقبول اور واجب التسلیم ہو گئیں۔ کیتھولک فرقہ قرطاجہ کونسل کی تقلید میں اپوکریفا کی تمام مشکوک و مکذوب کتابیں اب تک تسلیم کرتا آرہا ہے' چاہے وہ عہد قدیم کی اپوکریفا ہوں یا عہد جدید کی اپوکریفا ہوں۔

لہذا جس چیز کو پہلوں نے مسترد کر دیا اسے بعد والے قبول کرنے کا فیصلہ کریں تو اس فیصلے کی کیا قیمت رہ جاتی ہے؟

حقیقت یہ ہے کہ ان کونسلوں کے فیصلے عیسائیوں کے ان مخالفین کے لئے قوی حجت ہیں جو ان کی کتابوں کی صحت اور الہامیت کو مجروح ٹھہراتے ہیں۔

فصل دوم

اس بیان میں کہ اہل کتاب کے پاس عہد قدیم اور عہد جدید (بائبل) کی کتابوں میں سے کسی بھی کتاب کی کوئی متصل سند نہیں پائی جاتی' اور نہ ان کے لئے اس دعویٰ کی کوئی گنجائش ہے کہ ان کی یہ کتابیں جو اس وقت مشہور ہیں الہام کے ذریعہ لکھی گئی ہیں۔

آسمانی کتاب جس کا ماننا ضروری ہے وہ کتاب ہوتی ہے جو انبیاء میں سے کسی نبی کے واسطے سے لکھی گئی ہو' اور اس کے بعد کسی تغیر اور تبدیلی کے بغیر متصل سند سے ہم تک پہنچی ہو' لہٰذا اگر کوئی کتاب محض وہم و گمان کی بناء پر کسی صاحب الہام شخص کی طرف منسوب کردی جائے تو یہ اس بات کو ثابت کرنے کے لئے کافی نہیں کہ وہ کتاب اسی شخص کی تصنیف ہے جس کی طرف منسوب کی گئی ہے' چاہے اس نسبت کا دعویٰ ایک فرقہ یا کئی ایک فرقے ہی کیوں نہ کریں۔ آپ دیکھئے کہ عہد قدیم کی کئی کتابیں حضرات موسیٰ' عزرا (عزیر) یسعیاہ' یرمیاہ' حبقوق اور سلیمان علیہم السلام کی طرف منسوب ہیں' لیکن کسی دلیل سے ثابت نہیں کہ ان کتابوں کی نسبت ان کی طرف صحیح ہے' کیونکہ ان کتابوں کی متصل سند موجود نہیں۔

پھر یہ بھی دیکھئے کہ عہد جدید کی کئی کتابیں جو ستر سے متجاوز ہیں حضرات عیسیٰ اور مریم اور حواریوں اور ان کے پیروکاروں کی طرف منسوب ہیں' مگر اس وقت عیسائی فرقوں کا اتفاق ہے کہ ان کتابوں کی نسبت ان کی طرف صحیح نہیں ہے' بلکہ یہ جھوٹ اور گھڑی ہوئی ہیں۔

اس کے بعد یہ بھی دیکھئے کہ اپوکریفا کی کتابیں جنہیں کیتھولک کے نزدیک ماننا ضروری ہے یہود اور پروٹسٹنٹ انہیں رد کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔

لہذا کسی کتاب کی نسبت کا دعویٰ کسی نبی یا حواری کے نام کی طرف کر دیں تو اس کے یہ معنی نہیں کہ وہ کتاب الہامی ہو گئی اور اسے ماننا ضروری ہو گیا۔ چنانچہ شیخ رحمت اللہ نے عیسائی علماء سے اپنے مناظروں کے دوران بار بار یہ مطالبہ کیا کہ وہ عہد قدیم و جدید (بائبل) کی کتابوں میں سے کسی بھی کتاب کی متصل سند بیان کر دیں' لیکن انہوں نے یہ کہہ کر معذرت کر لی کہ عیسائیوں پر تین سو تیرہ برس تک جو مصیبتیں اور فتنے آتے رہے ان کی وجہ سے متصل سند لاپتہ ہو گئی۔

اس سے ثابت ہوا کہ عیسائی اپنی کتابوں کی اسانید کے بارے میں ظن و تخمین سے بات کرتے ہیں جو کچھ کار آمد نہیں۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ عہد قدیم اور جدید (بائبل) کی کتابوں میں سے کسی بھی کتاب کی متصل سند جو نہیں لا رہے ہیں تو اس لئے کہ یہ ان کے بس سے باہر ہے' ورنہ اگر ان کا بس چلتا تو کوتاہی نہ کرتے۔ اس سے قطعی طور پر یہ پتہ چلتا ہے کہ ان کی کتابوں کی متصل سند ہے ہی نہیں۔ اب ہم نیچے ان کی بعض کتابوں کا حال درج کرتے ہیں۔

توریت کا حال:

موجودہ توریت جو موسیٰ علیہ السلام کی طرف منسوب ہے ان کی تصنیف نہیں' اس پر کئی باتیں دلالت کرتی ہیں جو یہ ہیں:

۱۔ اس توریت کا تواتر شاہ یوسیاہ بن آمون (تخت نشینی ۶۳۸ ق م) کے عہد سے پہلے ختم ہو چکا تھا' اور جو نسخہ اس کی تخت نشینی کے اٹھارہ برس بعد پایا گیا تھا وہ قابل اعتماد نہیں' کیونکہ وہ کاہن خلقیاہ کا گھڑا ہوا تھا۔ پھر غالب یہ ہے کہ یہ نسخہ بھی۔ ناقابل اعتماد ہونے کے علاوہ۔ ۵۸۷ ق م میں بخت نصر کے ہاتھوں ملک فلسطین کے تاخت و تاراج ہونے سے پہلے ہی ضائع ہو چکا تھا' اور اگر مان لیں کہ ضائع نہیں ہوا تھا تو بہر حال فلسطین پر بخت نصر کی

چڑھائی کے دوران توریت اور عہد قدیم کی تمام کتابیں ناپید ہو گئی تھیں' اور ان کا کوئی نام و نشان باقی نہیں رہ گیا تھا۔ اہل کتاب کا خیال ہے کہ عزرا نے بابل میں بعض کتابیں قلمبند کی تھیں۔ مگر یاد رہے کہ انتیوکس (انطیوخس چہارم) نے جب ملک فلسطین پر چڑھائی کی تو عزرا کی لکھی ہوئی یہ کتابیں بھی ضائع ہو گئیں۔ اس انطیوخس چہارم نے سوریا پر ۱۷۵ تا ۱۶۳ ق م حکومت کی تھی اور چاہا تھا کہ یہود کا دین مٹا کر فلسطین کو ہیلینی رنگ میں رنگ دے' چنانچہ اس نے علمائے یہود کے مناصب قیمت کے عوض بیچ دئے' ان کے چالیس سے اسی ہزار آدمی قتل کئے' ہیکل کا سارا ساز و سامان لوٹ لیا' یہود کے مذبح پر سور اور بندر کی قربانی کی' اور بیس ہزار فوج قدس کے محاصرے پر مامور کی' جس نے سنیچر کے دن نماز کے لئے یہود کے عین اجتماع کے دوران شہر پر دھاوا بول دیا اور اسے لوٹتے ہوئے گھروں اور دیواروں کو تاراج کر ڈالا' اور ان میں آگ لگا دی' اور جو انسان بھی ملا حتی کہ عورتوں اور بچوں تک کو قتل کر ڈالا' اس دن صرف وہی بچ سکا جو پہاڑوں پر بھاگ گیا' یا غاروں اور گھاٹیوں میں چھپ گیا (کچھ تفصیل فصل سوم کے اواخر میں بھی آ رہی ہے)۔

۲- موجودہ توریت کی کتابوں میں' اور عزرا نے حجی اور زکریا علیہما السلام کی معاونت سے تواریخ اول اور تواریخ دوم کے نام کی جو دو کتابیں قلمبند کی تھیں ان میں بڑے اختلافات اور تناقضات پائے جاتے ہیں' اور علمائے اہل کتاب کا اتفاق ہے کہ عزرا سے غلطیاں ہوئی تھیں' کیونکہ اس نے ناقص اوراق پر اعتماد کیا تھا' اس لئے بیٹوں اور پوتوں کے درمیان فرق نہ کر سکا تھا۔ یاد رہے کہ یہ تینوں انبیاء توریت کے پیروکار تھے' اس لئے اگر موسیٰ علیہ السلام کی توریت بھی موجودہ توریت ہوتی تو یہ لوگ اس کی مخالفت نہ کرتے اور ناقص اوراق پر اعتماد کر کے فاش غلطیوں میں نہ پڑتے' نیز اگر عزرا کی لکھی ہوئی توریت الہام کے ذریعہ لکھی گئی ہوتی۔ جیسا کہ اہل کتاب سمجھتے ہیں۔ تو اس توریت میں اور تواریخ اول اور

تواریخ دوم نامی دونوں کتابوں میں فاش اختلافات نہ ہوتے۔ اس سے یہ بات کھل کر ظاہر ہوتی ہے کہ حالیہ توریت نہ تو وہ توریت ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں لکھی گئی تھی اور نہ تو وہ توریت ہے جسے عزرا نے لکھا تھا' بلکہ حق بات۔ جس میں کوئی شک نہیں۔ یہ ہے کہ موجودہ توریت ان روایات اور داستانوں کا مجموعہ ہے جو یہود کے درمیان مشہور تھیں' پھر انہیں ان کے علماء نے کسی چھان پھٹک کے بغیر جمع کر دیا' اور اس مجموعے میں شامل کر دیا جو کتب عہد قدیم کے نام سے موسوم ہے اور موسیٰ علیہ السلام کی طرف منسوب پانچوں کتابوں اور ان کے ملحقات پر مشتمل ہے۔ یہ رائے اس وقت یورپ میں اور بالخصوص جرمن علماء میں بہت زیادہ پھیلی ہوئی ہے۔

۳- موجودہ توریت کی کتابوں اور کتاب حزقیال کے درمیان احکام کے اندر صریح اختلافات اور تناقضات ہیں' لہٰذا اگر صحیح توریت وہی ہوتی جو اس وقت مشہور ہے تو احکام کے اندر حزقیال اس کی مخالفت نہ کرتے۔

۴- موجودہ توریت کے کسی بھی مقام سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ اس کا لکھنے والا اپنے ذاتی حالات لکھ رہا ہے' یا ایسے معاملات قلمبند کر رہا ہے جو اس کے چشم دید ہیں' بلکہ موجودہ توریت کی ساری عبارتیں اس بات کی شہادت دے رہی ہیں کہ اس کا لکھنے والا موسیٰ علیہ السلام کے بجائے کوئی اور ہے' اور اس نے یہود کے اندر مشہور روایتیں اور داستانیں جمع کر دی ہیں اور مختلف اقوال میں تمیز کی ہے' چنانچہ اس کے خیال میں جو کلام اللہ کا تھا اسے "خداوند نے فرمایا" کے تحت درج کیا ہے' اور جو کلام موسیٰ علیہ السلام کا تھا اسے "موسیٰ نے کہا" کے تحت درج کیا ہے' اور ہر جگہ موسیٰ کو غائب کے صیغے سے بیان کیا ہے' مثلاً "موسیٰ چڑھ کر گئے"۔ "موسیٰ سے رب نے کہا"۔ "وہاں موسیٰ کو موت آگئی"۔ ظاہر ہے کہ اگر موجودہ توریت موسیٰ علیہ السلام کی تصنیف ہوتی تو وہ اپنے آپ کو کم از کم کسی ایک

جگہ تو متکلم کے صیغے سے ذکر کرتے' کیونکہ متکلم کے صیغے سے ذکر کرنا اعتبار کو بڑھاتا ہے۔ اس لئے تنہا یہی انداز اس بات کی بھرپور دلیل ہے کہ موجودہ توریت موسیٰ علیہ السلام کی تصنیف نہیں ہے۔

۵- معتمد عیسائی عالم ڈاکٹر الگزنڈر کیڈس جدید بائبل کے مقدمہ میں کہتا ہے کہ دلائل سے تین باتیں یقینی طور پر ثابت ہیں:

الف: موجودہ توریت موسیٰ علیہ السلام کی تصنیف نہیں ہے۔

ب: موجودہ توریت فلسطین میں لکھی گئی ہے' موسیٰ علیہ السلام کے عہد میں نہیں لکھی گئی ہے' جب بنواسرائیل صحرائے سینا کے اندر میدان تیہ میں تھے۔

ج: موجودہ توریت یا تو سلیمان علیہ السلام کے زمانے میں لکھی گئی ہے' یعنی دسویں صدی قبل مسیح میں' یا اس کے بعد آٹھویں صدی قبل مسیح تک میں۔ اس لئے حاصل یہ نکلا کہ موجودہ توریت کی تالیف میں اور موسیٰ علیہ السلام کی وفات میں پانچ سو برس سے زیادہ کا عرصہ ہے۔

۶- تجربہ سے یہ بات معلوم ہے کہ زمانے کے اختلاف سے ایک ہی زبان میں فرق آ جاتا ہے' مثلاً آپ انگریزی کی چار سو برس پہلے کی زبان سامنے رکھیں تو اس میں اور آج کی انگریزی زبان میں بہت ہی واضح فرق پائیں گے۔ جبکہ ایک بڑا عیسائی عالم نورتن کہتا ہے کہ توریت کے انداز بیان میں اور عہد قدیم کی باقی کتابیں جو بابل کی اسیری سے بنواسرائیل کی رہائی کے بعد لکھی گئی ہیں ان کے انداز بیان میں کوئی قابل ذکر فرق نہیں ہے' حالانکہ یہ بات معلوم ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی وفات میں اور بابل کی اسیری سے بنواسرائیل کی رہائی میں تقریباً نو سو برس کی مدت ہے' اور اسی توریت کے اسلوب میں اور عہد قدیم کی باقی کتب کے اسلوب میں قابل ذکر فرق نہ ہونے کی وجہ سے عبرانی زبان کے انتہائی ماہر

عالم لیوسڈن کو اس بات کا یقین ہے کہ یہ ساری کتابیں ایک ہی زمانے میں لکھی گئی ہیں۔

۷- کتاب استثناء باب ۲۷' فقرہ ۵ اور ۸ میں وارد ہے: "(۵) اور وہیں تو خداوند اپنے خدا کے لئے پتھروں کا ایک مذبح بنانا اور لوہے کا کوئی اوزار ان پر نہ لگانا۔(۸) اور ان پتھروں پر اس شریعت کی سب باتیں صاف صاف لکھنا"۔

اور کتاب یشوع (یوشع بن نون) باب ۸' فقرہ ۳۰ اور ۳۲ میں ہے: "(۳۰) تب یشوع نے کوہ عیبال پر خداوند اسرائیل کے خدا کیلئے ایک مذبح بنایا۔(۳۲) اور اس نے وہاں ان پتھروں پر موسیٰ کی شریعت کی جو اس نے لکھی تھی' سب بنی اسرائیل کے سامنے ایک نقل کندہ کی"۔

ان فقروں سے معلوم ہوتا ہے کہ مذبح کا پتھر اس بات کے لئے کافی تھا کہ اس پر موسیٰ علیہ السلام کی توریت لکھی جا سکے' حالانکہ اگر موسیٰ علیہ السلام کی توریت یہی موجودہ توریت ہوتی جو پانچوں کتب پر ان کے موجودہ حجم کے ساتھ مشتمل ہے تو اسے مذبح کے پتھر پر لکھنا ممکن نہ ہوتا۔

۸- توریت میں بہت سی غلطیاں ہیں اور اس کی مختلف کتابوں کے درمیان بہت سے اختلافات ہیں' جو اس بات کی نفی کرتے ہیں کہ موجودہ توریت موسیٰ علیہ السلام کی لائی ہوئی توریت ہو' کیونکہ جس کلام کی موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی کی گئی تھی یا جسے موسیٰ علیہ السلام نے قلمبند فرمایا تھا وہ اس سے بالاتر ہے کہ اس میں غلطیاں اور اختلافات واقع ہوں۔

کتاب یشوع (یوشع بن نون) کا حال:

توریت جو ملت بنی اسرائیل کی بنیاد ہے اس کا حال جان لینے کے بعد آیئے اب حضرت یوشع کی کتاب کا حال معلوم کریں جو توریت کے بعد دوسرے درجے پر ہے۔ تو

واضح رہے کہ اہل کتاب کے علماء پر اب تک یقینی طور سے یہ ظاہر نہیں ہو سکا ہے کہ اس کا مصنف کون ہے ؟ اور اس کا زمانہ تصنیف کیا ہے ؟ چنانچہ اس بارے میں ان کے پانچ اقوال ہیں :

۱- بعض کہتے ہیں کہ یہ موسیٰ علیہ السلام کے خادم یوشع بن نون کی تصنیف ہے۔

۲- بعض کہتے ہیں کہ یہ ہارون علیہ السلام کے صاحبزادے العازار کی تصنیف ہے۔

۳- بعض کہتے ہیں کہ یہ العازار بن ہارون علیہ السلام کے صاحبزادے فینحاص کی تصنیف ہے۔

۴- بعض کہتے ہیں کہ یہ سموئیل نبی علیہ السلام کی تصنیف ہے۔

۵- بعض کہتے ہیں کہ یہ یرمیاہ نبی علیہ السلام کی تصنیف ہے۔

اور یہ یاد رہے کہ حضرت یوشع اور حضرت یرمیاہ نبی علیہما السلام کے درمیان آٹھ صدیوں سے زیادہ کا زمانہ ہے۔ لہٰذا یہ فاش اختلاف اس بات کی بھرپور دلیل ہے کہ ان کے پاس اس کتاب کی سند نہیں ہے' بلکہ وہ محض ظن و تخمین سے بات کرتے ہیں اور یہی ظن و تخمین ان کی سند ہے۔

پھر یوشع کی کتاب میں بہت سے ایسے فقرے ہیں جو یوشع کا کلام قطعاً نہیں ہو سکتے' اسی طرح کچھ ایسے فقرے بھی ہیں جو بتلاتے ہیں کہ اس کا لکھنے والا یا تو داود علیہ السلام کا ہمعصر تھا یا ان کے بعد تھا۔ اور اس طرح کے فقرے اس بات کی مکمل دلیل ہیں کہ یہ کتاب یوشع علیہ السلام کی تصنیف نہیں ہے۔

اس کے علاوہ موجودہ توریت اور یوشع کی کتاب میں بعض احکام کے اندر صریح مخالفت اور تناقض بھی پایا جاتا ہے۔ لہٰذا اگر موجودہ توریت موسیٰ علیہ السلام کی تصنیف ہوتی۔ جیسا کہ اہل کتاب کا خیال ہے- یا یوشع کی کتاب خود ان کی اپنی تصنیف ہوتی تو یہ تصور نہیں

کیا جا سکتا تھا کہ یوشع توریت کی مخالفت کریں گے' اور بعض احکام و معاملات میں اس کے منافی رویہ اپنائیں گے' کیونکہ حضرت موسیٰ کے خادم اور خلیفہ حضرت یوشع ایسے معاملات میں کیسے غلطی کر سکتے تھے جو خود ان کی موجودگی میں پیش آئے تھے۔

اور اب جبکہ توریت کا حال اور موسیٰ علیہ السلام کے خلیفہ حضرت یوشع کی کتاب کا حال آپ کو معلوم ہو گیا تو یاد رکھیں کہ عہد قدیم کی بقیہ کتابوں کا حال ان دونوں کتابوں کے حال سے اچھا نہیں ہے' کیونکہ ان کے اختلافات کچھ زیادہ ہی سخت ہیں' بلکہ بعض محققین نے عہد قدیم کی کئی ایک پوری کی پوری کتابوں کا انکار کر دیا ہے' اور انہیں باطل حکایات اور جھوٹی داستان شمار کیا ہے۔ کیونکہ قدماء نے قانونی کتابوں میں بہت سی جعلی کتابیں داخل کر دی تھیں' جو اصلاً مردود و مسترد تھیں۔

اور یہ اس بات کی کافی دلیل ہے کہ اہل کتاب کے پاس ان کی کتابوں میں سے کسی بھی کتاب کی متصل سند نہیں پائی جاتی' بلکہ وہ جو کچھ کہتے ہیں محض ظن و تخمین سے کہتے ہیں اور کوئی کتاب محض کسی صاحب الہام کی طرف منسوب کر دینے سے الہامی نہیں ہو جاتی۔

اناجیل کا حال :

تمام قدیم عیسائی اور بے شمار متاخرین اس بات پر متفق ہیں کہ جو انجیل متی کی طرف منسوب ہے وہ عبرانی زبان میں تھی' اور وہ عیسائی فرقوں کی تحریف' اور پہلی تین صدیوں تک عیسائیوں پر گذرنے والے عظیم مصائب کے سبب ناپید ہو گئی' اور اب عبرانی زبان میں انجیل متی کا جو نسخہ موجود ہے وہ یونانی ترجمے سے ترجمہ کیا ہوا ہے' اور اس ترجمے کی بھی ان کے پاس کوئی سند نہیں پائی جاتی' اور نہ مترجم کے نام اور اس کے احوال ہی کا انہیں کچھ پتہ ہے' جیسا کہ جیروم نے اس کا اقرار کیا ہے۔ لیکن یہ لوگ ظن و تخمین کی بنیاد پر کہتے ہیں کہ شاید فلاں نے یا فلاں نے اس کا ترجمہ کیا ہے' اور معلوم ہے کہ اس قسم کے ظن و

تخمین سے مصنف تک کتاب کی اسناد ثابت نہیں ہوا کرتی۔

اس کے علاوہ پچاس سے زیادہ علماء کی نصوص موجود ہیں جن کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ انجیل جو متی کی طرف منسوب ہے اور جو عیسائیوں کے نزدیک پہلی اور سب سے قدیم انجیل ہے یہ یقیناً متی کی تصنیف نہیں ہے' کیونکہ عہد جدید کی ساری کتابیں تو یونانی زبان میں لکھی گئی ہیں' مگر انجیل متی اور عبرانی خط اس سے مستثنٰی ہیں' اس لئے کہ قطعی دلائل کے روسے ان دونوں کا عبرانی زبان میں لکھا جانا یقینی ہے' اور انجیل لکھنے والوں میں متی تنہا وہ شخص ہے جو عبرانی زبان استعمال کرنے میں منفرد ہے۔ چنانچہ اس نے اپنی انجیل عبرانی زبان میں فلسطین کے اندر ان عبرانی یہود کے لئے لکھی جو حضرت ابراہیم اور داود علیہما السلام کی نسل سے کسی موعود شخص کی آمد کا انتظار کر رہے تھے۔ پھر ترجمہ کرنے والوں نے اپنی اپنی سمجھ اور استطاعت کے مطابق اس کا ترجمہ کیا' لیکن متی نے خود اپنی انجیل کا ترجمہ یونانی زبان میں نہیں کیا' بلکہ مترجم کا پتہ نہیں کہ وہ کون ہے؟ جہاں تک باقی انجیلوں کا تعلق ہے تو انہیں لکھنے والوں نے یونانی زبان میں لکھا۔ لیکن جو یہ کہتا ہے کہ متی نے اپنی انجیل یونانی زبان میں لکھی تو وہ غلط کہتا ہے۔

محقق نورتن نے ایک ضخیم کتاب لکھی ہے جس میں ثابت کیا ہے کہ توریت جعلی ہے' موسیٰ علیہ السلام کی تصنیف نہیں ہے۔ یہ بھی ثابت کیا ہے کہ اناجیل میں بھی بہت سی تحریفات واقع ہوئی ہیں۔ اس کتاب میں یہ بھی بتلاتا ہے کہ اسے یقین ہے کہ متی نے اپنی انجیل عبرانی زبان میں لکھی تھی' کیونکہ جن قدماء نے اس طرف اشارہ کیا ہے ان سب کی بات بالاتفاق ایک ہے' اور قدماء میں سے کسی ایک نے بھی ان کے خلاف نہیں کہا ہے' اس لئے یہ شہادت مقبول ہے' اس پر کوئی اعتراض نہیں جو محتاج تحقیق ہو۔ بلکہ قدماء نے اس بات کی بھی شہادت دی ہے کہ اس انجیل کا عبرانی نسخہ یہود قوم میں سے عیسائی ہونے

والوں کے پاس موجود تھا' اور یہ عبرانی نسخہ جیروم کے عہد تک موجود اور مستعمل رہا۔ لہٰذا اس وقت جو انجیل متی موجود ہے یہ ترجمہ ہے جس کے مترجم کے نام اور بقیہ حالات کا تحقیق کے ساتھ پتہ نہیں۔ قدماء کی اس بات کی تقویت اس سے ہوتی ہے کہ متی حواریوں میں سے تھا' اس نے حضرت مسیح علیہ السلام کے بیشتر احوال اپنی آنکھوں سے دیکھے اور اپنے کانوں سے سنے تھے۔ لہٰذا اگر وہی اس انجیل کا مصنف ہوتا تو اس کے کلام سے کم از کم کسی ایک جگہ تو یہ ظاہر ہوتا کہ وہ اپنے چشم دید احوال لکھ رہا ہے' اور وہ اپنے آپ کو کہیں بھی تو متکلم کے صیغے سے تعبیر کرتا' جیسا کہ اگلوں اور پچھلوں کی عادت رہی ہے۔

لہٰذا یہ انجیل جو متی کی طرف منسوب ہے قطعاً اس کی تصنیف نہیں ہے۔

مانی کیز فرقے کا بڑا عالم' جرمن پروفیسر فاسٹس کہتا ہے کہ یہ انجیل پوری کی پوری جھوٹ ہے' اور اس کے پہلے دو باب مارسیونی فرقے' ایبونی فرقے' یونی ٹیرین فرقے اور پادری ولیمس کے نزدیک الحاقی اور مردود ہیں۔

محقق نورتن نے بھی ان دونوں ابواب کا اور اس انجیل کے بہت سے مقامات کا انکار کیا ہے۔

جیروم نے صراحت کی ہے کہ بعض متقدمین علماء کو انجیل مرقس کے سولہویں باب میں جو اس انجیل کا آخری باب ہے شک تھا' اور انجیل لوقا کے پہلے اور دوسرے باب میں' اور بائیسویں باب کے بعض فقرات میں بھی شک تھا' اور مارسیونی فرقے کے نسخے میں پہلا اور دوسرا باب سرے سے تھا ہی نہیں۔

محقق نورتن کہتا ہے کہ انجیل مرقس کے سولہویں باب کے فقرہ نو سے فقرہ بیس تک تمام فقرے الحاقی ہیں' اور یہ لکھنے والوں کی فطری عادت تھی کہ وہ عبارتیں خارج کرنے کے مقابل داخل کرنے کی رغبت زیادہ رکھتے تھے۔

جہاں تک یوحنا کی طرف منسوب انجیل کا تعلق ہے تو کئی امور اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ یہ عیسیٰ علیہ السلام کے شاگرد یوحنا حواری کی تصنیف نہیں ہے' وہ امور یہ ہیں :

۱-اس انجیل کے کسی بھی مقام سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ اس کے لکھنے والے نے اپنے آنکھوں دیکھے حالات قلمبند کئے ہیں' یا ایسے واقعات لکھے ہیں جو اس کی موجودگی میں پیش آئے تھے' بلکہ اس انجیل کی عبارتیں شہادت دیتی ہیں کہ اس کا لکھنے والا یوحنا حواری کے بجائے کوئی اور ہے۔ چنانچہ وہ اس انجیل کے خاتمے پر باب ۲۱' فقرہ ۲۴ میں کہتا ہے : "یہ وہی شاگرد ہے جو ان باتوں کی گواہی دیتا ہے اور جس نے ان کو لکھا ہے اور ہم جانتے ہیں کہ اس کی گواہی سچی ہے"۔

اب دیکھئے کہ لکھنے والا یوحنا کے حق میں غائب کی ضمیریں استعمال کرتا ہے' لیکن اپنے حق میں متکلم کے صیغے سے یہ کہتا ہے کہ "ہم جانتے ہیں" اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس کا لکھنے والا یوحنا حواری کے بجائے قطعاً کوئی اور ہے۔

۲-ارینیوس جو دوسری صدی عیسوی میں باحیات تھا اس نے پولیکارپ کی شاگردی کی ہے اور یہ یوحنا کا شاگرد رہا ہے۔ اسی ارینیوس کی زندگی میں ایک جماعت نے یوحنا حواری کی طرف اس انجیل کی نسبت کا انکار کیا' مگر ارینیوس نے خاموشی اختیار کی اور انکار کرنے والوں کی تردید نہ کی۔ اس لئے اگر یہ انجیل یوحنا حواری کی تصنیف ہوتی تو اس کے شاگرد پولیکارپ کو یقیناً اس کا علم ہوتا اور وہ اس سے اپنے شاگرد ارینیوس کو آگاہ کئے ہوتا۔ اور یہ معلوم ہے کہ ارینیوس نے زبانی روایات کے حفظ میں بڑی جانفشانی سے کام لیا تھا اور پولیکارپ سے بہت سی ایسی باتیں نقل کی تھیں جو اس اہم معاملے سے بہت چھوٹے درجہ کی ہیں۔ پھر یہی ارینیوس ہے جس نے ۲۰۰ء کے حدود میں پہلی بار متی' مرقس اور لوقا کی

تینوں اناجیل کا ذکر بھی کیا ہے' لیکن اس نے یوحنا کی انجیل کا ذکر نہیں کیا۔ بلکہ اس کے بعد ۲۱۶ء میں کلیمنس الگزنڈریانوس نے اس کا تذکرہ کیا ہے' اور یہ دوسرا شخص ہے جس نے پہلی تین انجیلوں کا ذکر کیا ہے' اور پہلا شخص ہے جس نے چاروں اناجیل کا ذکر کیا ہے۔ لہٰذا جو یہ سمجھتے تھے کہ یہ انجیل یوحنا حواری کی تصنیف ہے وہ اس کا انکار کرنے والوں کے خلاف ایک دلیل بھی نہ لا سکے اور نہ ان کیلئے ارینیوس ہی نے اس کے صحیح ہونے کی شہادت دی۔

۳- یوحنا حواری کی طرف اس انجیل کی نسبت کا انکار اہل اسلام کے ساتھ خاص نہیں ہے' اور اس کی دلیل یہ ہے:

الف: بت پرست عالم سلسوس دوسری صدی عیسوی میں چیخ چیخ کر یہ کہہ رہا تھا کہ عیسائیوں نے تین یا چار مرتبہ اپنی اناجیل اس طرح تبدیل کر دی ہیں کہ ان کے مضامین بدل گئے ہیں۔

ب: مانی کیز فرقے کا صدر فاضل فاسٹس چوتھی صدی عیسوی میں چیخ رہا تھا کہ اسے پختہ طور پر معلوم ہے کہ اس عہد جدید کو نہ مسیح نے تصنیف کیا ہے نہ حواریوں نے' بلکہ اسے کسی نامعلوم شخص نے تصنیف کر کے حواریوں اور ان کے رفقاء کی طرف منسوب کر دیا ہے' تاکہ لوگ اسے قبول کر لیں' اور یوں اس نے عیسیٰ علیہ السلام کے پیروکاروں کو بڑی سخت اذیت میں ڈالا ہے' کیونکہ اس نے ایسی کتب تالیف کی ہیں جن میں غلطیاں اور تناقضات ہیں۔

ج: استادلن نے لکھا ہے کہ انجیل یوحنا کا مصنف بلاشبہ اسکندریہ کے مدرسہ کا کوئی طالب علم ہے۔

د: محقق برطشنیڈر کہتا ہے کہ یہ انجیل اور اسی طرح یوحنا کے تینوں خطوط' یوحنا حواری کی تصنیف نہیں ہیں' بلکہ یہ انجیل سمیت دوسری صدی عیسوی کی ابتداء میں لکھے

گئے ہیں۔

ھ : مشہور محقق کروئیس کہتا ہے کہ افس کے کلیسا نے اکیسواں باب ملحق کر دیا ہے۔

و : الوجین فرقے نے دوسری صدی عیسوی میں اس انجیل کو اور یوحنا کی دوسری تمام تصانیف کو رد کر دیا تھا اور اسے یوحنا حواری کی تصنیف ماننے سے انکار کر دیا تھا۔

اور اب اس بحث کا خاتمہ محقق ہورن کی بات پر کرتا ہوں' اس نے اپنی تفسیر میں ذکر کیا ہے کہ کلیسا کے قدیم مورخین سے اناجیل کے زمانہ تالیف کے بارے میں جو حالات ان لوگوں تک پہنچے ہیں وہ ناقص ہیں اور کسی معین بات تک نہیں پہنچاتے ہیں' کیونکہ پرانے اولین مشائخ نے واہیات روایتوں اور جھوٹی داستانوں کو سچ مان کر اپنی کتابوں میں درج کر لیا اور جو لوگ ان کے بعد آئے انہوں نے ان مشائخ کی تعظیم کرتے ہوئے سب کچھ قبول کر لیا' پھر یہ جھوٹی سچی روایتیں ایک کاتب سے دوسرے کاتب تک منتقل ہوتی رہیں' یہاں تک کہ طول زمانہ کے سبب ان کی تنقیح مشکل ہو گئی۔

ہورن نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ اناجیل کے زمانہ تالیف کے بارے میں حسب ذیل سنین کا اختلاف پایا جاتا ہے۔

☆ انجیل متی : ۳۷ء' ۳۸ء' ۴۱ء' ۴۳ء' ۴۸ء' ۶۱ء' ۶۲ء' ۶۳ء' ۶۴ء۔

☆ انجیل مرقس : ۵۶ء' یا اس کے بعد ۶۵ء تک۔

☆ انجیل لوقا : ۵۳ء' ۶۳ء' ۶۴ء۔

☆ انجیل یوحنا : ۶۸ء' ۶۹ء' ۷۰ء' ۹۷ء' ۹۸ء۔

یوں تمام عیسائیوں کے نزدیک جو چار اناجیل مقدم ہیں ان کا حال جب آپ کو معلوم ہو گیا تو یاد رکھیں کہ عہد جدید کے باقی رسائل کا حال ان اناجیل کے حال سے اچھا نہیں ہے۔

اور اس سے ہر سوجھ بوجھ رکھنے والے کے لئے ثابت ہو گیا کہ اہل کتاب کے نزدیک عہد قدیم اور عہد جدید کی کتابوں میں سے کسی بھی کتاب کی متصل سند نہیں پائی جاتی۔

اور اس بناء پر اہل کتاب کے لئے اس دعویٰ کی کوئی گنجائش نہیں کہ وہ اپنی کتابوں کو وحی والہام کے ذریعہ لکھی ہوئی کہیں' کیونکہ یہ دعویٰ قطعی باطل ہے اور اس کے باطل ہونے کے دلائل حسب ذیل ہیں :

الف : یہ کتابیں بے شمار مقامات پر غلطیوں سے' قصداً اور بلا قصد کی گئی تحریفات سے اور معنوی اختلافات سے اس طرح پر ہیں کہ علماء اہل کتاب کے لئے ان کے انکار کی کوئی گنجائش نہیں' حتیٰ کہ ان کے محققین و مفسرین بہت سی غلطیوں اور تحریفات کو تسلیم کرنے پر مجبور ہوئے ہیں اور انہوں نے اختلافات کے بارے میں یہ بھی تسلیم کیا ہے کہ ان میں سے صرف ایک عبارت سچی ہے' باقی سب جھوٹی اور جعلی ہیں۔ پھر انہوں نے ان اختلافات کے سلسلے میں لچر توجیہات اور بودے عذر کئے ہیں جنہیں عقل سلیم قبول نہیں کرتی' کیونکہ الہامی کلام میں غلطیوں اور اختلافات کا واقع ہونا محال ہے' اور جب اس میں تحریف کر دی جائے تو وہ الہامی نہیں رہ جاتا۔ محقق ہورن کہتا ہے کہ "لکھنے والوں کے لئے روا تھا کہ وہ اپنے مزاج' عادات اور فہم کے مطابق لکھیں' اور یہ تصور نہیں کیا جا سکتا کہ ہر بات جسے وہ لکھتے تھے یا ہر فیصلہ جسے وہ کرتے تھے اس کا انہیں الہام کیا جاتا تھا"۔

ہنری اور اسکاٹ کی تفسیر جمع کرنے والے کہتے ہیں کہ "ضروری نہیں کہ ہر بات جو نبی نے لکھی ہو وہ الہامی یا قانونی ہو"۔

برطانوی انسائیکلو پیڈیا میں مذکور ہے کہ بہت سے علماء نے کہا ہے کہ "کتب مقدسہ (بائبل) میں درج ہر بات اور اس میں آیا ہوا ہر حال الہامی نہیں ہے' اور جو لوگ کہتے ہیں کہ اس میں مندرجہ ہر بات الہامی ہے وہ اپنے اس دعویٰ کو آسانی سے ثابت نہیں کر سکتے"۔

علماء محققین کی لکھی ہوئی اس انسائیکلوپیڈیا میں ان کا یہ قول مذکور ہے کہ "ان کتابوں کے مؤلفین کے اقوال و افعال میں غلطیاں اور اختلافات پائے جاتے ہیں' اور حواری ایک دوسرے کو صاحب وحی والہام نہیں سمجھتے تھے' اور قدیم عیسائیوں کا یہ عقیدہ نہیں تھا کہ حواری غلطیوں سے محفوظ تھے' کیونکہ ان کے افعال پر کبھی کبھی اعتراض ہوا کرتا تھا۔ اسی طرح جو کتابیں حواریوں کے شاگردوں نے لکھی ہیں' مثلاً انجیل مرقس' انجیل لوقا' ان کے الہامی ہونے کے بارے میں علماء نے توقف کیا ہے۔ فرقہ پروٹسٹنٹ کے کبار علماء نے بھی اقرار کیا ہے کہ عہد جدید کی ہر بات الہامی نہیں ہے اور حواریوں سے غلطیاں ہوئی ہیں"۔

ب : محقق نورتن نے اکھارن سے اس کی یہ بات نقل کی ہے کہ " عیسائی ملت کے آغاز میں احوال مسیح سے متعلق ایک مختصر سا رسالہ تھا جس کے بارے میں کہا جاسکتا ہے کہ وہی اصل انجیل تھی' جو اپنے کان سے اقوال مسیح نہ سننے اور اپنی آنکھ سے احوال مسیح نہ دیکھنے والے مریدوں کے لئے لکھی گئی تھی' اور یہی انجیل ان ساری انجیلوں کا مرجع تھی جو پہلی اور دوسری صدی عیسوی میں کثرت سے وجود میں آئیں اور جن میں متی' مرقس اور لوقا کی انجیلیں بھی ہیں۔ لیکن یہ انجیلیں ایسے لوگوں کے ہاتھ لگیں جنہوں نے ان کا نقص پورا کرنے کے لئے دوسرے احوال شامل کر دئے' اور یوں بتدریج زیادتی واقع ہوتی گئی' اور نتیجہ یہ ہوا کہ سچے احوال جھوٹے احوال کے ساتھ گڈمڈ ہو کر ایک لمبی روایت میں اکٹھا ہو گئے اور اس طرح ان کی شکل بگڑ گئی' پھر یہ روایات و حکایات جیسے جیسے ایک منہ سے دوسرے منہ تک منتقل ہوتی گئیں مزید بدتر اور غیر محقق ہوتی گئیں' یہاں تک کہ دوسری صدی کے آخر یا تیسری صدی کے آغاز میں کلیسا مجبور ہو گیا کہ بہت سی رائج اناجیل میں سے' جن کی تعداد ستر سے زیادہ تھی' صرف چار انجیلوں کا انتخاب کرے' پھر کلیسا نے یہ فیصلہ کیا کہ لوگ یہی انجیلیں لیں' باقی چھوڑ دیں۔ حالانکہ اگر کلیسا اصل انجیل کو الحاقات

سے محفوظ رکھتا تو لائق شکر ہوتا' لیکن بہت سے نسخوں میں الحاقات ہو جانے کی وجہ سے یہ کام مشکل تھا' کیونکہ اب کوئی نسخہ ایسا نہیں تھا جو الحاق سے خالی ہو' یہاں تک کہ اصل اور ملحق میں تمیز دشوار ہو چکی تھی۔ اسی لئے اکثر قدماء کو اناجیل کے بہت سے حصوں میں شک تھا اور وہ کچھ طے نہیں کرپاتے تھے۔ اس زمانہ میں پریس بھی نہ تھا اس لئے نسخوں کے مالکان میں سے ہر ایک اپنے نسخے میں جو حکایات و روایات چاہتا تھا داخل کر لیتا تھا' پھر جب اس نسخے سے متعدد نسخے نقل ہو کر پھیلتے تو یہ تحقیق دشوار ہو جاتی کہ یہ نسخہ صرف مصنف کے کلام پر مشتمل ہے یا نہیں؟ ادھر مرشدین و واعظین کو اس بات کی زبردست شکایت ہوئی کہ لکھنے والوں نے اور نسخوں کے مالکان نے تصنیف کے تھوڑے ہی عرصہ بعد ان مصنفات میں تحریف کر ڈالی ہے اور شیطان کے چیلوں نے بعض چیزیں نکال کر اور اپنی طرف سے بعض چیزیں بڑھا کر ان میں نجاست داخل کر دی ہے' اور اب کتب مقدسہ محفوظ نہیں رہ گئی ہیں' اور ان سے الہام کی صفت ختم ہو چکی ہے۔ اور اس بات کی دلیل کہ کتب مقدسہ میں تحریف کرنی اس زمانہ کے لوگوں کی پختہ عادت بن چکی تھی یہ بھی ہے کہ مصنفین اپنی کتابوں کے آخر میں لعنت اور غلیظ قسمیں لکھتے تھے تاکہ کوئی شخص ان کے کلام میں تحریف نہ کرے' لیکن یہ تحریف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی سیرت میں بھی واقع ہوئی اور اس درجہ مشہور ہوئی کہ بت پرست عالم سلسوس نے عیسائیوں پر اعتراض کیا کہ ان کی انجیلیں تین چار مرتبہ' بلکہ اس سے بھی زیادہ مرتبہ بدلی جا چکی ہیں' اور اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں' کیونکہ جن میں تحقیق کی استعداد نہیں تھی انہوں نے ظہور اناجیل کے وقت ہی سے ان میں کمی بیشی کا اور کسی بھی لفظ کو اس کے مرادف سے بدلنے کا مشغلہ اختیار کر لیا تھا' چنانچہ وہ وعظ کی عبارتیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حالات جیسے چاہتے تھے بدل لیا کرتے تھے۔ پھر تحریف کی یہ عادت جو پہلے طبقہ والوں نے جاری کی تھی دوسرے اور

تیسرے طبقے میں بھی جاری رہی اور اس طرح پھیلی کہ دین عیسائی کے مخالفین کو بھی اس کا علم ہو گیا۔ دوسری صدی عیسوی کے آخر کے کلیمنس الگزینڈریانوس نے ذکر کیا ہے کہ کچھ لوگوں کی مہم ہی یہ تھی کہ انجیلوں میں تحریف کریں۔

نورتن نے اکھارن کی گزشتہ بات پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ تنہا اکھارن کی رائے نہیں ہے' بلکہ بہت سے جرمن علماء کی بھی یہی رائے ہے' اور باوجودیکہ نورتن انجیل کا وکیل صفائی ہے پھر بھی اس نے چاروں اناجیل میں ایسی سات جگہیں تفصیل سے ذکر کی ہیں اور اعتراف کیا ہے کہ یہ الحاقی اور تحریف کردہ ہیں۔ اس نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ معجزات کے بیان میں جھوٹ شامل ہو گیا ہے' اور اس زمانے میں جھوٹ سچ کی تمیز مشکل ہے۔

سوال یہ ہے کہ جس کتاب میں سچ اور جھوٹ گڈمڈ ہو گیا ہو کیا وہ الہامی ہو سکتی ہے؟ اور کیا اہل کتاب میں سے کسی کے لئے گنجائش باقی رہ جاتی ہے کہ وہ عہد قدیم و جدید (بائبل) کی ساری کتابوں کے بیان میں مندرج سارے حالات کے الہامی ہونے کا دعویٰ کرے؟

ہم مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ اصلی توریت جو موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی اور اصلی انجیل جو عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی' دونوں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے مفقود ہو چکی تھیں' اور جو توریت و انجیل اس وقت موجود ہیں ان کی حیثیت دو کتاب سیرت کی ہے جو صحیح اور جھوٹی روایات کا مجموعہ ہیں۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ یہ دونوں کتابیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد تک کسی تحریف کے بغیر اپنی اصل حالت میں موجود تھیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کے بعد اس میں تحریف کی گئی' کوئی بھی مسلمان اس کا قائل نہیں ہے۔

باقی رہے شاول پولس کے خطوط تو یہ مردود و مرفوض ہیں' کیونکہ یہ شخص ہم مسلمانوں کے نزدیک ان جھوٹوں میں سے ہے جو پہلی صدی عیسوی میں مسیح علیہ السلام کا دین بگاڑنے کے لئے ظاہر ہوا تھا۔ البتہ حواری جو عیسیٰ علیہ السلام کے شاگرد اور مخلص تھے' ان کو ہم صالح مانتے ہیں' لیکن ان کے حق میں نبوت کا عقیدہ نہیں رکھتے' اور ان کے اقوال ہمارے نزدیک صالح مجتہدین کے اقوال کی طرح ہیں جن میں خطا کا احتمال ہے۔ پھر قرن اول اور دوم میں متصل سند کا فقدان اور اصلی انجیل کا فقدان حواریوں کے اقوال سے امان ختم کر دیتا ہے' خصوصاً اس لئے کہ وہ بسا اوقات مسیح علیہ السلام کے اقوال سے ان کی مراد سمجھ نہیں پاتے تھے' جیسا کہ موجودہ انجیل سے ظاہر ہے' اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے کلام میں بکثرت اجمال پایا جاتا ہے۔

جہاں تک مرقس اور لوقا کا تعلق ہے تو وہ حواریوں میں سے نہیں ہیں' اور کسی دلیل سے ثابت نہیں کہ وہ صاحب الہام تھے' بلکہ ایک لحظہ کے لئے بھی مسیح کا دیکھنا نہیں نصیب نہ ہوا تھا۔

خلاصہ یہ کہ توریت ہم مسلمانوں کے نزدیک وہ آسمانی کتاب ہے جو موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی' اور انجیل وہ آسمانی کتاب ہے جو عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی' اور اس میں جو کچھ تھا وہ اللہ تعالیٰ کی وحی تھی' جس میں کمی بیشی کر کے یا کسی کلمے کو دوسرے سے بدل کر تحریف کرنی جائز نہ تھی' چنانچہ سورۃ البقرہ : ۸۷' ہود : ۱۱۰' المؤمنون : ۴۹' الفرقان : ۳۵' القصص : ۴۳' السجدہ : ۲۳ اور حم السجدہ : ۴۵ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

﴿ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ ﴾

یقیناً ہم نے موسیٰ کو کتاب عطا کی۔

اور سورۃ المائدہ : ۴۶ اور سورۃ الحدید : ۲۷ میں عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق اللہ تعالیٰ کا

ارشاد ہے:

﴿ وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ ﴾
ہم نے ان کو انجیل عطا کی۔

اور سورہ مریم: ۳۰ میں عیسیٰ علیہ السلام کی زبانی اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿ اٰتٰىنِيَ الْكِتٰبَ ﴾
اللہ نے مجھے کتاب عطا کی۔

اور سورۃ البقرہ: ۱۳۶ اور سورۃ آل عمران: ۸۴ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:
﴿ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى ﴾

اور جو چیز موسیٰ اور عیسیٰ کو دی گئی (یعنی توریت اور انجیل)

لہٰذا یہ تواریخ ورسائل جو عہد قدیم و جدید (بائبل) کے ضمن میں مدون ہیں اور اب کتاب مقدس کے نام سے معروف ہیں یہ وہ توریت وانجیل نہیں ہیں جو قرآن کریم میں مذکور ہیں' اور ان کو صحیح اور الہامی تسلیم کرنا بھی ضروری نہیں ہے' بلکہ عہد قدیم و جدید (بائبل) کی ساری کتابوں کا حکم یہ ہے کہ ان کی جس روایت کی تصدیق قرآن کریم کردے وہ ہمارے نزدیک یقیناً مقبول ہے اور ہم کسی تردد کے بغیر اس کو سچ مانیں گے' اور جس روایت کی قرآن کریم تکذیب کردے وہ ہمارے نزدیک یقیناً مردود ہے اور ہم کسی تردد کے بغیر اس کو جھوٹ مانیں گے' اور اگر قرآن نے تصدیق و تکذیب سے خاموشی اختیار کی ہے تو ہم بھی خاموش رہیں گے' یعنی نہ تصدیق کریں گے نہ جھٹلائیں گے۔

سورۃ المائدہ' آیت ۴۸ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ ﴾

ہم نے آپ پر حق کے ساتھ کتاب نازل کی' جو اپنے سے پہلی کتاب کی تصدیق کرتی ہے اور اس پر نگہبان ہے۔

پس قرآن کریم اپنے سے پہلی کتابوں کا نگران و محافظ ہے' ان میں جو حق ہے اسے ظاہر کرتا اور اس کی تائید کرتا ہے' اور ان میں جو باطل ہے اسے کھول کر اس کی تردید کرتا ہے۔

اور جن علمائے اسلام نے توریت وانجیل کا رد کیا ہے اور ان میں موجود کذب و تحریف کی وضاحت کی ہے ان کا مقصود اس توریت وانجیل کا رد نہیں ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام پر نازل کی گئی تھیں' بلکہ ان کا مقصود ان نوشتوں اور تواریخ و سیر کی تردید ہے جو عہد قدیم و جدید (بائبل) کی کتابوں میں کئی صدیوں کے اندر جمع کی گئیں اور پھر سمجھ لیا گیا کہ یہ وحی والہام سے لکھی گئی ہیں۔ ان کے متعلق اللہ تعالیٰ نے سورۂ بقرہ آیت ۷۹ میں فرمایا ہے :

﴿ فَوَيْلٌ لِّلَّذِينَ يَكْتُبُونَ الْكِتَٰبَ بِأَيْدِيهِمْ ثُمَّ يَقُولُونَ هَٰذَا مِنْ عِندِ اللَّهِ لِيَشْتَرُوا بِهِۦ ثَمَنًا قَلِيلًا فَوَيْلٌ لَّهُم مِّمَّا كَتَبَتْ أَيْدِيهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُم مِّمَّا يَكْسِبُونَ ﴾

تباہی ہے ان لوگوں کے لئے جو اپنے ہاتھ سے کتاب لکھتے ہیں پھر کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے پاس سے ہے' تاکہ اس کے عوض تھوڑی قیمت خریدیں' پس ان کے لئے تباہی ہے جو کچھ ان کے ہاتھوں نے لکھا اس کی وجہ سے' اور ان کے لئے تباہی ہے جو کچھ یہ کماتے ہیں اس کی وجہ سے۔

نیز تمام اہل اسلام کا اجماع ہے کہ حقیقی توریت وہ ہے جسے موسیٰ علیہ السلام نے اللہ کی وحی سے پڑھا تھا' اور حقیقی انجیل وہ ہے جسے عیسیٰ علیہ السلام نے اللہ کی وحی سے پڑھا تھا' اور یہ مجموعہ جو اس وقت عہد قدیم و جدید (بائبل) کے نام سے مشتہر ہے یہ وہ کتاب نہیں ہے جس کا ذکر قرآن کریم میں آیا ہے' کیونکہ اس وقت توریت کے تین مختلف نسخے ہیں' اور

انجیل کے چار مختلف نسخے ہیں۔ حالانکہ اللہ نے موسیٰ علیہ السلام پر صرف ایک توریت اور عیسیٰ علیہ السلام پر صرف ایک انجیل اتاری تھی۔ لہٰذا جو شخص قرآن میں ذکر کردہ توریت وانجیل کا انکار کردے تو وہ تو کافر اور ملت اسلام سے خارج ہے' لیکن جو شخص عہد قدیم و جدید یا کتاب مقدس (بائبل) میں موجود جھوٹی داستانوں اور اللہ تعالیٰ اور اس کے انبیائے کرام پر گھڑی ہوئی روایتوں کا انکار کردے وہ نہ کافر ہے نہ ملت اسلام سے خارج ہے' بلکہ یہ انکار اور ان کتابوں میں موجود تحریف و کذب کا اظہار علمائے اسلام کا فرض ہے' تاکہ الوہیت و نبوت کی بارگاہ کو ایسی باتوں سے بری کیا جاسکے جو اللہ تعالیٰ کے جلال اور انبیاء کی عصمت کے لائق نہیں ہیں۔

خلاصہ یہ کہ توریت کے یہ تینوں نسخے باہم مختلف ہیں' ان میں غلطیاں' اختلافات اور تناقضات ہیں۔ پھر ان میں موسیٰ علیہ السلام کی موت اور سرزمین مواب میں ان کے دفن کیے جانے کا قصہ بھی مذکور ہے۔ اس لئے ہمیں یقین ہے کہ یہ صحیح اور موسیٰ علیہ السلام پر اتری ہوئی توریت نہیں ہے۔

اسی طرح یہ چاروں اناجیل بھی باہم مختلف ہیں' ان میں غلطیاں' اختلافات اور تناقضات ہیں۔ پھر ان میں عیسائیوں کے حسب خیال مسیح علیہ السلام کو سولی دیے جانے کا قصہ بھی مذکور ہے' اور بتایا گیا ہے کہ فلاں دن انہیں سولی دی گئی اور ان کی وفات ہوئی اور وہ قبر میں دفن کیے گئے۔ اس لئے ہمیں یقین ہے کہ یہ صحیح اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اتری ہوئی انجیل نہیں ہے۔

فصل سوم

اس بیان میں کہ یہ کتابیں اختلافات' غلطیوں اور تحریفات سے بھری پڑی ہیں

پہلی قسم

بعض اختلافات کا بیان

ا- بنیامین کی اولاد کے ناموں اور ان کی تعداد میں اختلاف :

کتاب تواریخ اول باب ۷' فقرہ ۶ میں ہے :

"بنی بنیمین یہ ہیں : بالع اور بکر اور یدیعیل یہ تینوں"۔

اور تواریخ اول ہی کے باب ۸' فقرہ ۱ ۲ میں ہے :

"اور بنیمین سے اس کا پہلوٹھا بالع پیدا ہوا' دوسرا اشبیل' تیسرا اخرخ' چوتھا نوحہ اور پانچواں رفا"۔

اور کتاب پیدائش' باب ۴۶' فقرہ ۲۱ میں ہے :

"اور بنی بنیمین یہ ہیں : بالع اور بکر اور اشبیل اور جیرا اور نعمان' اخی (ایحی) اور روس' مقیم اور حفیم اور ارد"۔

دیکھئے' پہلی نص کے مطابق بنیامین کی اولاد تین ہیں' اور دوسری نص کے مطابق پانچ۔ یہ دونوں نصوص نام اور تعداد دونوں میں مختلف ہیں' صرف بالع کے نام پر دونوں کا اتفاق ہے۔ پھر اولاد کی یہ تعداد تیسری نص کے مطابق دس ہے اور یہ نص سابقہ دونوں نص سے نام اور تعداد دونوں میں مختلف ہے' پہلی نص سے اس کا اتفاق صرف دو ناموں میں ہے' اور دوسری نص سے بھی اس کا اتفاق دو ہی ناموں میں ہے' اور تینوں نص باہم صرف بالع ہی کے نام پر متفق ہیں۔

چونکہ پہلی اور دوسری نص ایک ہی کتاب کی ہیں اس لئے ایک ہی مصنف 'عزرا' کے کلام میں اختلاف و تناقض لازم آتا ہے' پھر یہ اختلاف و تناقض عزرا کی لکھی ہوئی کتاب تواریخ کے درمیان اور کتاب پیدائش کے درمیان بھی ہے۔ اہل کتاب علماء اس اختلاف و تناقض کے بارے میں حیرت زدہ ہیں اور مجبور ہو کر عزرا کی طرف غلطی منسوب کر رہے ہیں' چنانچہ کہتے ہیں کہ "نسب کے جن اوراق سے عزرا نے نقل کیا تھا وہ ناقص تھے' اس لئے وہ بیٹوں اور پوتوں میں تمیز نہ کر سکے"۔

۲- بنی اسرائیل اور یہوداہ کے لشکریوں کی تعداد میں اختلاف :

کتاب سموئیل دوم' باب ۲۴' فقرہ ۹ میں ہے :

"اور یوآب نے مردم شماری کی تعداد بادشاہ کو دی' سو اسرائیل میں آٹھ لاکھ بہادر مرد نکلے' جو شمشیر زن تھے' اور یہوداہ کے مرد پانچ لاکھ نکلے"۔

اور کتاب تواریخ اول' باب ۲۱' فقرہ ۵ میں ہے :

"اور یوآب نے لوگوں کے شمار کی میزان داود کو بتائی' اور سب اسرائیلی گیارہ لاکھ شمشیر زن مرد' اور یہوداہ چار لاکھ ستر ہزار شمشیر زن مرد تھے"۔

پہلی نص کے مطابق اسرائیلی فوجیوں کی تعداد آٹھ لاکھ اور یہوداہ کی پانچ لاکھ تھی' لیکن دوسری نص کے مطابق اسرائیلی فوجیوں کی تعداد گیارہ لاکھ اور یہوداہ کی چار لاکھ ستر ہزار تھی۔

یعنی دونوں نص کے درمیان اسرائیلی فوجیوں کی تعداد میں تین لاکھ کا اور یہوداہ کے فوجیوں کی تعداد میں تیس ہزار کا فرق ہے۔ آدم کلارک نے اپنی تفسیر میں اعتراف کیا ہے کہ ان دونوں میں سے صحیح نص کی تعیین مشکل ہے' کیونکہ کتب تواریخ میں بہت زیادہ تحریفات واقع ہوئی ہیں' اور تطبیق کے لئے اجتہاد کرنا فضول ہے' بہتر یہ ہے کہ تحریف

تسلیم کرلی جائے' کیونکہ اس کے انکار کی قدرت نہیں' اور اس لئے بھی کہ ناقلین صاحب الہام نہ تھے۔

۳- غیب بین جاد کی خبر میں اختلاف :

کتاب سموئیل دوم' باب ۲۴' فقرہ ۱۳ میں ہے :

"سو جاد نے داود کے پاس جاکر اس کو یہ بتایا اور اس سے یہ پوچھا : کیا تیرے ملک میں سات برس قحط رہے' یا تو تین مہینے تک اپنے دشمنوں سے بھاگتا پھرے اور وہ تجھے رگیدیں"۔

اور کتاب تواریخ اول' باب ۲۱' فقرہ ۱۱' ۱۲ میں ہے :

"سو جاد نے داود کے پاس آکر اس سے کہا : خداوند یوں فرماتا ہے کہ تو جسے چاہے اسے چن لے' یا تو قحط کے تین برس' یا اپنے دشمنوں کے آگے تین مہینے تک ہلاک ہوتے رہنا' ایسے حال میں کہ تیرے دشمنوں کی تلوار تجھ پر وار کرتی رہے"۔

ان دونوں نصوص میں قحط کی مدت میں اختلاف ہے' پہلی نص میں سات سال اور دوسری نص میں تین سال۔ چنانچہ اہل کتاب مفسرین کو اقرار ہے کہ پہلی نص غلط ہے۔

آدم کلارک کہتا ہے کہ تواریخ کی نص بلاشبہ صحیح ہے اور یونانی نسخے کے موافق ہے۔

۴- بادشاہ اخزیاہ کی تخت نشینی کی عمر میں اختلاف :

کتاب سلاطین دوم' باب ۸' فقرہ ۲۶ میں ہے :

"اخزیاہ بائیس برس کا تھا جب وہ سلطنت کرنے لگا اور اس نے یروشلیم میں ایک برس سلطنت کی"۔

اور کتاب تواریخ دوم' باب ۲۲' فقرہ ۲ میں ہے :

"اخزیاہ بیالیس برس کا تھا جب وہ سلطنت کرنے لگا اور اس نے یروشلیم میں ایک برس سلطنت کی"۔

ان دونوں عبارتوں میں بیس برس کا فرق ہے' اور کوئی شک نہیں کہ دوسری عبارت غلط ہے' کیونکہ اس کا باپ یہورام (تواریخ دوم' باب ۲۱' فقرہ ۲۰' اور باب ۲۲' فقرہ ۱' ۲ کے مطابق) چالیس سال کی عمر میں انتقال کر گیا تھا' اور باپ کے انتقال کرتے ہی اخزیاہ نے سلطنت کی باگ ڈور سنبھال لی تھی۔ لہٰذا اگر دوسری عبارت غلط نہ ہو تو لازم آئے گا کہ اخزیاہ اپنے باپ سے دو سال بڑا تھا' اور یہ انتہائی محال بات ہے۔ چنانچہ آدم کلارک' ہورن' ہنری اور اسکاٹ نے اپنی تفسیروں میں اقرار کیا ہے کہ یہ اختلاف کاتب کی غلطی سے واقع ہوا ہے۔

۵- بادشاہ یہویاکین کی تخت نشینی کی عمر میں اختلاف :

کتاب سلاطین دوم' باب ۲۴' فقرہ ۸' ۹ میں ہے :

"اور یہویاکین جب سلطنت کرنے لگا تو اٹھارہ برس کا تھا اور یروشلیم میں اس نے تین مہینے سلطنت کی...... اس نے بھی خداوند کی نظر میں بدی کی"۔

اور کتاب تواریخ دوم' باب ۳۷' فقرہ ۹ میں ہے :

"یہویاکین آٹھ برس کا تھا جب وہ سلطنت کرنے لگا اور اس نے تین مہینے دس دن یروشلیم میں سلطنت کی اور اس نے وہی کیا جو خداوند کی نظر میں برا تھا"۔

ان دونوں عبارتوں میں دس سال کا اختلاف ہے۔ اہل کتاب مفسرین کو اقرار ہے کہ دوسری عبارت یقیناً غلط ہے' کیونکہ اس کی حکمرانی کی مدت صرف تین ماہ تھی' اس کے بعد وہ قید ہو کر بابل گیا اور قید میں اس کی بیویاں بھی اس کے ساتھ تھیں' اور یہ عادت کے خلاف ہے کہ آٹھ سال کے بچے کی بیویاں ہوں' اور شرع کے خلاف ہے کہ اس قسم کے

بچے کے بارے میں کہا جائے کہ "اس نے خداوند کی نظر میں بدی کی"۔ اسی لئے محقق آدم کلارک نے کہا کہ "اس کتاب کا یہ مقام تحریف شدہ ہے"۔

۶۔ جن لوگوں کو داود کے ایک بہادر نے نیزے سے ایک ہی وقت میں قتل کیا تھا ان کی تعداد میں اختلاف :

کتاب سموئیل دوم، باب ۲۳، فقرہ ۸ میں ہے :

"......[1] جس سے آٹھ سو ایک ہی وقت میں مقتول ہوئے"۔

اور کتاب تواریخ اول، باب ۱۱، فقرہ ۱۱ میں ہے :

"اس نے تین سو پر اپنا بھالا چلایا، اور ان کو ایک ہی وقت میں قتل کیا"۔

ان دونوں نصوں میں پانچ سو مقتولین کا اختلاف ہے۔ آدم کلارک اور ڈاکٹر کنی کاٹ کہتے ہیں کہ "اس فقرے میں تین بھاری تحریفات ہیں"۔

۷۔ سفینہ نوح علیہ السلام میں جو پرندے اور چوپائے لئے گئے ان کی تعداد میں اختلاف :

کتاب پیدائش، باب ۶، فقرہ ۱۹، ۲۰ میں ہے :

"اور جانوروں کی ہر قسم میں سے دو، دو اپنے ساتھ کشتی میں لے لینا کہ وہ تیرے ساتھ جیتے بچیں، وہ نر و مادہ ہوں، اور پرندوں کی ہر قسم میں سے اور چرندوں کی ہر قسم میں سے اور زمین پر رینگنے والوں کی ہر قسم میں سے دو دو تیرے پاس آئیں، تاکہ وہ جیتے بچیں"۔

اور کتاب پیدائش ہی کے باب ۷، فقرہ ۸، ۹ میں ہے :

۱۔ یہاں عربی میں یہ عبارت بھی ہے کہ "اس نے آٹھ سو پر اپنا نیزہ چلایا" مگر اردو نسخہ میں یہ عبارت نہیں ہے (مترجم)

"اور پاک جانوروں میں سے اور ان جانوروں میں سے جو پاک نہیں اور پرندوں میں سے اور زمین پر کے ہر رینگنے والے جاندار میں سے دو' دو نر اور مادہ کشتی میں نوح کے پاس گئے' جیسا خدا نے نوح کو حکم دیا تھا"۔

لیکن اسی کتاب پیدائش کے باب ۷ 'فقرہ ۲' ۳ میں ہے :

"کل پاک جانوروں میں سے سات سات نر اور ان کی مادہ 'اور ان میں سے جو پاک نہیں ہیں دو دو نر اور ان کی مادہ اپنے ساتھ لے لینا' اور ہوا کے پرندوں میں سے بھی سات سات نر اور مادہ لینا تاکہ زمین پر ان کی نسل باقی رہے"۔

یہ ایک ہی کتاب کی تین نصوص ہیں' پہلی اور دوسری نص سے سمجھا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کو تمام جانوروں' پرندوں اور زمین پر رینگنے والے جانداروں میں سے دو' دو نر اور مادہ کو اپنے ساتھ کشتی میں لینے کا حکم دیا تھا اور نوح علیہ السلام نے اس حکم کی تعمیل کی۔

لیکن تیسری نص سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ اپنے ساتھ کشتی میں تمام پاک جانوروں اور تمام پرندوں کے سات سات جوڑے لیں' اور جو جانور پاک نہیں ہیں صرف ان کے دو دو جوڑے لیں۔

غرض پہلی اور دوسری نص میں سات کا ذکر نہیں ہے' بلکہ یہ دونوں نص سب کے سلسلے میں دو دو کے ذکر پر متفق ہیں' جبکہ تیسری نص میں دو دو کی پابندی صرف ناپاک جانوروں کے لئے ہے' اور چڑیوں اور باقی جانوروں میں سے سات سات جوڑے لینے کا حکم ہے۔ لٰہذا یہ نص پہلی دو نصوں سے ٹکراتی ہے اور یہ بڑا زبردست اختلاف ہے۔

۸۔ حضرت داود علیہ السلام کے گرفتار کردہ قیدیوں کی تعداد میں اختلاف :

کتاب سموئیل دوم' باب ۸' فقرہ ۴ میں ہے :

"اور داود نے اس کے ایک ہزار سات سو سوار اور بیس ہزار پیادے پکڑ لئے"۔

اور کتاب تواریخ اول' باب ۱۸' فقرہ ۴ میں ہے :

"اور داود نے اس سے ایک ہزار رتھ اور سات ہزار سوار اور بیس ہزار پیادے لے لئے"۔

ان دونوں نصوص کے درمیان دوسری نص میں ایک ہزار رتھوں اور پانچ ہزار تین سو سواروں کے اضافے کا اختلاف ہے۔

۹۔ حضرت داود علیہ السلام نے ارام کے جن لوگوں کو قتل کیا ان کی تعداد میں اختلاف :

کتاب سموئیل دوم' باب ۱۰' فقرہ ۱۸ میں ہے : "اور داود نے ارامیوں کے سات سو رتھوں کے آدمی اور چالیس ہزار سوار قتل کر ڈالے"۔

اور کتاب تواریخ اول' باب ۱۹' فقرہ ۱۸ میں ہے :

"اور داود نے ارامیوں کے سات ہزار رتھوں کے سواروں اور چالیس ہزار پیادے کو مارا"۔

ان دونوں نصوص کے درمیان' دوسری نص میں چھ ہزار تین سو رتھوں کے اضافے کا اختلاف ہے۔

۱۰۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے گھوڑوں کے تھان کی تعداد میں اختلاف :

کتاب سلاطین اول' باب ۴' فقرہ ۲۶ میں ہے :

"اور سلیمان کے ہاں اس کے رتھوں کے لئے چالیس ہزار تھان اور بارہ ہزار سوار تھے"۔

اور کتاب تواریخ دوم' باب ۹' فقرہ ۲۵ میں ہے :

"اور سلیمان کے پاس گھوڑوں اور رتھوں کے لئے چار ہزار تھان اور بارہ ہزار سوار تھے"۔

ان دونوں نصوص کے درمیان ' پہلی نص میں چھتیس ہزار تھانوں کے اضافے کا اختلاف ہے۔ مفسر آدم کلارک کہتا ہے : "بہتر ہے کہ ہم تعداد میں تحریف واقع ہونے کا اقرار کرلیں"۔

۱۱- مسیح علیہ السلام کے نسب کے بیان میں اختلاف :

مسیح علیہ السلام کا نسب انجیل متی' باب ۱' فقرہ ۱ تا ۱۷ میں' اور انجیل لوقا' باب ۳' فقرہ ۲۳ تا ۳۸ میں مذکور ہے' ان دونوں کے تقابل سے چھ زبردست اختلافات سامنے آتے ہیں' جو یہ ہیں :

الف : انجیل متی' باب ۱' فقرہ ۱۶ میں ہے کہ حضرت مسیح کی والدہ حضرت مریم کا شوہر یوسف بن یعقوب تھا۔ اور انجیل لوقا' باب ۳' فقرہ ۲۳ میں ہے کہ وہ یوسف بن ہالی تھا۔

ب : انجیل متی' باب ۱' فقرہ ۶ میں ہے' حضرت مسیح' حضرت سلیمان بن داود علیہم السلام کی نسل سے ہیں' لیکن انجیل لوقا' باب ۳' فقرہ ۳۱ میں ہے کہ وہ ناثان بن داود علیہ السلام کی نسل سے ہیں۔

ج : انجیل متی' باب ۱' فقرہ ۶ تا ۱۱ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے اجداد' حضرت داود سے لے کر بابل کی اسیری تک مشہور بادشاہ ہوئے ہیں' لیکن انجیل لوقا' باب ۳' فقرہ ۲۷ تا ۳۱ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت داود علیہ السلام اور ان کے صاحبزادے ناثان کے علاوہ باقی لوگ نہ بادشاہ تھے نہ مشہور۔

د : انجیل متی' باب ۱' فقرہ ۱۲ میں ہے کہ سیالتی ایل' یکونیاہ کا بیٹا تھا۔ اور انجیل لوقا' باب ۳' فقرہ ۲۷ میں ہے کہ سیالتی ایل' نیری کا بیٹا تھا۔

ھ : انجیل متی' باب ۱' فقرہ ۱۳ میں ہے کہ زربابل کے بیٹے کا نام ابیہود تھا اور انجیل لوقا' باب ۳' فقرہ ۲۷ میں ہے کہ زربابل کے بیٹے کا نام ریسا تھا۔

پھر حیرت ہے کہ تواریخ اول' باب ۳' فقرہ ۱۹ میں زربابل کے بیٹوں کے نام درج ہیں' مگر ان میں نہ ابیہود ہے نہ ریسا۔

و : انجیل متی' باب ۱' فقرہ ۶ تا ۱۷ میں جو نسب مذکور ہے اس میں حضرت داود اور حضرت مسیح علیہما السلام کے درمیان چھبیس پشتیں ہیں' لیکن انجیل لوقا' باب ۳' فقرہ ۲۳ تا ۳۱ میں اسی نسب کے اندر داود اور مسیح علیہما السلام کے درمیان اکتالیس پشتیں ہیں۔

عیسائی علماء اور قدیم محققین تیسری صدی سے جب سے یہ دونوں انجیلیں مشتہر ہوئی ہیں' اس اختلاف پر حیرت زدہ ہیں اور اس کا ازالہ نہیں کر سکے ہیں' بلکہ یہ آس لگائے بیٹھے ہیں کہ وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ یہ اختلاف مٹ جائے گا۔ لیکن یہ امید بر نہ آئی' چنانچہ نسب کا یہ اختلاف اب تک موجود ہے اور متاخرین کو بھی حیرت میں ڈالے ہوئے ہے۔

۱۲- حضرت مسیح نے جن لوگوں کو شفا دی ان کی تعداد میں اختلاف :

انجیل متی' باب ۲۰' فقرہ ۲۹ تا ۳۴ میں دو اندھوں کا واقعہ مذکور ہے' میں اس کے بعض فقرے نقل کرنے پر اکتفا کرتا ہوں :

"(۲۹) اور جب وہ یریحو سے نکل رہے تھے ایک بڑی بھیڑ اس کے پیچھے ہو لی۔ (۳۰) اور دیکھو دو اندھوں نے جو راہ کے کنارے بیٹھے تھے...... (۳۴) یسوع کو ترس آیا' اور اس نے ان کی آنکھوں کو چھوا اور وہ فوراً بینا ہو گئے اور اس کے پیچھے ہو لئے"۔

اسی انجیل متی' باب ۸' فقرہ ۲۸ تا ۳۴ میں دو بدروح والوں کا قصہ مذکور ہے' میں اس کا ابتدائی فقرہ نقل کرتا ہوں : (فقرہ ۲۸) "جب وہ اس پار گدرینیوں کے ملک میں پہنچا تو دو آدمی جن میں بدروحیں تھیں قبروں سے نکل کر اس سے ملے' وہ ایسے تند مزاج تھے کہ کوئی اس راستہ سے گذر نہیں سکتا تھا"۔

انجیل متی کی ان دونوں نصوص میں یہ بات صاف ہے کہ یہ دو اندھے اور دو بدروح لے تھے۔

پہلا قصہ بعینہ انجیل مرقس' باب ۱۰' فقرہ ۴۶ تا ۵۲ میں مذکور ہے' مگر اس میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ راستہ پر بیٹھا ہوا ایک ہی اندھا تھا' جس کا نام برتمائی تھا۔

اور دوسرا قصہ بعینہ انجیل مرقس' باب ۵' فقرہ ۱ تا ۲۰' اور انجیل لوقا' باب ۸' فقرہ ۲۶ تا ۳۹ میں مذکور ہے' اور ان میں یہ بتایا گیا ہے کہ جو بدروح والا حضرت مسیح سے ملا تھا وہ ایک ہی تھا۔

۱۳- بارہ شاگردوں کے لئے حضرت مسیح کی وصیت میں جس لاٹھی کا ذکر ہے اس میں اختلاف :

انجیل متی' باب ۱۰' فقرہ ۹' ۱۰ میں ہے :

"نہ سونا اپنے کمر بند میں رکھنا نہ چاندی نہ پیسے' راستہ کے لئے نہ جھولی لینا نہ دو دو کرتے' نہ جوتیاں نہ لاٹھی"۔

اسی طرح انجیل لوقا' باب ۹' فقرہ ۳ میں ہے :

"اور ان سے کہا کہ راہ کے لئے کچھ نہ لینا' نہ لاٹھی' نہ جھولی' نہ روٹی' نہ روپیہ' نہ دو دو کرتے رکھنا"۔

لیکن انجیل مرقس باب ۶' فقرہ ۸' ۹ میں ہے : "اور حکم دیا کہ راستہ کے لئے لاٹھی کے سوا کچھ نہ لو' نہ روٹی نہ جھولی' نہ اپنے کمر بند میں پیسے' مگر جوتیاں پہنو' اور دو کرتے نہ پہنو"۔

یہ تین نصوص ہیں' پہلی اور دوسری نص بتاتی ہے کہ جب عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے بارہ حواریوں کو بھیجا تو انہیں اپنے ساتھ کوئی بھی چیز لے جانے سے منع کر دیا' یہاں تک کہ راستے کے لئے لاٹھی بھی نہیں۔

جبکہ تیسری نص بتاتی ہے کہ انہوں نے راستے کے لئے صرف لاٹھی لے جانے کی اجازت دی۔

۱۴- حضرت مسیح کی اپنے لئے گواہی میں اختلاف :

انجیل یوحنا' باب ۵' فقرہ ۳۱' میں حضرت مسیح کا قول ہے :

"اگر میں خود اپنی گواہی دوں تو میری گواہی سچی نہیں"۔

لیکن اسی انجیل یوحنا کے باب ۸' فقرہ ۱۴ میں حضرت مسیح کا قول ہے :

"اگرچہ میں اپنی گواہی آپ دیتا ہوں تو بھی میری گواہی سچی ہے"۔

پہلی نص کا مفاد یہ ہے کہ حضرت مسیح کی اپنے لئے گواہی قابل قبول نہیں' اور دوسری نص کا مفاد یہ ہے کہ حضرت مسیح کی اپنے لئے گواہی بھی قبول کرنی ضروری ہے۔

۱۵- صلیب کو صلیب کی جگہ تک لے جانے والے کے بارے میں اختلاف :

انجیل متی' باب ۲۷' فقرہ ۳۲ میں ہے :

"جب باہر آئے تو انہوں نے شمعون نام ایک کرینی آدمی کو پاکر اسے بیگار میں پکڑا کہ اس کی صلیب اٹھائے"۔

اور انجیل لوقا' باب ۲۳' فقرہ ۲۶' میں ہے :

"اور جب اس کو لئے جاتے تھے تو انہوں نے شمعون نام ایک کرینی کو جو دیہات سے آتا تھا پکڑ کر صلیب اس پر لادی کہ یسوع کے پیچھے پیچھے لے چلے"۔

اور انجیل یوحنا' باب ۱۹' فقرہ ۱۷ میں ہے :

"پس وہ یسوع کو لے گئے اور وہ اپنی صلیب آپ اٹھائے ہوئے اس جگہ تک باہر گیا جو کھوپڑی کی جگہ کہلاتی ہے' جس کا ترجمہ عبرانی میں گلگتا ہے"۔

یہ تین نصوص ہیں' پہلی اور دوسری نص جو متی اور لوقا کی ہیں بتاتی ہیں کہ صلیب لے

جانے والا شمعون کرینی تھا' جبکہ تیسری نص جو یوحنا کی ہے بتاتی ہے کہ حضرت مسیح خود صلیب اٹھا کر لے گئے۔

۱۶- حضرت مسیح صلح کرانے والے تھے یا اس کے برعکس تھے :

انجیل متی' باب ۵' فقرہ ۹ میں ہے :

"مبارک ہیں وہ جو صلح کراتے ہیں' کیونکہ وہ خدا کے بیٹے کہلائیں گے"۔

اور انجیل لوقا' باب ۹' فقرہ ۵۶ میں ہے :

"کیونکہ ابن آدم لوگوں کی جان برباد کرنے نہیں بلکہ بچانے آیا"۔

لیکن انجیل متی' باب ۱۰' فقرہ ۳۴ میں ہے :

"یہ نہ سمجھو کہ میں زمین پر صلح کرانے آیا ہوں' صلح کرانے نہیں بلکہ تلوار چلوانے آیا ہوں"۔

اور انجیل لوقا' باب ۱۲' فقرہ ۴۹ اور ۵۱ میں ہے :

"(۴۹) میں زمین پر آگ بھڑکانے آیا ہوں' اور اگر لگ چکی ہو تو میں کیا ہی خوش ہوتا۔ (۵۱) کیا تم گمان کرتے ہو کہ میں زمین پر صلح کرانے آیا ہوں ؟ میں تم سے کہتا ہوں کہ نہیں' بلکہ جدائی کرانے"۔

اختلاف واضح ہے' پہلی اور دوسری نص میں "مبارک" کہہ کر صلح کرانے والوں کی تعریف کی ہے اور یہ بتایا ہے کہ وہ لوگوں کو برباد کرنے نہیں بلکہ بچانے آئے ہیں' جبکہ تیسری اور چوتھی نص میں اپنے آپ سے صلح کرانے کی نفی کی ہے اور اس کا برعکس ثابت کرتے ہوئے بتایا ہے کہ وہ تلوار لے کر آگ بھڑکانے اور جدائی ڈالنے آئے تھے۔

اس سے لازم آتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام بچانے نہیں' بلکہ برباد کرنے آئے تھے' اور وہ ان لوگوں میں سے نہیں ہیں جن کے متعلق کہا گیا ہے کہ "مبارک ہیں وہ جو صلح کراتے ہیں"۔

دوسری قسم

بعض غلطیوں کا بیان

یہ غلطیاں گذشتہ اختلافات کے علاوہ ہیں' کیونکہ اختلافات مختلف نسخوں' ان کے ترجموں اور ابواب کے درمیان تقابل سے اخذ کئے جاتے ہیں' جبکہ غلطیاں امر واقعہ یا عقل یا عرف یا تاریخ یا علم ریاضیات یا کسی بھی دوسرے علم کے مطابق- محققین کے بقول- نہ ہونے سے معلوم کی جاتی ہیں' جیسا کہ آپ دیکھیں گے۔

۱- مصر میں بنو اسرائیل کی مدت اقامت میں غلطی :

کتاب خروج' باب ۱۲' فقرہ ۴۰' ۴۱ میں ہے :

"اور بنی اسرائیل کو مصر میں بود و باش کرتے ہوئے چار سو تیس برس ہوئے تھے' اور ان چار سو تیس برسوں کے گذر جانے پر ٹھیک اسی روز خداوند کا سارا لشکر ملک مصر سے نکل گیا"۔

یہ غلط ہے' کیونکہ مصر میں بنی اسرائیل کی مدت سکونت صرف دو سو پندرہ برس تھی' البتہ سرزمین کنعان اور سرزمین مصر دونوں جگہ میں ان کی اور ان کے آباء واجداد کی مدت سکونت ملا کر چار سو تیس برس ہوتی ہے' کیونکہ سرزمین کنعان (فلسطین) میں ابراہیم علیہ السلام کے دخول سے اسحاق علیہ السلام کی ولادت تک کا زمانہ پچیس برس ہے' اور اسحاق علیہ السلام کی ولادت سے یعقوب علیہ السلام کی ولادت تک ساٹھ برس ہے' اور مصر میں حضرت یعقوب علیہ السلام کے داخلے کے وقت ان کی عمر ایک سو تیس برس تھی' لہٰذا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سرزمین کنعان میں داخل ہونے سے لے کر ان کے پوتے حضرت یعقوب علیہ السلام کے سرزمین مصر میں داخل ہونے تک مجموعی مدت دو سو

پندرہ برس ہوتی ہے۔

۲۵+۶۰+۱۳۰=۲۱۵ برس۔

اور جب سے یعقوب علیہ السلام سرزمین مصر میں داخل ہوئے تھے اس وقت سے موسیٰ علیہ السلام کے خروج تک مصر میں بنی اسرائیل کی مدت سکونت بھی دو سو پندرہ برس تھی۔ لہٰذا سرزمین کنعان اور سرزمین مصر دونوں جگہ کی مجموعی سکونت چار سو تیس برس ہوگی۔ چنانچہ اہل کتاب علماء مفسرین و مورخین و محققین نے اس غلطی کا اقرار کیا ہے اور کہا ہے کہ سامری نسخہ توریت کی عبارت جس نے دونوں سکونتوں کو یکجا کیا ہے وہی صحیح ہے' اور دوسرے نسخوں میں جو غلطی واقع ہوئی ہے اس کا ازالہ کرتی ہے۔

سامری توریت میں کتاب خروج' باب ۱۲' کا فقرہ ۴۰ اس طرح ہے:

"اور بنی اسرائیل اور ان کے آباؤ اجداد کی بود و باش جو انہوں نے کنعان کی زمین میں اور مصر کی زمین میں کی' چار سو تیس برس تھی"۔

اور یونانی توریت میں اس کی عبارت یوں ہے:

"وہ پوری مدت جو بنی اسرائیل اور ان کے آباؤ اجداد نے کنعان کی زمین اور مصر کی زمین میں بود وباش کی چار سو تیس برس ہے"۔

اسی کو عیسائی محققین کی معتمد کتاب "مرشد الطالبین الی الکتاب المقدس الثمین" کے مصنف نے اختیار کیا ہے' اس نے ذکر کیا ہے کہ مصر میں حضرت یعقوب علیہ السلام کی اقامت سے حضرت مسیح علیہ السلام کی ولادت تک کا زمانہ سترہ سو چھ (۱۷۰۶) برس ہے' اور بنی اسرائیل کے سمندر پار کرنے اور فرعون کے غرق ہونے سے مسیح علیہ السلام کی ولادت تک کا زمانہ چودہ سو اکیانوے (۱۴۹۱) برس ہے۔ ۱۷۰۶ سے ۱۴۹۱ نکال دیں تو ۲۱۵ باقی بچتے ہیں۔ لہٰذا مصر میں حضرت یعقوب علیہ السلام کے داخل ہونے سے موسیٰ

علیہ السلام کے نکلنے اور فرعون کے غرق ہونے تک بنی اسرائیل کی سکونت کی یہی مدت ہے۔ اس کے بعد جب ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کی چوتھی پشت پر ہیں (کیونکہ حضرت موسیٰ' عمران بن قہات بن لادی بن یعقوب کے صاحبزادے ہیں) تو پکا یقین ہو جاتا ہے کہ مصر میں بنی اسرائیل کی مدت سکونت ۲۱۵ برس سے زیادہ ہونی محال ہے' چنانچہ اسی مدت پر اہل کتاب علماء مورخین و مفسرین و محققین کا اجماع ہے' اور عبرانی نسخے میں جو یہ بات آئی ہے کہ بنی اسرائیل نے تنہا مصر میں ۴۳۰ برس بود و باش کی اس کو انہوں نے غلط قرار دیا ہے۔ اسی لئے آدم کلارک نے اپنی تفسیر میں کہا کہ: "سب متفق ہیں کہ عبرانی نسخے کے مضمون میں انتہائی اشکال ہے' اور موسیٰ علیہ السلام کی پانچ کتابوں کے حق میں سامری نسخہ دوسروں سے زیادہ صحیح ہے' اور تواریخ اسی کی تائید کرتی ہیں جو سامری نسخے میں ہے"۔

ہنری اور اسکاٹ کی تفسیر کے جامعین کہتے ہیں: "سامری نسخے کی عبارت سچی ہے اور متن میں واقع ہر مشکل کا ازالہ کرتی ہے"۔

اس سے ظاہر ہے کہ عبرانی نسخے کی کتاب خروج' باب ۱۲' فقرہ ۴۰ میں جو عبارت آئی ہے اس کے متعلق اہل کتاب علماء کے نزدیک اس اعتراف کے علاوہ کوئی توجیہ نہیں کہ وہ غلط ہے۔

۲- بنی اسرائیل جب موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ مصر سے نکلے تو ان کی تعداد کیا تھی اس میں غلطی:

کتاب گنتی' باب ۱' فقرہ ۴۴ تا ۴۷ میں ہے:

"یہی وہ لوگ ہیں جو گنے گئے' انہی کو موسیٰ اور ہارون (اور بنی اسرائیل کے بارہ رئیسوں) نے ...... گنا۔ سو بنی اسرائیل میں سے جتنے آدمی بیس برس یا اس سے اوپر کی

عمر کے اور جنگ کرنے کے قابل تھے وہ سب گنے گئے' اور ان سبھوں کا شمار چھ لاکھ تین ہزار پانچ سو پچاس تھا۔ پر لاوی اپنے آبائی قبیلہ کے مطابق ان کے ساتھ گنے نہیں گئے"۔

اس عبارت میں بتایا گیا ہے کہ بنی اسرائیل جو مصر سے موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کے ساتھ نکلے تھے ان میں بیس برس یا اس سے اوپر کے جنگ کے قابل لوگوں کی تعداد چھ لاکھ تین ہزار پانچ سو پچاس (۶۰۳۵۵۰) تھی اور لاویوں کا پورا قبیلہ مرد و عورت سمیت اس شمار میں داخل نہیں تھا' اسی طرح بنی اسرائیل کی تمام عورتیں اور بیس برس سے کم عمر کے سارے مرد بھی اس شمار میں داخل نہیں تھے۔ لہٰذا ان چھوڑے ہوئے سارے مردوں اور عورتوں کو بھی شامل کر لیا جائے تو مجموعی تعداد پچیس لاکھ سے کم نہ ہو گی' لیکن یہ تعداد کئی وجہوں سے غلط ہے :

الف : اس لئے کہ کتاب پیدائش' باب ۴۶' فقرہ ۲۷' کتاب خروج' باب ۱' فقرہ ۵' اور کتاب استثناء' باب ۱۰' فقرہ ۲۲ میں ہے کہ یعقوب کے گھرانے کے سارے لوگ جو مصر میں آئے تھے وہ سب مل کر ستر تھے۔

ب : اور اس لئے کہ مصر میں بنی اسرائیل کی مدت سکونت صرف دو سو پندرہ (۲۱۵) برس تھی۔

ج : اور اس لئے کہ کتاب خروج' باب ۱' فقرہ ۱۵ تا ۲۲ میں مذکور ہے کہ مصر سے بنی اسرائیل کے نکلنے کے اسی (۸۰) برس پہلے سے ان میں جو لڑکا پیدا ہوتا تھا اسے قتل کر دیا جاتا تھا اور لڑکی جیتی چھوڑ دی جاتی تھی۔

ان تین باتوں کے جاننے کے بعد عقل یقین کرتی ہے کہ چھ لاکھ تین ہزار پانچ سو پچاس (۶۰۳۵۵۰) کی مذکورہ تعداد غلط ہے' کیونکہ اگر ہم لڑکوں کے قتل سے صرف نظر بھی کر لیں اور یہ فرض کریں کہ ان کی تعداد ہر پچیس سال میں دوگنی ہو جایا کرتی تھی تو ستر'

(۷۰) کی تعداد دو سو پندرہ برس میں نو مرتبہ دو گنی ہو گی اور اس کا کل مجموعہ چھتیس ہزار (۳۶۰۰۰) سے زیادہ نہ ہو گا' پھر ان میں سے جنگ کے قابل لوگوں کی تعداد چھ لاکھ تین ہزار پانچ سو پچاس کیسے ہو گئی؟ اور جب جنگ کے قابل لوگوں کی تعداد آدھے ملین (پانچ لاکھ) سے زیادہ ہوئی تو ضروری ہے کہ سارے بنی اسرائیل کی تعداد ڈھائی ملین (پچیس لاکھ) سے کم نہ ہو' اور یہ بالکل محال ہے' عقل سلیم اسے تسلیم نہیں کرتی' اور اگر لڑکوں کا قتل بھی ملحوظ رکھا جائے تو عقلاً اس کا محال ہونا اور ظاہر ہے۔ علامہ محقق ابن خلدون کا میلان بھی مقدمہ تاریخ میں اس عدد (۶۰۳۵۵۰) کے انکار ہی کی طرف ہے' کیونکہ یعقوب اور موسیٰ علیہما السلام کے درمیان صرف تین باپ یعنی چار پشتیں ہیں' کیونکہ کتاب خروج' باب ۶' فقرہ ۱۶ تا ۲۰' اور کتاب گنتی' باب ۳' فقرہ ۱۷ تا ۱۹ کے مطابق موسیٰ علیہ السلام' عمران بن قہات بن لاوی بن یعقوب کے صاحبزادے ہیں' اور یہ بات بعید ہے کہ ستر انسانوں سے چار پشتوں میں اس تعداد تک نسل پھوٹ نکلے۔

پھر یہاں مزید دو باتیں ہیں جو اس تعداد میں غلطی واقع ہونے کی تائید کرتی ہیں:

الف: کتاب خروج' باب ۱۲' فقرہ ۳۸' ۴۲ میں ہے کہ بنی اسرائیل اپنے ساتھ مصر سے بھیڑ' بکریاں' گائے' بیل اور بہت سے چوپائے لے کر نکلے' انہوں نے ایک ہی رات میں سمندر پار کیا' وہ روزانہ کوچ کرتے تھے اور ان کے کوچ کے لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف سے براہ راست اور بلاواسطہ صادر ہونے والا زبانی حکم کافی ہوا کرتا تھا۔ پھر بنی اسرائیل نے سمندر پار کرنے کے بعد طور سینا کے گرد بارہ چشموں کے پاس پڑاؤ ڈالا۔ حالانکہ اگر بنی اسرائیل مذکورہ تعداد میں ہوتے تو محال تھا کہ اپنے مویشیوں سمیت ایک رات میں سمندر پار کر لیں' اور یہ بھی محال تھا کہ روزانہ کوچ کریں' پھر ان کے کوچ کے لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف سے صادر ہونے والا زبانی حکم بھی کافی نہ

ہو سکتا تھا' اور نہ طور سینا کے گردو پیش کے علاقہ میں ان کی اور ان کے چوپایوں کی کثرت کی وجہ سے گنجائش نکل سکتی تھی۔

ب : کتاب خروج' باب ا' فقرہ ۱۵ تا ۲۲ میں ذکر ہے کہ مصر میں بنی اسرائیل کے پاس عورتوں کی پیدائش کرانے کے لئے صرف دو دایہ تھیں اور انہیں دونوں کو فرعون نے حکم دیا تھا کہ ان کا جو لڑکا پیدا ہو اسے قتل کر دیں۔ اب اگر بنی اسرائیل کی تعداد وہ ہوتی جو مذکور ہو چکی ہے تو محال تھا کہ ان کی عورتوں کی پیدائش کرانے کے لئے دو دایہ کافی ہوں' بلکہ ضروری تھا کہ ان کے یہاں سیکڑوں دایہ ہوں۔

لہٰذا حق بات یہ ہے کہ بنی اسرائیل کی تعداد اتنی ہی تھی جتنی ستر انسانوں سے دو سو پندرہ برس میں پیدا ہونی ممکن ہے اور جن کی پیدائش کے لئے دو دائیاں کافی ہو سکتی ہیں' اور جنہیں مویشیوں سمیت مصر سے نکل کر صحرائے سینا پہنچنے کے لئے ایک رات کفایت کر سکتی ہے' اور جس تعداد کو روزانہ کوچ کرنے کے لئے موسیٰ علیہ السلام کا زبانی حکم کافی ہو سکتا ہے اور جس کے پڑاؤ ڈالنے کے لئے طور سینا کے گردو پیش کا علاقہ کفایت کر سکتا ہے۔ اس لئے کسی ادنیٰ شبہہ کے بغیر ہمیں یقین ہے کہ کتاب گنتی' باب ا' فقرہ ۴۴ تا ۴۷ میں جو تعداد مذکور ہے کہ بنی اسرائیل کے صرف جنگ کے قابل لوگوں کی تعداد چھ لاکھ تین ہزار پانچ سو پچاس تھی' وہ یقیناً غلط ہے۔

۳-وہ غلطی جس سے داود علیہ السلام کی نبوت کی نفی لازم آتی ہے :

کتاب استثناء' باب ۲۳' فقرہ ۲ میں ہے :

"کوئی حرام زادہ خداوند کی جماعت میں داخل نہ ہو' دسویں پشت تک اس کی نسل میں سے کوئی خداوند کی جماعت میں آنے نہ پائے"۔

یہ نص غلط ہے' کیونکہ اس سے لازم آتا ہے کہ داود علیہ السلام خداوند کی جماعت میں

داخل نہ ہوں اور نبی نہ ہوں' کیونکہ فارص حرام زادہ تھا' اس کے باپ یہوداہ نے اپنی بہو تمر سے زنا کیا تھا اور اسی زنا سے تمر نے فارص کو جنا تھا' جیسا کہ کتاب پیدائش باب ۳۸' فقرہ ۱۲ تا ۳۰ میں مذکور ہے۔ اور داود' فارص کے بعد نویں پشت پر ہیں' اور اگر فارص سے آغاز کریں تو دسویں پشت پر ہیں' کیونکہ داود کا نسب انجیل متی' باب ا' فقرہ ا تا ٦ اور انجیل لوقا' باب ۳' فقرہ ۳۱ تا ۳۳ کے مطابق یہ ہے :

داود بن یسی بن عوبید بن یوعز بن سلمون بن نحسون بن عمیناب بن رام بن حصرون بن فارص بن یہوداہ بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہم السلام۔

حالانکہ داود علیہ السلام کتاب زبور' مزمور ۸۹' فقرہ ۲٦' ۲۷ کے مطابق خداوند کی جماعت کے رئیس اور زمین کے سارے بادشاہوں سے برتر شمار کئے جاتے ہیں۔ اس لئے صحیح یہ ہے کہ کتاب استثناء' باب ۲۳ کا فقرہ ۲ غلط ہے۔ رچرڈ وائس کے ۱۸۲۵ء کے لندن ایڈیشن اور ۱۸۲٦ء کے کلکتہ ایڈیشن میں انجیل لوقا کے اندر داود علیہ السلام کے نسب میں رام اور حصرون کے درمیان یورام کا اضافہ کر دیا گیا ہے' یعنی اس طرح : "رام بن یورام بن حصرون بن فارص"۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ داود گیارہویں پشت پر آجائیں۔ لیکن اس نام کے اضافے کی تحریف کرنے والے انجیل متی کے ان دونوں ایڈیشنوں میں نسب کے اندر یورام کا نام بڑھانا بھول گئے اور یوں ان کا پول کھل گیا' اور مذکورہ دونوں ایڈیشنوں کی دو انجیلوں میں حضرت داود کے نسب کے اندر اختلاف پڑ گیا اور اعتراض اپنی جگہ برقرار رہا۔ پھر یورام کا نام نہ ۱۸۴۴ء کے ایڈیشن میں آیا ہے' نہ ۱۸۵۸ء کے ایڈیشن میں' نہ بعد کے ایڈیشنوں میں' نہ انجیل متی کے اندر' نہ انجیل لوقا کے اندر' بلکہ ان سب میں "رام بن حصرون" ہے۔ اس لئے صحیح یہ ہے کہ کتاب استثناء' باب ۲۳ کا فقرہ ۲ ہی جڑ سے غلط ہے اور اپنی بہو تمر کے ساتھ یہوداہ بن یعقوب کے زنا کا قصہ بھی جڑ سے گھڑا ہوا ہے' ممکن

نہیں کہ یہ حکم اللہ کی جانب سے ہو اور موسیٰ علیہ السلام کا لکھا ہوا ہو۔ چنانچہ مفسر ہارسلی کا فیصلہ ہے کہ یہ عبارت کہ "دسویں پشت تک اس کی نسل میں سے کوئی خداوند کی جماعت میں آنے نہ پائے "الحاقی ہے' یعنی یہ اضافے کی تحریف ہے۔

۴- بیت شمس کے مارے جانے والے باشندوں کی تعداد میں غلطی :

کتاب سموئیل اول میں خداوند کے تابوت کا جو قصہ مذکور ہے میں اس کے متعلق باب ۶ سے فقرہ ۱۳' اور ۱۹ صرف دو فقرے نقل کرنے پر اکتفا کرتا ہوں :

"(۱۳) اور بیت شمس کے لوگ وادی میں گیہوں کی فصل کاٹ رہے تھے' انہوں نے جو آنکھیں اٹھائیں تو صندوق کو دیکھا اور دیکھتے ہی خوش ہو گئے۔ (۱۹) اور اس نے بیت شمس کے لوگوں کو مارا' اس لئے کہ انہوں نے خداوند کے صندوق کے اندر جھانکا تھا' سو اس نے ان کے پچاس ہزار اور ستر آدمی مار ڈالے' اور وہاں کے لوگوں نے ماتم کیا' اس لئے کہ خداوند نے ان کے لوگوں کو بڑی مری سے مارا"۔

کوئی شبہہ نہیں کہ یہ خبر غلط ہے' آدم کلارک نے اس پر جرح کرنے کے بعد کہا ہے :

"غالباً عبرانی متن میں تحریف ہوئی ہے' یا تو اس کے بعض الفاظ ساقط ہو گئے ہیں' یا پچاس ہزار کا لفظ جہلاً یا قصداً بڑھا دیا گیا ہے' کیونکہ یہ نہیں ہو سکتا کہ اس چھوٹے سے دیہات کے باشندوں کی یہ تعداد رہی ہو' اور نہ یہی ہو سکتا ہے کہ اتنی بڑی تعداد بیک وقت کھیت کی کٹائی میں مشغول رہی ہو' اور اس سے بھی بڑھ کر یہ بات بعید ہے کہ بیک وقت پچاس ہزار آدمی کھیت کے وسط میں پتھر پر رکھا ہوا تابوت دیکھ لیں"۔

یہی عبارت لاطینی نسخے میں اس طرح ہے : "ستر سردار اور پچاس ہزار آدمی"۔ اور یونانی نسخے میں عبرانی نسخے کی طرح یہ ہے : "پچاس ہزار اور ستر آدمی"۔ اور سریانی اور عربی

ترجمے میں یہ ہے : "پانچ ہزار ستر آدمی"۔ اور مورخ یوسیفوس کے نزدیک صرف "ستر آدمی" ہے، بعض علماء یہود نے کچھ دوسری تعداد بھی لکھی ہے۔ یہ اختلافات اور مذکورہ عدم امکان ہمیں اس بات کا کامل یقین فراہم کرتے ہیں کہ یہاں یقیناً تحریف واقع ہوئی ہے، یا تو کوئی چیز بڑھادی گئی ہے، یا گھٹادی گئی ہے۔

ہنری اور اسکاٹ نے اپنی تفسیر میں یہ بات بعید قرار دی ہے کہ ایک چھوٹے سے دیہات میں لوگ اتنی بڑی تعداد میں گناہ کریں اور مارے جائیں۔ ان دونوں نے اس واقعے کی صداقت ہی میں شک ظاہر کیا ہے۔

اب دیکھو کہ ان مفسرین نے کسی طرح اس واقعہ کو مستبعد سمجھا ہے، اس خبر کو جھٹلایا ہے، غلطی کا اقرار کیا ہے اور کمی یا بیشی کر کے قصداً تحریف کئے جانے کا اعتراف کیا ہے۔

۵- سلیمان علیہ السلام نے (ہیکل کا) جو اسارہ (برآمدہ) بنایا تھا اس کی اونچائی کے بیان میں غلطی :

کتاب تواریخ دوم، باب ۳، فقرہ ۴ میں ہے :

"اور گھر کے سامنے کے اسارے کی لمبائی گھر کی چوڑائی کے مطابق بیس ہاتھ اور اونچائی ایک سو بیس ہاتھ تھی"۔

جبکہ کتاب سلاطین اول، باب ٦، فقرہ ۲ میں ہے کہ سلیمان علیہ السلام نے جو گھر بنایا تھا اس کی "اونچائی تیس ہاتھ تھی"۔ سوال یہ ہے کہ جب اس گھر کی اونچائی تیس ہاتھ تھی تو اس کے اسارے کی اونچائی ایک سو بیس ہاتھ کیسے ہو جائے گی ؟

آدم کلارک نے اپنی تفسیر میں اقرار کیا ہے کہ کتاب تواریخ دوم کے باب ۳، فقرہ ۴ میں غلطی واقع ہوئی ہے، اسی لئے سریانی اور عربی ترجمہ کرنے والوں نے تحریف کر کے "سو" کا لفظ اڑا دیا ہے اور کہا ہے کہ "اس کی اونچائی بیس ہاتھ تھی"۔ یہ غلطی عربی کے

۱۸۴۴ء کے ایڈیشن میں بھی درست کی گئی ہے' چنانچہ اس ایڈیشن میں مذکورہ فقرہ اس طرح ہے :

"اور گھر کے سامنے کے اسارے کی لمبائی گھر کی چوڑائی کے مطابق بیس ہاتھ اور اونچائی بیس ہاتھ تھی"۔

۶-ابیاہ اور یربعام کے لشکر کی تعداد میں غلطی :

کتاب تواریخ دوم' باب ۱۳' فقرہ ۳ اور ۱۷ میں ہے :

"(۳) اور ابیاہ جنگی سورماؤں کا لشکر یعنی چار لاکھ چنے ہوئے مرد لے کر لڑائی میں گیا اور یربعام نے اس کے مقابلہ میں آٹھ لاکھ چنے ہوئے مرد لے کر' جو زبردست سورما تھے' صف آرائی کی۔ (۱۷) اور ابیاہ اور اس کے لوگوں نے ان کو بڑی خونریزی کے ساتھ قتل کیا' سو اسرائیل کے پانچ لاکھ چنے ہوئے مرد کھیت آئے"۔

اہل کتاب مفسرین کو اقرار ہے کہ ان دونوں فقروں میں جو تعداد آئی ہے غلط ہے' کیونکہ ان بادشاہوں کے لحاظ سے یہ تعداد خلاف قیاس ہے' وہ ان دنوں اتنے تھوڑے تھے کہ اس تعداد کو پہنچے ہی نہ تھے۔ اسی لئے اکثر لاطینی ترجموں میں اسے بدل کر پہلی جگہ "چالیس ہزار" دوسری جگہ "اسی ہزار" اور تیسری جگہ "پچاس ہزار" کر دیا گیا ہے' اور مفسرین اس تبدیلی سے راضی ہیں' ہورن اور آدم کلارک نے اس کی تائید کی ہے۔ آدم کلارک اپنی تفسیر میں بکثرت اعلان و صراحت کرتا رہا ہے کہ کتب تواریخ میں تحریف واقع ہوئی ہے۔

۷-درخت سے آدم کے کھانے اور انسان کی عمر کی تعیین کرنے میں غلطی :

کتاب پیدائش' باب ۲' فقرہ ۱۷ میں ہے :

"لیکن نیک و بد کی پہچان کے درخت کا کبھی نہ کھانا' کیونکہ جس روز تو نے اس میں سے کھایا تو مرا"۔

یہ غلط ہے' کیونکہ آدم علیہ السلام نے درخت سے کھایا' لیکن کھانے کے دن نہیں مرے' بلکہ اس کے بعد نو سو برس سے زیادہ زندہ رہے۔

کتاب پیدائش' باب ۶' فقرہ ۳ میں ہے :

"تب خداوند نے کہا کہ میری روح انسان کے ساتھ ہمیشہ مزاحمت نہ کرتی رہے گی' کیونکہ وہ بھی تو بشر ہے' تو بھی اس کی عمر ایک سو بیس برس کی ہوگی"۔

یہ بھی غلط ہے' کیونکہ گذشتہ زمانہ کے لوگوں کی عمریں بہت طویل ہوا کرتی تھیں' چنانچہ کتاب پیدائش' باب ۵' فقرہ ۱ تا ۳ کے مطابق آدم علیہ السلام کی عمر ۹۳۰ برس' شیث کی ۹۱۲ برس' انوس کی ۹۰۵ برس' قنیان کی ۹۱۰ برس' محلل ایل کی ۸۹۵ برس' یارد کی ۹۶۲ برس' خنوک (ادریس علیہ السلام) کی ۳۶۵ برس' متوسلح کی ۹۶۹ برس اور لمک کی ۷۷۷ برس تھی۔ اور اسی کتاب پیدائش کے باب ۹' فقرہ ۲۹ کے مطابق حضرت نوح کی عمر ۹۵۰ برس تھی۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ ایک سو بیس سال میں اولاد آدم کی عمر کی حد بندی غلط ہے۔

۸- مسیح علیہ السلام کے نسب میں جتنی پشتیں ہیں ان کی تعداد میں غلطی :

انجیل متی' باب ۱' فقرہ ۱ تا ۱۷ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام تک حضرت مسیح علیہ السلام کا نسب ذکر کیا گیا ہے' اس میں فقرہ نمبر ۱۷ اس طرح ہے :

"پس سب پشتیں ابرہام سے داود تک چودہ پشتیں ہوئیں' اور داود سے لے کر گرفتار ہو کر بابل جانے تک چودہ پشتیں' اور گرفتار ہو کر بابل جانے سے لے کر مسیح تک چودہ پشتیں ہوئیں"۔

اس فقرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم تک حضرت مسیح کا سلسلہ نسب تین قسموں پر مشتمل ہے' اور ہر قسم میں چودہ پشتیں ہیں' لہٰذا مسیح سے ابراہیم تک کل بیالیس

پشتیں ہوں گی، مگر یہ صریح طور پر غلط ہے، کیونکہ پشتوں کی کل تعداد اکتالیس ہے، یعنی پہلی قسم میں ابراہیم سے داود تک چودہ پشتیں ہیں، دوسری قسم میں سلیمان سے یکونیاہ تک چودہ پشتیں ہیں، لیکن تیسری قسم میں سیالتی ایل سے مسیح تک تیرہ ہی پشتیں ہیں۔ بورفری، تیسری صدی عیسوی میں اس غلطی پر اعتراض کرتا رہا، لیکن اسے کوئی جواب نہ ملا۔

۹-سردار کاہن کے پاس حضرت داود کے لئے رفقاء قرار دینے میں غلطی :

انجیل متی، باب ۱۲، فقرہ ۳، ۴ میں ہے :

"اس نے ان سے کہا کیا تم نے یہ نہیں پڑھا کہ جب داود اور اس کے ساتھی بھوکے تھے تو اس نے کیا کیا؟ وہ کیونکر خداوند کے گھر میں گیا اور نذر کی روٹیاں کھائیں، جن کو کھانا نہ اس کو روا تھا نہ اس کے ساتھیوں کو، مگر صرف کاہنوں کو"۔ انجیل لوقا باب ۶، فقرہ ۳، ۴ میں بھی اسی طرح ہے۔

انجیل مرقس، باب ۲، فقرہ ۲۵، ۲۶ میں ہے :

"اس نے ان سے کہا کیا تم نے کبھی نہیں پڑھا کہ داود نے کیا کیا، جب اس کو اور اس کے ساتھیوں کو ضرورت ہوئی اور وہ بھوکے ہوئے؟ وہ کیونکر ابیاتر سردار کاہن کے دنوں میں خدا کے گھر میں گیا اور اس نے نذر کی روٹیاں کھائیں، جن کو کھانا کاہنوں کے سوا اور کسی کو روا نہیں اور اپنے ساتھیوں کو بھی دیں"۔

یہاں "اس کے ساتھی" "نہ اس کے ساتھیوں کو" اور "اپنے ساتھیوں کو بھی دیں" کے الفاظ غلط ہیں، کیونکہ داود علیہ السلام اس وقت تنہا تھے، ان کے ساتھ کوئی نہ تھا۔ اسی طرح "ابیاتر سردار کاہن کے دنوں میں" کے الفاظ بھی غلط ہیں، کیونکہ جس سردار کاہن کے پاس حضرت داود بھاگ کر گئے تھے وہ اخیملک تھا۔ ان غلطیوں کا پتہ کتاب سموئیل اول، باب ۲۱، فقرہ ۱ تا ۹، اور باب ۲۲، فقرہ ۹ تا ۲۳ میں اصل قصے کی طرف رجوع

کرنے سے لگتا ہے۔ اسی لئے مسٹر گوویل نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ یہ غلط ہے' اور دوسرے علماء نے بھی اس کی موافقت کی ہے' ان کے نزدیک پسندیدہ یہ ہے کہ یہ الفاظ الحاقی ہیں' یعنی انہیں بڑھا کر تحریف کی گئی ہے۔

۱۰- صلیب کے وقت جو واقعات پیش نہیں آئے تھے ان کے لکھنے میں غلطی :

انجیل متی' باب ۲۷' فقرہ ۵۰ تا ۵۳ میں ہے :

"یسوع نے پھر بڑی آواز سے چلا کر جان دے دی' اور مقدس کا پردہ اوپر سے نیچے تک پھٹ کر دو ٹکڑے ہو گیا اور زمین لرزی اور چٹانیں تڑک گئیں اور قبریں کھل گئیں اور بہت سے جسم ان مقدسوں کے جو سو گئے تھے جی اٹھے اور اس کے جی اٹھنے کے بعد قبروں سے نکل کر مقدس شہر میں گئے اور بہتوں کو دکھائی دیئے"۔

ہیکل کا پردہ پھٹنے کا ذکر انجیل مرقس' باب ۱۵' فقرہ ۳۸' اور انجیل لوقا' باب ۲۳' فقرہ ۴۵ میں بھی ہے' لیکن ان دونوں انجیلوں میں ان دوسرے امور کا ذکر نہیں ہے جو انجیل متی میں مذکور ہیں۔ یعنی زمین کا لرزنا' چٹانوں کا تڑکنا' قبروں کا کھلنا' مردہ مقدسوں کا جی اٹھنا' ان کا مقدس شہر میں داخل ہونا اور بہتوں کو دکھائی دینا۔ ان زبردست واقعات کو متی کے علاوہ اس زمانے کے کسی بھی مورخ نے نہیں لکھا ہے' اور اس کے لئے نسیان کا بھی عذر نہیں کیا جا سکتا' کیونکہ انسان جو کچھ بھی بھول جائے اس قسم کے انتہائی زبردست عجائبات کو ہرگز نہیں بھول سکتا۔ بالخصوص لوقا جو کہ عجائبات لکھنے کا سب سے زیادہ حریص تھا۔ آخر یہ کیسے تصور کیا جا سکتا ہے کہ جو حالات عجیب نہیں ہیں وہ تو لکھے جائیں اور اس قسم کی باتیں جو انتہائی عجیب ہیں نہ لکھی جائیں۔

لہٰذا یہ حکایت جھوٹی ہے' اور باوجودیکہ محقق نورتن انجیل کے لئے متعصب اور اس کا وکیل صفائی ہے مگر اس نے ان واقعات کے باطل ہونے کی کئی دلیلیں ذکر کی ہیں' اور کہا

ہے کہ اس قسم کی حکایات یروشلیم کی تباہی کے بعد یہود میں رائج تھیں' اس لئے شاید کسی نے یہ واقعات انجیل متی کے حاشیہ پر لکھ دیئے اور پھر کاتب یا مترجم نے انہیں متن میں داخل کر دیا۔

نورتن کی بات سے معلوم ہوتا ہے کہ انجیل متی کا مترجم رات کا لکڑہارا تھا' وہ رطب و یابس میں تمیز نہ کرتا تھا' چنانچہ متن میں جو کچھ صحیح غلط دیکھتا تھا روایات کی تدقیق کئے بغیر ان کا ترجمہ کر ڈالتا تھا۔ تو کیا ایسے ترجمے پر اعتماد کرنا درست ہے ؟

۱۱- سلح کے والد کے نام میں غلطی :

انجیل لوقا' باب ۳' فقرہ ۳۶ میں بتایا گیا ہے کہ سلح' قنیان کا اور قنیان ارفکسد کا بیٹا تھا۔

یہاں سلح اور ارفکسد کے درمیان قینان کا نام آنا یقیناً غلط ہے' کتاب پیدائش' باب ۱۰' فقرہ ۲۴ میں ہے :

"اور ارفکسد سے سلح پیدا ہوا"۔ پھر اسی کتاب کے باب ۱۱' فقرہ ۱۲' ۱۳ میں ہے : "جب ارفکسد پینتیس برس کا ہوا تو اس سے سلح پیدا ہوا اور سلح کی پیدائش کے بعد ارفکسد چار سو تین برس اور جیتا رہا"۔

اس نص میں عبرانی اور سامری نسخے متفق ہیں' اور کتاب تواریخ اول' باب ۱' فقرہ ۱۸ کی عبارت بھی ویسی ہی ہے۔ ان سب میں یہی ہے کہ سلح ارفکسد کا بیٹا ہے پوتا نہیں' اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ لوقا نے جو لکھا ہے غلط ہے۔ ان مقامات پر قینان کا نام صرف ستر علماء کے کئے ہوئے یونانی ترجمہ میں ہے۔ اس لئے راجح احتمال ہے کہ بعض تحریف کرنے والے عیسائیوں نے یونانی ترجمہ کے ان مقامات میں تحریف کر دی ہے' تاکہ یہ انجیل کے مطابق ہو جائیں اور ان کی انجیل کی طرف غلطی منسوب نہ کی جائے۔

تیسری قسم

تبدیلی اور کمی بیشی کے ذریعہ کی گئی لفظی تحریف کا ثبوت

۱-طوفان سے قبل کے اکابر کی عمروں میں تحریف :

کتاب پیدائش' باب ۵' فقرہ ۱ تا ۳۲ میں پیدائش آدم سے طوفان نوح تک کے زمانے کی مدت کا ذکر ہے' اور انہی فقرات میں آدم اور نوح کے درمیان کے اکابر کی عمریں بھی مذکور ہیں۔ اس زمانے کی مدت سامری توریت کے نسخے کے مطابق ۱۳۰۷ برس ہے' عبرانی توریت کے نسخے کے مطابق ۱۶۵۶ برس ہے اور یونانی توریت کے نسخے کے مطابق ۲۲۶۲ برس ہے۔ یعنی ان تین نسخوں میں اس مدت کے متعلق اتنا بڑا فرق ہے کہ ان میں مطابقت ممکن ہی نہیں۔ پھر یہ تینوں نسخے اس بات پر متفق ہیں کہ آدم علیہ السلام کی عمر وفات کے وقت نو سو تیس (۹۳۰) برس تھی (کتاب پیدائش باب ۵' فقرہ ۵) اور اس پر بھی متفق ہیں کہ طوفان کے وقت نوح علیہ السلام کی عمر ۶۰۰ برس تھی (کتاب پیدائش باب ۷' فقرہ ۶) اب طوفان کے زمانے ۱۳۰۷ میں سے آدم علیہ السلام کی عمر ۹۳۰ برس نکال دیجئے تو ۳۷۷ باقی بچیں گے' اس کے معنی یہ ہوئے کہ آدم علیہ السلام کی وفات کے ۳۷۷ برس بعد طوفان آیا۔

چونکہ طوفان کے وقت نوح علیہ السلام کی عمر ۶۰۰ برس بتائی گئی ہے اس لئے اس میں سے ۳۷۷ برس نکال دیجئے' ۲۲۳ برس باقی بچیں گے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سامری توریت کے مطابق نوح علیہ السلام نے آدم علیہ السلام کی زندگی کے ۲۲۳ برس پائے' اور یہ باتفاق مورخین باطل ہے' عبرانی اور یونانی نسخے بھی اس کی تکذیب کرتے ہیں' کیونکہ وفات کے وقت آدم علیہ السلام کی عمر اور طوفان کے وقت نوح علیہ السلام کی عمر (۹۳۰+۶۰۰) کا مجموعہ ہی ۱۵۳۰ برس ہو جاتا ہے۔

لہٰذا عبرانی توریت کے مطابق ۱۶۵۶ سے ۱۵۳۰ نکال دیں تو ۱۲۶ بچیں گے' یعنی نوح علیہ السلام' آدم علیہ السلام کی وفات کے ۱۲۶ برس بعد پیدا ہوئے۔

اور یونانی توریت کے مطابق ۲۲۶۲ سے ۱۵۳۰ نکال دیں تو ۷۳۲ بچیں گے' یعنی نوح علیہ السلام' آدم علیہ السلام کی وفات کے ۷۳۲ برس بعد پیدا ہوئے۔

تینوں نسخوں کے درمیان اسی فاش اختلاف کے سبب مشہور یہودی مورخ یوسیفوس نے -جو سارے عیسائیوں کے نزدیک مقدم ہے- مذکورہ نسخوں میں سے کسی بھی نسخہ پر اعتماد نہیں کیا ہے' اور اس بات کو ترجیح دی ہے کہ خلق آدم سے طوفان نوح تک کی مدت ۲۲۵۶ برس ہے۔

۲-طوفان کے بعد کے اکابر کی عمروں میں تحریف :

کتاب پیدائش' باب ۱۱' فقرہ ۱۰ تا ۲۶ میں طوفان نوح سے ابراہیم علیہ السلام کی پیدائش تک کا زمانہ مذکور ہے' اور انہیں فقرات میں ان اکابر کی عمروں کا بھی بیان ہے جو نوح اور ابراہیم علیہما السلام کے درمیان گذرے ہیں' اس زمانے کی مدت عبرانی توریت کے مطابق ۲۹۲ برس ہے' سامری توریت کے مطابق ۹۴۲ برس ہے' اور یونانی توریت کے مطابق ۱۰۷۲ برس ہے' یعنی ان تینوں نسخوں میں اس مدت کے متعلق اتنا بڑا فرق ہے کہ ان میں مطابقت ممکن ہی نہیں' اور یہ تینوں نسخے اس بات پر متفق ہیں کہ نوح علیہ السلام طوفان کے بعد ۳۵۰ برس زندہ رہے (کتاب پیدائش' باب ۹' فقرہ ۲۸)

اب اگر طوفان کے بعد کی حضرت نوح علیہ السلام کی زندگی کے ۳۵۰ برس میں سے ۲۹۲ برس نکال دیں' جو طوفان کے بعد سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پیدائش تک کی مدت ہے' تو ۵۸ برس باقی بچیں گے' اس کے معنی یہ ہوئے کہ عبرانی نسخے کے مطابق حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت نوح علیہ السلام کی عمر کے ۵۸ برس پائے' اور یہ

باتفاق مورخین باطل ہے' سامری اور یونانی نسخے بھی اس کی تکذیب کرتے ہیں' سامری نسخے کے مطابق ۹۴۲ میں ۳۵۰ نکال دیں تو ۵۹۲ باقی بچیں گے' یعنی حضرت ابراہیم' حضرت نوح علیہا السلام کی وفات کے ۵۹۲ برس بعد پیدا ہوئے۔

اور یونانی نسخے کے مطابق ۱۰۷۲ میں سے ۳۵۰ نکال دیں تو ۷۲۲ باقی بچیں گے' یعنی حضرت ابراہیم' حضرت نوح علیہما السلام کی وفات کے ۷۲۲ برس بعد پیدا ہوئے۔

اسی فاش اختلاف کی وجہ سے یہودی مورخ یوسیفوس نے مذکور نسخوں میں سے کسی بھی نسخہ پر اعتماد نہیں کیا ہے' اور اس بات کو ترجیح دی ہے کہ طوفان نوح سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ولادت تک کی مدت ۹۹۳ برس ہے۔

مفسرین ہنری اور اسکاٹ نے اپنی تفسیر میں آگستاین کا یہ قول نقل کیا ہے کہ "یہود نے ۱۳۰ء میں عبرانی نسخے کے اندر طوفان نوح سے پہلے اور بعد کے اکابر کے زمانوں کے بیان میں تحریف کر دی تھی' تاکہ یونانی ترجمہ غیر معتبر ہو جائے' اور اس لئے بھی کہ جو عیسائی یونانی نسخہ کو عبرانی نسخہ پر مقدم کرتے تھے ان سے انہیں عناد تھا"۔

ہورن نے اپنی تفسیر میں ذکر کیا ہے کہ محقق ہلز نے ٹھوس دلائل سے ثابت کیا ہے کہ عبرانی نسخے میں تحریف ہوئی ہے اور کنی کاٹ نے ثابت کیا ہے کہ یہود نے اپنے نسخے میں قصداً تحریف کی تھی۔

اب دیکھئے کہ ان مفسرین و محققین کو "جواماں ملی تو کہاں ملی" کہ وہ یہ اقرار کر لیں کہ تعصب اور خواہش کی رو میں تواریخ کے اندر کبھی زیادتی اور کبھی کمی کے ذریعہ قصداً تحریف کی گئی ہے۔

۳- جس پہاڑ پر پتھر نصب کرنا تھا اس کے نام میں تحریف:

کتاب استثناء' باب ۲۷' فقرہ ۴ کے عبرانی نسخہ میں ہے:

"سو تم یردن کے پار ہو کر ان پتھروں کو جن کی بابت میں تم کو آج کے دن حکم دیتا ہوں کوہ عیبال پر نصب کر کے ان پر چونے کی استر کاری کرنا"۔

یہی فقرہ سامری توریت میں اس طرح واقع ہے :

"اور تمہارے یردن پار کرنے کے وقت یہ ہو کہ ان پتھروں کو جن کی بابت میں تم کو آج کے دن حکم دیتا ہوں کوہ گرزیم پر نصب کر کے ان کی استر کاری کرنا"۔

کتاب استثناء' باب ۲۷' فقرہ ۱۲' ۱۳ اور باب ۱۱ فقرہ ۲۹ سے سمجھا جاتا ہے کہ گرزیم اور عیبال شہر نابلس (فلسطین) میں آمنے سامنے دو پہاڑ ہیں۔ کتاب استثناء باب ۱۱ کا فقرہ ۲۹ یہ ہے :

"اور جب خداوند تیرا خدا تجھ کو اس ملک میں جس پر قبضہ کرنے کو تو جا رہا ہے پہنچا دے تو کوہ گرزیم پر سے برکت اور کوہ عیبال پر سے لعنت سنانا"۔

عبرانی اور سامری یہود میں اگلوں سے پچھلوں تک اس پہاڑ کے نام میں مشہور نزاع پائی جاتی ہے جس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پتھر نصب کرنے کا حکم دیا گیا تھا' اور جسے برکت کے لئے خاص کیا گیا تھا۔ ہر فرقہ دعویٰ کرتا ہے کہ دوسرے فرقہ نے اس مقام پر پہاڑ کا نام تبدیل کر کے توریت میں تحریف کی ہے۔ یہ نزاع پروٹسٹنٹ محققین و مفسرین میں اب بھی قائم ہے' بعض کا دعویٰ ہے کہ اس مقام پر سامری توریت صحیح ہے' اور بعض کا دعویٰ ہے کہ عبرانی توریت صحیح ہے۔ آدم کلارک اور محقق کنی کاٹ کے نزدیک سامری کی صحت راجح ہے' کیونکہ عبرانی یہود نے سامریوں کی عداوت میں' جو گرزیم پہاڑ کو مقدس مانتے ہیں' یہاں قصداً تحریف کر دی ہے' حالانکہ گرزیم پہاڑ پر چشمے' باغات اور شادابی ہے' اس لئے وہی برکت سنانے کے لئے مناسب ہے' جب کہ کوہ عیبال ننگا اور خشک ہے' اس پر کچھ نہیں ہے' اس لئے وہ لعنت سنانے کے لئے مناسب ہے۔ بہر حال

یہ عیسائیوں کے کبار محققین کی طرف سے اس مقام میں عبرانی توریت کے اندر تحریف واقع ہونے کا صریح اقرار ہے۔

۴- مملکت کے نام میں تحریف:

کتاب تواریخ دوم کے عبرانی نسخہ باب ۲۸، فقرہ ۱۹ میں ہے:

"کیونکہ خداوند نے شاہ اسرائیل آخز کے سبب سے یہوداہ کو پست کیا"۔

اس عبارت میں لفظ "اسرائیل" یقیناً غلط ہے، اسے تبدیل کر کے تحریف کی گئی ہے، کیونکہ آخز، جنوبی مملکت یہوداہ کا بادشاہ تھا، جس کا دارالحکومت یروشلیم تھا، شمالی مملکت اسرائیل کا بادشاہ نہ تھا، جس کا دارالحکومت نابلس تھا۔ درست یہ ہے کہ "اسرائیل" کی جگہ "یہوداہ" کا لفظ رکھا جائے، جیسا کہ یونانی اور لاطینی نسخوں میں ہے کہ "خداوند نے آخز شاہ یہوداہ کے سبب سے یہوداہ کو پست کیا"۔ حاصل یہ کہ عبرانی توریت اس مقام پر تحریف شدہ ہے۔

۵- نفی اور اثبات میں حیرت:

کتاب زبور کے عبرانی نسخہ میں مزمور ۱۰۵، فقرہ ۲۸ اس طرح ہے:

"اور انہوں نے اس کی باتوں سے سرکشی نہ کی"۔

یہی فقرہ یونانی نسخہ میں اس طرح ہے:

"اور انہوں نے اس کی باتوں سے سرکشی کی"۔

یعنی عبرانی نسخے میں سرکشی کی نفی ہے، اور یونانی نسخے میں اس کا اثبات ہے، لہٰذا ایک فقرہ یقیناً غلط ہے۔ عیسائی علماء نے اس مقام پر تحریف کا اقرار کیا ہے اور حیرت زدہ بھی ہیں، کیونکہ یقین سے تحریف متعین نہیں کر سکے ہیں۔ ہنری اور اسکاٹ نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ اس فرق پر مباحثہ نے بہت طول کھینچا ہے اور ظاہر یہ ہے کہ کسی حرف

کے بڑھانے یا گھٹانے سے یہ فرق پیدا ہوا ہے۔

۶-اس بات کی دلیل کہ موجودہ توریت موسیٰ علیہ السلام کے بعد لکھی گئی ہے :

کتاب پیدائش' باب ۳۷' فقرہ ۳۱ میں ہے :

" یہی وہ باشاہ ہیں جو ملک ادوم پر پیشتر اس سے کہ اسرائیل کا کوئی بادشاہ ہو مسلط تھے "۔

اس کے بعد اگلے فقروں میں ادوم کے ان بادشاہوں کے نام گنانے شروع کئے گئے ہیں جنھوں نے اسرائیل کے پہلے بادشاہ طالوت (ساول) کے حکمراں بننے سے پہلے تک حکومت کی۔ طالوت کے بعد داود علیہ السلام حکمراں ہوئے اور ان دونوں کی حکمرانی سے پہلے تک بنی اسرائیل قضاۃ کے دور میں تھے۔ کتاب پیدائش' باب۳۶ کے یہ فقرے ۳۱ تا ۳۹ بعینہ وہی ہیں جو کتاب تواریخ اول' باب ا کے فقرے ۴۳ تا ۵۰ ہیں۔ کتاب تواریخ سے تو ان کی مناسبت ظاہر ہے' کوئی اعتراض نہیں' کیونکہ یہ بتلاتی ہیں کہ ان کا بولنے والا فلسطین میں اسرائیلی سلطنت کے قیام کے بعد کے زمانے میں موجود تھا' اور اسرائیل کا پہلا بادشاہ طالوت (ساول) تھا' جو موسیٰ علیہ السلام کے ۳۵۶ برس بعد ہوا ہے۔ لیکن کتاب پیدائش میں جو موسیٰ علیہ السلام کی پہلی کتاب ہے ان فقروں کے موجود ہونے کی قطعاً کوئی مناسبت نہیں' پھر یہ فقرے کس طرح اس کے متن میں داخل ہو گئے ؟

صحیح بات وہی ہے جسے آدم کلارک نے راجح قرار دیا ہے کہ یہ فقرے موسیٰ علیہ السلام کا کلام قطعاً نہیں ہیں' بلکہ یہ بعض نسخوں میں کتاب پیدائش کے حاشیہ پر لکھے ہوئے تھے۔ بعد کے ناقل نے اسے متن کا جزء سمجھ کر اس میں داخل کرلیا۔

دیکھئے! کس طرح یہ مفسر اقرار کر رہا ہے کہ یہ نو فقرے جو توریت سے خارج تھے اس

کے کسی ایک نسخہ کے متن میں ملحق کر دیئے گئے' اور اس کے بعد پھیل کر سارے نسخوں میں داخل ہو گئے' اور اس کے اس اعتراف سے لازم آتا ہے کہ ان کی کتابیں اضافی تحریف کے لائق تھیں۔

۷-لفظ "آج تک" کے اضافے کی تحریف:

کتاب استثناء باب ۳' فقرہ ۱۴ میں ہے:

"اور منسی کے بیٹے یائیر نے جسوریوں اور معکاتیوں کی سرحد تک ارجوب کے سارے ملک کو لے لیا اور اپنے نام پر بسن کے شہروں کو حووت یائیر کا نام دیا' جو آج تک چلا آتا ہے"۔

یہ پورا فقرہ موسیٰ علیہ السلام کا کلام نہیں ہو سکتا' کیونکہ اس کا بولنے والا ضروری ہے کہ یائیر بن منسی کے زمانے سے بہت زیادہ متاخر ہو' جیسا کہ "آج تک" کا لفظ بتلا رہا ہے' کیونکہ اس طرح کا لفظ بعید ترین زمانے ہی کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔

ہورن نے اپنی تفسیر میں نفی کی ہے کہ یہ دونوں فقرے (جو تحریف ۶ اور ۷ کے تحت گذر چکے ہیں) موسیٰ علیہ السلام کا کلام ہوں' کیونکہ پہلا فقرہ جو کتاب پیدائش' باب ۳۷ فقرہ ۳۱ میں وارد ہے' وہ بتلاتا ہے کہ اس کا کاتب فلسطین میں یہود کی مملکت کے قیام کے بعد کسی زمانہ کا ہے' اور دوسرا فقرہ بتلاتا ہے کہ اس کا کاتب فلسطین میں یہود کی سکونت کے بعد کسی زمانہ کا ہے' اور یہ دونوں باتیں موسیٰ علیہ السلام کے بعد کی ہیں۔ یہ دونوں فقرے ہورن کی نظر میں صرف بلا فائدہ ہی نہیں ہیں' بلکہ کتاب کے متن پر بوجھ ہیں' اگر کتاب استثناء کے مصنف موسیٰ علیہ السلام ہوتے تو وہ "آج تک" کا لفظ نہ کہتے۔ ہورن نے ترجیح دی ہے کہ اس لفظ کو کسی لکھنے والے نے موسیٰ علیہ السلام کے کئی صدیوں بعد حاشیہ میں بڑھا دیا' تاکہ یہ معلوم ہو کہ شہروں کا جو نام یائیر بن منسی نے رکھا تھا وہی نام اب

تک چلا آرہا ہے' پھر بعد کے نسخہ میں یہ لفظ حاشیہ سے متن کی طرف منتقل ہو گیا۔ اور جسے ہورن کی اس ترجیح میں شک ہو وہ یونانی نسخوں کا تقابل کرلے' اسے یہ بات ملے گی کہ جو الحاقات (اضافے) بعض نسخوں کے متن میں ہیں وہی بعض دوسرے نسخوں کے حاشیہ پر لکھے ہوئے ہیں۔ غرض ہورن نے یہ اعتراف کیا ہے کہ حاشیوں کے اس طرح کے اضافے جو موسیٰ علیہ السلام کے کئی صدیوں بعد ہوئے تھے متن میں داخل ہو کر کتاب کا جز بن گئے اور بعد کے تمام نسخوں میں پھیل گئے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ ان کی کتابیں تحریف کرنے والوں کی تحریف کے لائق تھیں۔ اسی لئے ہنری اور اسکاٹ کی تفسیر کے جامعین نے کہا کہ اس قسم کے الحاقی جملے جنہیں موسیٰ علیہ السلام کے بعد کسی لکھنے والے نے ملحق کر دیا ہے اگر چھوڑ دئے جاتے تو مضمون میں فساد نہ واقع ہوتا۔

سابقہ عبارت پوری کی پوری اس لائق نہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کا کلام ہو سکے۔ ٹھیک اسی طرح کتاب گنتی' باب ۳۲ کا فقرہ ۴۱ بھی کہ "اور منسی کے بیٹے یائیر نے اس نواحی کی بستیوں کو جا کر لے لیا اور ان کا نام حووت یائیر رکھا"۔

یہاں ایک اور تحریف بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ یائیر کا باپ منسی نہیں بلکہ شجوب ہے' چنانچہ کتاب تواریخ اول' باب ۲' فقرہ ۲۲ میں ہے :

"اور شجوب سے یائیر پیدا ہوا' جو ملک جلعاد میں تئیس شہروں کا مالک تھا"۔

اس سے لازم آتا ہے کہ یائیر کے باپ کے نام میں غلطی اور تحریف ہوئی ہے' چاہے وہ کتاب گنتی اور استثناء کی عبارت میں ہوئی ہو' جس کے متعلق ثابت ہو چکا ہے کہ وہ موسیٰ علیہ السلام کے بعد کی الحاقی عبارت ہے' چاہے تواریخ کی عبارت میں ہوئی ہو۔

اسی لئے بائبل ڈکشنری' مطبوعہ امریکہ' انگلستان اور ہندوستان کے مولفین نے کہا ہے کہ : "پانچوں کتب میں پائے جانے والے بعض جملے صراحتہً دلالت کرتے ہیں کہ وہ

موسیٰ علیہ السلام کا کلام نہیں ہیں' ان کی بعض عبارتیں بھی حضرت موسیٰ کے طریقہ کلام اور انداز گفتگو پر نہیں ہیں' لیکن یہ لوگ یقین سے نہیں کہہ سکتے کہ جس شخص نے یہ جملے اور عبارتیں ملحق کی ہیں اس کا نام کیا ہے۔

ہنری اور اسکاٹ کی تفسیر کے جامعین کہتے ہیں کہ "آج تک" کی عبارت عہد قدیم کی بیشتر کتابوں میں آئی ہے' انہوں نے فیصلہ کیا ہے کہ اس طرح کی جو عبارت بھی ہو وہ الحاقی اور کاتبوں کے ہاتھ کی بڑھائی ہوئی ہے' اور انہوں نے ایسی عبارت کی زیادتی کے لئے کتاب یشوع کے آٹھ مقامات کی مثالیں بھی دی ہیں' اور عہد قدیم کی باقی کتابوں سے ان کے حصر و استقصاء میں طوالت ہے۔

۸۔ بعض ابواب میں مقدمات کے اضافے کی تحریف :

جو شخص کتاب استثناء' باب ا' فقرہ ا تا ۵ پڑھے گا اسے یقین آجائے گا کہ یہ موسیٰ علیہ السلام کا کلام نہیں ہے' کیونکہ لکھنے والے نے موسیٰ علیہ السلام کے متعلق غائب کے صیغے سے بات کی ہے' مثلاً وہ کہتا ہے :

"(۱) یہ وہی باتیں ہیں جو موسیٰ نے...... سب اسرائیلیوں سے کہیں۔ (۳)...... موسیٰ نے ان سب احکام کے مطابق جو خداوند نے اسے بنی اسرائیل کے لئے دیئے تھے ان سے یہ باتیں کہیں۔ (۵)...... یردن کے پار موآب کے میدان میں موسیٰ اس شریعت کو یوں بیان کرنے لگا"۔

آدم کلارک نے اعتراف کیا ہے کہ یہ پانچ فقرے بعد میں بڑھا دیئے گئے ہیں تاکہ یہ باقی کتاب استثناء کے لئے مقدمہ کا کام دے سکیں۔ اس نے یہ بھی کہا ہے کہ کتاب استثناء کا چونتیسواں باب بھی موسیٰ علیہ السلام کا کلام نہیں ہے' کیونکہ ان کا کلام تینتیسویں باب پر پورا ہو گیا ہے' اور یہ کہنا درست نہیں کہ موسیٰ علیہ السلام نے یہ باب لکھا ہے' بلکہ یہ احتمال سچائی سے دور ہے۔ آدم کلارک نے یقین ظاہر کیا ہے کہ چونتیسواں باب در

حقیقت کتاب یشوع کا پہلا باب تھا۔ بہت سے مفسرین نے کہا کہ اس باب کو ستر علماء نے موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے ایک مدت بعد لکھا ہے' اور یہ در حقیقت کتاب یشوع کا پہلا باب تھا جو بعد میں کتاب استثناء کی طرف منتقل ہو گیا۔

لیکن یہ یقین بھی بلا دلیل ہے' چنانچہ ہنری اور اسکاٹ کی تفسیر اور ڈوالی' رچرڈ مینٹ کی تفسیر کے جامعین کہتے ہیں کہ : "اس باب کا الحاق کرنے والا یا تو یشوع ہے' یا سموئیل' یا عزرا یا کوئی اور جس کا نام یقین سے نہیں جانا جاتا' اور بہت ممکن ہے کہ بابل کی اسیری سے بنی اسرائیل کی واپسی کے بعد اسے ملحق کیا گیا ہو۔

دیکھئے! ان کے اقوال میں شک اور کسی بات کے عدم یقین کا کیا حال ہے۔

اب ذیل میں کتاب استثناء کے چونتیسویں باب کے بعض فقرے ملاحظہ ہوں :

"(۱) اور موسیٰ موآب کے میدانوں سے کوہ نبو کے اوپر...... چڑھ گیا اور خداوند نے جلعاد کا سارا ملک دان تک...... اس کو دکھایا۔ (۴) اور خداوند نے اس سے کہا...... (۵) پس خداوند کے بندہ موسیٰ نے خداوند کے کہے کے موافق وہیں موآب کے ملک میں وفات پائی۔ (۶) اور اس نے اسے موآب کی ایک وادی میں بیت فغور کے مقابل دفن کیا' پر آج تک کسی آدمی کو اس کی قبر معلوم نہیں۔ (۷) اور موسیٰ اپنی وفات کے وقت ایک سو بیس برس کا تھا...... (۸) اور بنی اسرائیل موسیٰ کے لئے موآب کے میدانوں میں تیس دن تک روتے رہے...... (۱۰) اور اس وقت سے اب تک بنی اسرائیل میں کوئی نبی موسیٰ کی مانند...... نہیں اٹھا"۔

کیا جو کتاب موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی اس میں موسیٰ علیہ السلام کی موت' ان کی تدفین' ان پر رونا' ان کی قبر کا آج تک نا معلوم ہونا اور ان کے جیسے کسی نبی کا نہ اٹھنا بھی مذکور ہو سکتا ہے ؟

ہم مسلمانوں کو یقین ہے کہ کتاب استثناء کا چونتیسواں باب جس پر پانچوں کتابیں ختم ہو

جاتی ہیں وہ موسیٰ علیہ السلام کا کلام قطعاً نہیں ہے۔ اور ہم صرف اسی یقین پر ٹھہر نہیں جاتے' بلکہ ہمیں یہ بھی یقین ہے کہ پانچوں کتابیں جو موسیٰ علیہ السلام کی طرف منسوب ہیں وہ موسیٰ علیہ السلام کی لکھی لکھائی قطعاً نہیں ہیں' اور ان کی طرف ان کتابوں کی نسبت بھی درست نہیں ہے' اور یہ غلطیاں' اختلافات اور تحریفات اس کی کھلی دلیل ہیں' کیونکہ جو کتاب کسی نبی کی طرف وحی کی گئی ہو اس میں اس قسم کے امور واقع ہونا درست نہیں' بلکہ یہ چیز اس نبی اور اس کی نبوت میں طعن شمار کی جائے گی۔ بعض اہل کتاب نے بھی ان باتوں سے ہمارے ہی جیسے اخذ کردہ نتیجہ پر استدلال کیا ہے' اور جس بات کا ہم نے یقین کیا ہے اسی کا انہوں نے بھی یقین کیا ہے۔

۹- عقیدۂ تثلیث کی حمایت کے لئے تحریف :

یوحنا کا پہلا عام خط' باب ۵' فقرہ ۷' ۸ میں ہے :

(۷) کیونکہ گواہی دینے والے [آسمان میں تین ہیں : باپ ' کلمہ اور روح القدس اور یہ تینوں ایک ہیں۔ (۸) اور زمین میں گواہی دینے والے بھی] تین ہیں : روح' پانی اور خون' اور یہ تینوں ایک ہی میں ہیں"۔

محققین کے بقول اصل عبارت اس طرح تھی : اور گواہی دینے والے تین ہیں' روح' پانی اور خون' اور تینوں ایک ہی میں ہیں" - یہ ۱۸۶۵ء کے ایڈیشن کی نص ہے' اس میں دونوں کھڑی قوس کے درمیان کی عبارت نہیں ہے۔

۱۸۲۵ء اور ۱۸۲۶ء کے ایڈیشن کی نص اس طرح ہے : "اور گواہی دینے والے تین ہیں' روح' پانی اور خون' اور یہ تینوں ایک ہی بات پر متفق ہیں"[1]۔

---

(۱) ہمارے سامنے بائبل کا اردو ایڈیشن ہے اس کی عبارت بھی یہی ہے' یہ بائبل سوسائٹی ہند' بنگلور کی شائع کردہ ہے (مترجم)

یہ آخری دونوں نص قریب قریب ہیں' تثلیث کا عقیدہ رکھنے والوں نے اس متن کے اندر اصل عبارت کے درمیان میں ذیل کی عبارت زیادہ کر دی ہے : [آسمان میں تین ہیں' باپ' کلمہ اور روح القدس' اور یہ تینوں ایک ہیں' اور زمین میں گواہی دینے والے بھی] للہذا یہ عبارت جو اہل تثلیث کی دلیل ہے یقیناً الحاقی ہے' یعنی یہ اضافے والی تحریف ہے۔ چنانچہ بہت سے متعصب محققین نے کہا ہے کہ یہ الحاقی ہے اور اس کا نکال دینا ضروری ہے' مثلاً کریسباخ' شولز' ہورن' آدم کلارک اور ہنری اور اسکاٹ کی تفسیر کے جامعین۔

باقی رہا آگستاین جو چوتھی صدی عیسوی کا سب سے بڑا عیسائی عالم تھا اور جو اب تک اہل تثلیث کا معتمد ہے اور جو تثلیث کے منکر فرقے ایرین سے مناظرے کیا کرتا تھا' تو اس نے یوحنا کے پہلے خط کی شرح میں دس رسالے لکھے ہیں' لیکن ان دس رسالوں میں سے کسی ایک رسالے میں بھی یہ عبارت نقل نہیں کی ہے اور نہ اس سے منکرین تثلیث کے خلاف استدلال کیا ہے' جبکہ دور دراز کا تکلف کرتا رہا ہے۔ چنانچہ اس نے حاشیہ میں لکھا ہے کہ پانی سے مراد باپ' خون سے مراد بیٹا اور روح سے مراد روح القدس ہے۔ اب اگر یہ الحاقی عبارت اس کے دور میں موجود ہوتی تو وہ اس سے یقیناً تمسک کرتا اور منکرین تثلیت کے خلاف استدلال کے لئے اسے اپنے رسائل میں نقل کرتا۔ لیکن ایسا لگتا ہے کہ آگستاین کے بعد تثلیث کے معتقدین نے اس دور دراز تکلف اور عجیب وغریب تفسیر سے استفادہ کرتے ہوئے یہ عبارت گھڑلی' جو ان کے باطل عقیدے کے لئے مفید ہے' اور اسے یوحنا کے پہلے خط میں داخل کر کے متن کا جزء بنادیا۔

ہندوستان کے اندر ۱۲۷۰ھ - ۱۸۵۴ء میں شیخ رحمت اللہ کیرانوی اور دو پادریوں ڈاکٹر فنڈر اور اس کے شریک فرنچ کے درمیان جو زبردست مناظرہ ہوا تھا اس میں ان دونوں پادریوں نے اقرار کیا کہ یہ عبارت تحریف کردہ ہے' اسی طرح انہوں نے سات

دوسرے مقامات پر بھی تحریف کو تسلیم کیا۔

ہورن نے اس عبارت کی تحقیق میں بارہ اوراق لکھے ہیں اور ہنری اور اسکاٹ کی تفسیر کے جامعین نے اس کی تلخیص کی ہے اور اس تلخیص میں اس عبارت کو جھوٹی ثابت کرنے والوں کے دلائل یوں ذکر کئے ہیں :

۱- یہ عبارت سولھویں صدی عیسوی سے پہلے لکھے گئے کسی بھی یونانی نسخے میں موجود نہیں۔

۲- یہ عبارت ان مطبوعہ نسخوں میں بھی موجود نہیں جو پہلے دور میں بڑی محنت اور پوری تحقیق سے طبع کئے گئے۔

۳- یہ عبارت بیشتر قدیم لاطینی نسخوں میں بھی نہیں پائی جاتی' اور لاطینی ترجمے کے علاوہ کسی دوسرے قدیم ترجمے میں بھی نہیں پائی جاتی۔

۴- اس عبارت سے نہ تو قدماء میں سے کسی نے تمسک کیا ہے' نہ کلیسا کے مؤرخین نے۔

۵- اس عبارت کو پروٹسٹنٹ فرقہ کے پیشواؤں اور دینی مصلحین نے متن سے ساقط کر دیا ہے اور بعض نے اس پر شک کی علامت رکھی ہے۔

اس سے کھل کر ظاہر ہوتا ہے کہ عیسائیوں کو جب تحریف میں کوئی مصلحت' یا اپنے عقیدے کی حمایت نظر آتی تو وہ اپنی کتابوں میں قصداً تحریف کرتے تھے۔ تعجب یہ ہے کہ تحریف کا دروازہ جو پریس کی ایجاد سے پہلے کشادہ تھا وہ اب بھی کھلا ہوا ہے اور پریس کی ایجاد کے باوجود بند نہیں ہوا ہے۔ چنانچہ لوتھر جو پروٹسٹنٹ فرقے کا پہلا پیشوا اور سب سے پرانا صدر تھا اس نے اپنے پیروکاروں کے استفادہ کے لئے جرمن زبان میں کتب مقدسہ (بائبل) کا ترجمہ کیا' یہ ترجمہ اس کی زندگی میں کئی بار چھپا اور اس میں یہ عبارت

نہیں لکھی گئی اور نہ اس کی زندگی میں بار بار شائع ہونے والے ایڈیشنوں میں ظاہر ہوئی۔ پھر اپنی زندگی کے اخیر میں اس نے ۱۵۴۶ء میں ایک اور ایڈیشن شائع کیا تو اس ایڈیشن کے مقدمے میں یہ وصیت کی کہ "کوئی شخص میرے ترجمے میں تحریف نہ کرے"۔ لیکن چونکہ یہ وصیت اہل کتاب کی عادت کے عموماً اور عیسائیوں کی عادت کے خصوصاً مخالف تھی اس لئے انہوں نے اس کی پابندی نہ کی اور اس کے برعکس عمل کیا۔ چنانچہ اس کی موت پر ابھی تیس سال بھی نہ گذرے تھے کہ شہر فرانکفرٹ' جرمنی کے باشندوں نے ۱۵۷۴ء میں لوتھر کا ترجمہ شائع کیا اور اس میں یہ جعلی اور جھوٹی عبارت داخل کر دی۔ اس کے بعد کئی بار اس کی طباعت ہوئی' مگر بعد کے ایڈیشنوں سے اس ڈر سے یہ عبارت نکال دی کہ لوگ ان پر طعن کریں گے۔ اس کے بعد شہر وٹنبرگ' جرمنی کے لوگوں نے ۱۵۹۶ء اور ۱۵۹۹ء میں لوتھر کا ترجمہ شائع کیا تو انہوں نے یہ عبارت اس میں داخل کر دی۔ یہی کام شہر ہمبرگ والوں نے بھی کیا' انہوں نے بھی ۱۵۹۶ء میں لوتھر کا ترجمہ شائع کیا تو اس میں یہ عبارت داخل کر دی۔ پھر وٹنبرگ والوں کو خوف ہوا کہ ایک ہی ترجمے کے ایڈیشنوں کا یہ اختلاف مخلوق کے طعن کا سبب بن جائے گا اس لئے انہوں نے یہ ترجمہ دوبارہ شائع کیا تو اس سے یہ عبارت ساقط کر دی۔ لیکن پروٹسٹنٹ عیسائیوں کو داخل کرنے اور نکالنے کا یہ تردد پسند نہ آیا' چنانچہ انہوں نے بعد کے تمام ایڈیشنوں میں اپنے پیشوا کی وصیت کے برخلاف اسے لوتھر کے ترجمے میں داخل کرنے پر اجماع کر لیا۔ اب پریس کے پھیل جانے کے بعد بھی جن لوگوں کی یہ عبادت ہو ان سے یہ توقع کیونکر کی جاسکتی ہے کہ پریس کے ظہور سے پہلے جو تھوڑے سے نسخے گنے چنے ہاتھوں میں محصور تھے ان میں انہوں نے تحریف نہ کی ہوگی۔

مشہور فلسفی اسحاق نیوٹن نے پچاس صفحے کی مقدار کا ایک رسالہ لکھا ہے جس میں

ثابت کیا ہے کہ یہ عبارت اور دوسری کئی عبارتیں جعلی اور محرف ہیں۔

یہ جعلی اور محرف عبارت ۱۸۶۵ء اور ۱۹۸۳ء کے ایڈیشنوں میں دو بڑے ہلالی قوسوں کے درمیان اس طرح آئی ہے: "کیونکہ گواہی دینے والے (آسمان میں تین ہیں: باپ، کلمہ اور روح القدس، اور یہ تینوں ایک ہیں۔ اور زمین میں گواہی دینے والے بھی) تین ہیں: روح، پانی اور خون، اور یہ تینوں ایک ہی میں ہیں"۔

اور ان دونوں ایڈیشنوں کے چھاپنے اور تصحیح کرنے والوں نے پہلے ہی صفحہ میں کہا ہے کہ: جن کلمات اور عبارتوں کا پرانے اور صحیح ترین نسخوں میں وجود نہیں ہے اس کو انہوں نے دو ہلالی قوسوں کے درمیان کر دیا ہے۔

عہد جدید کا جو لاطینی ایڈیشن دار المشرق بیروت نے کیتھولک پریس سے ۱۹۸۲ء میں شائع کیا ہے اس میں بھی یہ عبارت نہیں ہے۔ اسی طرح جان عون کی زیر نگرانی حریت پریس بیروت سے ۱۹۸۳ء میں جو ایڈیشن شائع ہوا ہے اس میں بھی نہیں ہے۔

۱۰- حضرت عیسیٰ کو اللہ کا بیٹا ظاہر کرنے کے لئے تحریف:

کتاب "رسولوں کے اعمال" باب ۸، فقرہ ۳۷ میں ہے:

"پس فلپس نے کہا کہ اگر تو دل و جان سے ایمان لائے تو بپتسمہ لے سکتا ہے۔ اس نے جواب میں کہا میں ایمان لاتا ہوں کہ یسوع مسیح خدا کا بیٹا ہے"۔

یہ فقرہ کہ "یسوع مسیح خدا کا بیٹا ہے" الحاقی ہے، اسے تثلیث کے قائلین میں سے کسی نے بڑھا دیا ہے۔ کریسباخ اور شولز اس بات پر متفق ہیں کہ یہ الحاقی، جعلی اور جھوٹا ہے۔

۱۱- روبین کے اپنے باپ کی لونڈی سے زنا کے واقعہ میں تحریف:

کتاب پیدائش، باب ۳۵، فقرہ ۲۲ کے عبرانی نسخہ میں ہے:

"اور اسرائیل کے اس ملک میں رہتے ہوئے یوں ہوا کہ روبن نے جا کر اپنے باپ

حرم بلہاہ سے مباشرت کی اور اسرائیل کو یہ معلوم ہو گیا"۔

کوئی شبہ نہیں کہ اس فقرے میں کمی کر کے تحریف کی گئی ہے' یہود کو اعتراف ہے کہ یہاں ایک عبارت ساقط ہو گئی ہے۔ ہنری اور اسکاٹ کی تفسیر کے جامعین کہتے ہیں کہ یہود کو تسلیم ہے کہ اس فقرے سے کچھ ساقط ہو گیا ہے۔ یونانی ترجمہ سے اس کا تکملہ یوں ہے : "اور خداوند کی نگاہ میں برا تھا"۔

سوال یہ ہے کہ عبرانی یہود نے اپنے نسخوں سے یہ عبارت کیوں ساقط کر دی ؟

۱۲- پیمانہ یوسف علیہ السلام کی چوری کے واقعہ میں تحریف :

کتاب پیدائش' باب ۴۴' فقرہ ۵ عبرانی نسخہ میں ہے :

"کیا یہ وہی چیز نہیں جس سے میرا آقا پیتا...... ہے"۔

کوئی شبہہ نہیں کہ اس جملہ میں کمی کر کے تحریف کی گئی ہے۔ مفسر ہارسلی نے یہاں کمی کیے جانے کا اقرار کیا ہے اور یونانی ترجمہ کے مطابق اضافہ کرنے کا حکم دیا ہے' جس کے بعد مذکورہ فقرہ اس طرح ہو جائے گا : "تم لوگوں نے میرا پیمانہ کیوں چوری کیا؟ کیا یہ وہی چیز نہیں جس سے میرا آقا پیتا...... ہے"۔

۱۳- موسیٰ علیہ السلام کی بہن مریم بنت عمران کا نام ساقط کرنے کی تحریف :

کتاب خروج' باب ٦' فقرہ ۲۰ عبرانی نسخہ میں ہے :

"اور عمرام نے اپنے باپ کی بہن یوکبد سے بیاہ کیا' اس عورت کے اس سے ہارون اور موسیٰ پیدا ہوئے"۔

کوئی شبہہ نہیں کہ اس فقرہ میں کمی کر کے تحریف کی گئی ہے' جو سامری نسخے اور یونانی ترجمے سے ظاہر ہوتی ہے اور وہ یوں ہے : "اس عورت کے اس سے ہارون اور موسیٰ اور ان کی بہن مریم پیدا ہوئی"۔

آدم کلارک کہتا ہے : کبار محققین کو یقین ہے کہ "اور ان کی بہن مریم" کا لفظ عبرانی متن میں موجود تھا۔

اس کی بات کے معنی یہ ہیں کہ اس لفظ کو عبرانی یہودیوں نے یا تو سامریوں کی دشمنی میں ساقط کر دیا ہے جو سامری توریت پر اعتماد کرتے تھے 'یا عیسائیوں کی دشمنی میں ساقط کر دیا ہے جو یونانی توریت پر اعتماد کرتے تھے۔

یہاں ایک بات اور بھی سمجھی جا رہی ہے اور وہ یہ ہے کہ عمران بن قہات بن لادی نے لادی کی بیٹی یوکبد سے شادی کی' جو اس کے باپ قہات کی بہن یعنی اس کی پھوپھی تھی' سامری اور یونانی توریت میں " پھوپھی" کا لفظ آیا بھی ہے 'اور عربی تراجم مطبوعہ ۱۸۱۱ء' ۱۸۶۵ء' ۱۹۷۰ء' ۱۹۸۳ء' فارسی تراجم مطبوعہ ۱۸۳۹ء' ۱۸۴۵ء' ۱۸۵۶ء اور ہندوستانی تراجم مطبوعہ ۱۸۲۲ء' ۱۸۲۹ء' ۱۸۴۲ء میں بھی " پھوپھی" کا لفظ آیا ہے۔ چونکہ توریت کی رو سے پھوپھی کے ساتھ نکاح حرام ہے' جیسا کہ کتاب احبار' باب ۱۸' فقرہ ۱۲' اور باب ۲۰' فقرہ ۱۹ میں ہے' اس لئے جب پوپ اربانوس ہشتم (متوفی ۱۶۴۴ء) کے عہد میں عربی ترجمہ شائع ہوا تو " پھوپھی" کے لفظ کو تحریف کر کے " چچا کی لڑکی" کر دیا گیا اور عبارت یوں کر دی گئی : "اور عمرام نے اپنے چچا کی لڑکی یوکبد سے بیاہ کیا"۔ چنانچہ یہ فقرہ عربی ایڈیشنوں مطبوعہ ۱۶۲۵ء' ۱۶۷۱ء' ۱۸۴۴ء اور ۱۸۴۸ء میں " چچا کی لڑکی" کے لفظ کے ساتھ آیا ہے۔ اس سے لازم آتا ہے کہ انہوں نے کچھ ایڈیشنوں میں تبدیلی کے ذریعہ تحریف کی ہے۔

۱۴-زبور میں بیشی یا کمی کے ذریعہ تحریف :

چودھویں مزمور کے تیسرے اور چوتھے فقروں کے درمیان کچھ مزید فقرے آئے ہیں' یہ فقرے لاطینی اور عربی ترجمے میں اور واٹیکانوس کے نسخے میں جو ایک یونانی نسخہ

ہے موجود ہیں' ان فقروں کی نص اس طرح ہے :

"ان کا گلا کھلی ہوئی قبر ہے 'انہوں نے اپنی زبانوں سے فریب دیا'ان کے ہونٹوں میں سانپوں کا زہر ہے 'ان کا منہہ لعنت اور کڑواہٹ سے بھرا ہے 'ان کے قدم خون بہانے کے لئے تیز رو ہیں 'ان کی راہوں میں تباہی اور بد حالی ہے اور وہ سلامتی کی راہ سے واقف نہ ہوئے 'ان کی آنکھوں میں خدا کا خوف نہیں"۔

یہ فقرے عبرانی نسخے میں موجود نہیں 'لیکن "رومیوں کے نام پولس رسول کا خط" کے باب ۳ 'فقرہ ۱۳ تا ۱۸ میں پائے جاتے ہیں۔ لہٰذا انہیں یا تو یہود نے اپنے عبرانی نسخہ سے ان عیسائیوں کی عداوت میں ساقط کر دیا ہے جو یونانی توریت پر اعتماد کرتے تھے اور یہ کمی کے ذریعہ تحریف ہے 'یا عیسائیوں نے پولس کی حمایت میں مذکورہ تراجم کے اندر اس کا اضافہ کر دیا ہے اور یہ اضافہ کے ذریعہ تحریف ہے 'لہٰذا دونوں فریق میں سے کسی ایک پر قطعاً تحریف لازم آرہی ہے۔

۱۵-۱ انجیل لوقا میں کمی کے ذریعہ تحریف :

انجیل لوقا 'باب ۲۱ 'فقرہ ۳۲ تا ۳۴ میں ہے :

"(۳۲) میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جب تک یہ سب باتیں نہ ہو لیں یہ نسل ہرگز تمام نہ ہوگی۔ (۳۳) آسمان اور زمین ٹل جائیں گے لیکن میری باتیں ہرگز نہ ٹلیں گی۔ (۳۴) پس خبردار رہو 'ایسا نہ ہو کہ تمہارے دل خمار اور نشہ بازی اور اس زندگی کی فکروں سے سست ہو جائیں"۔

ہورن کہتا ہے کہ انجیل لوقا کے فقرے ۳۳ 'اور ۳۴ کے درمیان سے ایک پورا فقرہ ساقط کر دیا گیا ہے 'لیکن سارے محققین و مفسرین نے اس نقصان عظیم سے جو انجیل لوقا کے متن میں واقع ہوا ہے آنکھیں موندے رکھیں 'یہاں تک کہ محقق ہیلز نے اس پر

متنبہ کیا اور ہورن نے جرأت کر کے یہ مطالبہ کیا کہ انجیل متی اور انجیل مرقس کی طرف رجوع کر کے انجیل لوقا میں اس فقرے کا اضافہ کیا جائے۔

ذیل میں سابقہ فقروں کے ساتھ ہم یہ فقرہ بھی نقل کرتے ہیں تاکہ انجیل لوقا سے اس فقرے کو گرا کر اس میں جو بالقصد تحریف کی گئی ہے وہ واضح ہو سکے۔

انجیل متی' باب ۲۴' فقرہ ۳۴ تا ۳۶ میں ہے :

"(۳۴) میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جب تک یہ سب باتیں نہ ہو لیں یہ نسل ہرگز تمام نہ ہو گی۔ (۳۵) آسمان اور زمین ٹل جائیں گے' لیکن میری باتیں ہرگز نہ ٹلیں گی۔ (۳۶) لیکن اس دن اور اس گھڑی کی بابت کوئی نہیں جانتا' نہ آسمان کے فرشتے' نہ بیٹا'[1] مگر صرف باپ"۔

انجیل مرقس' باب ۱۳' فقرہ ۳۰ تا ۳۲ میں ہے :

"(۳۰) میں تم سے سچ کہتا ہوں جب تک یہ سب باتیں نہ ہو لیں یہ نسل ہرگز تمام نہ ہو گی۔ (۳۱) آسمان و زمین ٹل جائیں گے' لیکن میری باتیں نہ ٹلیں گی۔ (۳۲) لیکن اس دن یا اس گھڑی کی بابت کوئی نہیں جانتا' نہ آسمان کے فرشتے' نہ بیٹا' مگر باپ"۔

ہورن اور ہیلز کے اعتراف کے مطابق انجیل متی' باب ۲۴' فقرہ ۳۶' اور انجیل مرقس' باب ۱۳' فقرہ ۳۲ میں جو عبارت ہے وہ انجیل لوقا سے ساقط ہو گئی ہے اور اسے اس میں بڑھا دینا ضروری ہے۔

۱۶- یہود و نصاریٰ کی باہم دشمنی کے سبب تحریف :

انجیل متی' باب ۲' فقرہ ۲۳ میں ہے :

---

(۱) "نہ بیٹا" کا لفظ مصنف کی نقل کردہ عربی عبارت میں نہیں ہے' مگر اردو بائبل میں ہے (مترجم)

"اور ناصرہ نام ایک شہر میں جا بسا' تاکہ جو نبیوں کی معرفت کہا گیا تھا وہ پورا ہو کہ وہ ناصری کہلائے گا"۔

اس میں یہ جو آیا ہے کہ " تاکہ جو نبیوں کی معرفت کہا گیا تھا وہ پورا ہو کہ وہ ناصری کہلائے گا" یہ اس انجیل کی مشہور غلطیوں میں سے ہے' کیونکہ یہ قول انبیاء کی طرف منسوب' معروف کتابوں میں سے کسی کتاب میں نہیں ہے۔ للہذا یا تو عیسائیوں نے یہود کی عداوت میں یہ قول اپنی کتابوں کے اندر داخل کر دیا ہے اور یہ اضافہ کے ذریعہ تحریف ہے' یا یہود نے عیسائیوں کی عداوت میں یہ قول اپنی کتابوں سے ساقط کر دیا ہے اور یہ کمی کے ذریعہ تحریف ہے۔

محقق گریز اتھم اور کیتھولک علماء کا خیال ہے کہ یہ قول' انبیاء کی کتابوں میں تھا' لیکن یہ کتابیں ناپید ہو گئیں اور یہود نے انہیں اپنی غفلت اور بد دیانتی کی وجہ سے ضائع کر دیا' چنانچہ بعض کو پھاڑ دیا اور بعض کو جلا دیا' کیونکہ جب انہوں نے دیکھا کہ حواری اپنی ملت کے عقائد ثابت کرنے کے لئے ان کتابوں سے تمسک کر رہے ہیں تو انہوں نے مسیح علیہ السلام کی نبوت کا انکار کرنے کے لئے جان بوجھ کر ان کتابوں کو ضائع کر دیا۔ اس کا پتہ اس سے لگتا ہے کہ انہوں نے کئی ایسی کتابیں ناپید کر دیں جن سے متی نے نقل کیا ہے۔

جسٹن نے طریفون یہودی سے مناظرہ کے دوران کہا تھا کہ یہود نے بہت سی کتابوں میں تحریف کر دی ہے اور انہیں "عہد قدیم" سے نکال دیا ہے' تاکہ یہ ظاہر ہو کہ عہد جدید' عہد قدیم کے مخالف ہے۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ پچھلے دور میں تحریف آسان تھی۔ دیکھو کس طرح بہت ساری کتابیں صفحہ عالم سے مٹ گئیں' کیونکہ بعض نے بعض کی دشمنی میں انہیں ناپید کر دیا۔ اس سے بڑھ کر کمی کی تحریف اور کیا ہو سکتی ہے کہ ان کے فرقے نفسانی اغراض کے لئے

جان بوجھ کر آسمانی کتابیں ہی ضائع کر دیں۔

اور اگر یہود نے عیسیٰ علیہ السلام کی رسالت کے انکار کے لئے اپنی کتابوں میں تحریف کی ہے تو عیسائیوں نے تثلیث کے لئے اور عیسیٰ علیہ السلام کی الوہیت اور انہیں اللہ کا بیٹا ثابت کرنے کے لئے تحریف کی ہے' اور اسی لئے ان سے یہ بھی بعید نہیں کہ انہوں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی بشارت دینے والی نصوص پر بھی ہاتھ صاف کر دیا ہو' بلکہ ان کے یہاں اس کا اہتمام دوسری باتوں سے زیادہ ہوا ہو گا' کیونکہ انہوں نے ہر اس عبارت میں تحریف کی ہے اور کر رہے ہیں جو مسلمانوں کے لئے مفید ہو سکتی ہے۔

عیسائی مغالطے اور ان کا رد

پہلا مغالطہ

عیسائی حضرات' اپنی کتابوں سے ناواقف لوگوں کو مغالطہ دینے کے لئے کہا کرتے ہیں کہ صرف مسلمان حضرات ہیں جو عہد قدیم اور عہد جدید (بائبل) میں تحریف کا دعویٰ کرتے ہیں۔

اس مغالطے کی تردید کے لئے ہم تین راستوں سے شواہد پیش کر رہے ہیں:

پہلا راستہ: عیسائیوں کے مخالفین کے اقوال کی نقل:

الف: بت پرست عالم سلسوس نے دوسری صدی عیسوی میں عیسائیوں کے رد میں ایک کتاب لکھی تھی' جرمنی عالم اکھارن' سلسوس کی اس کتاب سے حسب ذیل بات نقل کرتا ہے کہ: "عیسائیوں نے اپنی اناجیل تین یا چار مرتبہ' بلکہ اس سے زیادہ مرتبہ اس طرح بدل دیں کہ گویا اس کے مضامین تبدیل ہو گئے"۔

دیکھو! یہ بت پرست عالم بتلاتا ہے کہ عیسائیوں نے اس کے دور تک اناجیل کو چار سے زیادہ مرتبہ بدل دیا تھا۔

ب: امریکی مصلح پادری پارکر متوفی ۱۸۶۰ء -جو عیسائیوں کی نظر میں ملحد ہے- کہتا ہے کہ: "عیسائی کتابوں میں عبارتوں کا اختلاف تیس ہزار ہے' اور یہ تعداد میل کی تحقیق کے مطابق ہے"۔

ج: ایک ملحد نے عیسیٰ اور مریم اور حواریوں کی طرف منسوب ان کتابوں کا- جنہیں اب عیسائیوں نے مسترد قرار دیا ہے- جدول تیار کیا' کل چوہتر کتابیں ہوئیں۔ اس کے بعد وہ کہتا ہے کہ: "آخر ہمیں یہ کیسے معلوم ہو کہ الہامی کتابیں وہ ہیں جو اس وقت عہد

جدید کے ضمن میں تسلیم شدہ ہیں' یا یہ کتابیں جو مسترد کر دی گئی ہیں' اور جب ہم یہ ملحوظ رکھیں کہ پریس کی ایجاد سے پہلے یہ تسلیم شدہ کتابیں بھی الحاق اور تبدیلی کے لائق تھیں تو اور مشکل پڑے گی"۔

دوسرا راستہ : قدیم عیسائی فرقوں کے اقوال کی نقل جنہیں اب عیسائی بدعتی شمار کرتے ہیں :

الف : ابیونی فرقہ : یہ فرقہ پہلی صدی عیسوی میں ظاہر ہوا اور پولس کا ہمعصر تھا' اس نے پولس پر سخت نکیر کی اور اسے مرتد شمار کیا' یہ عہد قدیم کی کتابوں میں سے صرف توریت کو تسلیم کرتا تھا اور عہد جدید کی کتابوں میں سے صرف انجیل متی کو تسلیم کرتا تھا' لیکن اس فرقے کے پاس اس انجیل کا جو نسخہ تھا وہ متی کی طرف منسوب انجیل کے موجودہ نسخے سے جسے پولس کے پیروکار مانتے ہیں مختلف تھا' اس انجیل میں موجودہ پہلے دو باب نہ تھے' کیونکہ اس کا عقیدہ تھا کہ یہ دونوں باب اور انجیل کے دوسرے بہت سے مقامات تحریف شدہ ہیں' یہ فرقہ مسیح کی الوہیت کا بھی انکار کرتا تھا' اس کا عقیدہ تھا کہ وہ صرف انسان تھے۔

ب : مارسیونی فرقہ : یہ بھی ایک قدیم عیسائی فرقہ ہے' یہ عہد قدیم کی ساری کتابوں کا انکار کرتا تھا' اور کہتا تھا کہ یہ الہامی نہیں ہیں' اور عہد جدید کی انجیل لوقا اور پولس کے دس خطوط کے علاوہ باقی کتابوں کو بھی تسلیم نہیں کرتا تھا' اور یہ دس خطوط بھی جو اس فرقے کے نزدیک تسلیم شدہ ہیں موجودہ خطوط کے مخالف ہیں۔ جہاں تک انجیل لوقا کا تعلق ہے تو یہ فرقہ اس کے پہلے دو بابوں کا انکار کرتا تھا اور اسی طرح اس کے دوسرے بہت سے مقامات کا بھی انکار کرتا تھا' لارڈنر نے اپنی تفسیر کے اندر ان میں سے چودہ مقامات کا ذکر کیا ہے۔

"بل" نے اپنی تاریخ میں ذکر کیا ہے کہ اس مارسیونی فرقے کا عقیدہ ہے کہ اس کائنات کے دو خدا ہیں : ایک خیر کا خالق ہے اور دوسرا شر کا خالق۔ یہ فرقہ کہتا ہے کہ توریت اور عہد قدیم کی ساری کتابیں شر کے خدا کے پاس سے ہیں' کیونکہ یہ عہد جدید کی مخالف ہیں۔

ج : مانی کیز فرقہ : اس فرقہ کا سب سے بڑا عالم فاسٹس ہے جو چوتھی صدی عیسوی میں گذرا ہے' لارڈنر اپنی تفسیر میں آگسٹائن سے نقل کرتا ہے کہ فاسٹس نے کہا ہے کہ : جو چیزیں تمہارے باپ دادا نے مکر سے عہد جدید میں ملحق کر کے اس کی خوبصورتی اور افضلیت کو داغدار کر دیا ہے میں ان کا منکر ہوں' کیونکہ یہ بات محقق ہے کہ اس عہد جدید کو نہ مسیح نے لکھا ہے نہ حواریوں نے' بلکہ کسی نامعلوم آدمی نے لکھا ہے اور اس ڈر سے حواریوں اور ان کے رفقاء کی طرف منسوب کر دیا ہے کہ لوگ یہ سمجھ کر کہ جن حالات کو اس نے لکھا ہے ان سے واقف نہ تھا' اس کی تحریر ہی کا اعتبار نہ کریں گے' اور یوں ایسی کتابیں تالیف کر کے جن میں اغلاط و تناقضات پائے جاتے ہیں حضرت عیسٰی کے مریدوں کو سخت اذیت پہنچائی ہے۔

چنانچہ اس فرقہ کا رہنما کئی باتیں پکار پکار کر کہتا تھا' جن میں سے واضح ترین یہ ہیں :

۱- عیسائیوں نے عہد جدید میں بہت سی چیزیں داخل کر دی ہیں جو اس سے خارج ہیں۔

۲- یہ عہد جدید جو اس وقت معروف ہے یہ نہ حضرت مسیح کی لکھی ہوئی ہے' نہ حواریوں کی اور نہ ان کے پیروکاروں کی' بلکہ یہ کسی نامعلوم آدمی کی لکھی ہوئی ہے۔

۳- اس عہد جدید میں غلطیاں اور تناقضات واقع ہوئے ہیں۔

لارڈنر اپنی تفسیر میں کہتا ہے کہ مؤرخین کا اتفاق ہے کہ پورا مانی کیز فرقہ کسی بھی وقت

میں عہد قدیم کی کتابوں کو تسلیم نہیں کرتا تھا' اس کا عقیدہ تھا کہ شیطان نے موسیٰ سے کلام کیا اور یہود کے انبیاء کو دھوکہ دیا۔ یہ فرقہ ان انبیاء کو چور اور ٹھگ کہتا ہے۔

مذکورہ دونوں راستوں سے واضح ہو جاتا ہے کہ عیسائیوں کے مخالفین اور اسی طرح قدیم عیسائی فرقے جنہیں آج کے عیسائی بدعتی شمار کرتے ہیں وہ ابتدائی صدیوں سے ہی نہایت زور زور سے پکار کر کہہ رہے ہیں کہ عہد قدیم اور عہد جدید (بائبل) کی کتابوں میں تحریف واقع ہوئی ہے۔

تیسرا راستہ: جو مفسرین و مؤرخین عیسائیت کے لئے متعصب اور سارے عیسائیوں کے نزدیک مقبول ہیں ان کے اقوال کی نقل:

الف: آدم کلارک کہتا ہے: اکثر بیانات جو مؤرخین نے خداوند (مراد حضرت عیسیٰ) کے سلسلے میں لکھے ہیں صحیح نہیں ہیں' کیونکہ جو چیزیں واقع نہیں ہوئی تھیں ان کے متعلق انہوں نے لکھا ہے کہ وہ یقیناً واقع ہوئیں' انہوں نے دوسرے حالات کے بارے میں بھی قصداً یا سہواً غلطی کی ہے' اور یہ بات محقق ہے کہ بہت سی جھوٹی اناجیل ابتدائی عیسوی صدیوں میں رائج تھیں' اور ان اناجیل کی تعداد ستر سے زیادہ پہنچ چکی تھی۔ فبری سیوس نے ان جھوٹی اناجیل کو جمع کر کے تین جلدوں میں طبع کیا تھا۔

ب: حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف پانچ کتابوں۔ پیدائش' خروج' احبار' گنتی اور استثناء' جو اس وقت توریت کے نام سے مشہور ہیں۔ کے علاوہ مزید چھ کتابیں منسوب کی گئی ہیں جو یہ ہیں:

۱- کتاب مشاہدات

۲- کتاب پیدائش (صغیر)

۳- کتاب معراج

۴-کتاب اسرار

۵-کتاب ٹسٹمنٹ (عہد یا وصیت)

٦-کتاب اقرار

ہورن کہتا ہے : گمان یہ ہے کہ یہ جعلی کتابیں عیسائی ملت کی ابتداء میں، یعنی پہلی صدی عیسوی میں گھڑی گئی ہیں۔

ج : مورخ موشیم کہتا ہے : مصر کے یہود نے حضرت مسیح کی پیدائش سے پہلے ایک مقولہ سیکھ رکھا تھا جو فلاسفہ کے یہاں مشہور ہے، وہ یہ ہے کہ سچائی اور اللہ کی عبادت میں زیادتی کے لئے جھوٹ بولنا اور دھوکہ دینا صرف یہی نہیں کہ جائز ہے بلکہ لائق تحسین ہے۔ یہود نے اس مقولے پر عمل کیا، جس کا یقینی پتہ بہت سی قدیم کتابوں سے لگتا ہے، پھر اس ناہنجار مقولے کی وباء عیسائیوں میں منتقل ہوئی، جیسا کہ ان بہت سی کتابوں سے ظاہر ہوتا ہے جو انہوں نے اکابر کی طرف جھوٹے طور پر منسوب کی ہیں۔

جب جھوٹ اور فریب، مسیح سے پہلے یہود کے یہاں اور مسیح کے بعد عیسائیوں کے یہاں دینی مستحبات میں سے ہوں تو کیا جعل سازی، تحریف اور جھوٹ کسی حد پر جاکر رک سکتا ہے؟

د : لارڈنر اپنی تفسیر میں کہتا ہے : بادشاہ اناسٹیوٹس (زمانہ حکمرانی ۴۹۱-۵۱۸ء) کے حکم سے مقدس اناجیل کے متعلق ان کے مصنفین کے مجہول ہونے کی وجہ سے یہ فیصلہ کیا گیا کہ یہ عمدہ نہیں ہیں، لہٰذا ان کی پھر سے تصحیح کی گئی۔ پس اگر اس بادشاہ کے عہد میں اناجیل کی کوئی ثابت سند ہوتی تو وہ ان کی تصحیح کا حکم نہ دیتا، پھر مصححین نے بقدر امکان غلطیوں اور تناقضات کی تصحیح کی۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان اناجیل میں ہر پہلو سے یقیناً تحریف کی گئی ہے، اور یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ ان کی اسناد نہیں ہے۔

ھ : آگسٹائن اور ہیلز اور قدیم عیسائی کہتے ہیں کہ یہود نے ۱۳۰ء میں یونانی ترجمے پر اعتماد کرنے والے عیسائیوں کی دشمنی میں عبرانی توریت کے اندر تحریف کرڈالی' تاکہ یونانی ترجمہ ناقابل اعتبار ہو جائے۔ کنی کاٹ نے قوی دلائل سے جن کا کوئی جواب نہیں' ثابت کیا ہے کہ یہود نے سامریوں کی عداوت میں' جن کے پاس عبرانی توریت کے بجائے ان کی اپنی خاص توریت تھی' عبرانی توریت کے اندر تحریف کرڈالی۔

و : مفسر ہارسلی کہتا ہے :اس میں کوئی شبہ نہیں کہ مقدس متن میں تحریف ہوئی ہے' یہ بات نسخوں کے اختلاف اور عبارتوں کے تناقض سے ظاہر ہے' اور یہ بات تقریباً یقینی ہے کہ بہت ہی قبیح عبارتیں مطبوعہ متن میں داخل ہوگئی ہیں' اور جو نقول لوگوں کے پاس تھیں ان کے سلسلہ میں عبرانی متن تحریف کی سب سے بدترین حالت میں ہے۔

ز : وائس کہتا ہے : اوریجن اختلافات کی شکایت کرتا تھا اور انہیں مختلف اسباب کی طرف منسوب کرتا تھا' مثلاً لکھنے والوں کی غفلت' شرارت اور لاپروائی۔ اور جب جیروم نے عہد جدید کا ترجمہ کرنا چاہا تو اس کے پاس جو مختلف نسخے تھے ان کا تقابل کیا' اسے زبردست اختلاف ملا۔

آدم کلارک اپنی تفسیر میں کہتا ہے : جیروم سے پہلے لاطینی زبان میں مختلف مترجمین کے کئے ہوئے بہت سے ترجمے موجود تھے' بعض میں انتہائی درجہ تحریف تھی اور بعض مقامات دوسرے مقامات کے منافی تھے' جیساکہ جیروم نے صراحت کی ہے۔

ح : راہب فلپس کواڈنولس نے بعض مسلمانوں کے رد میں ایک کتاب لکھی ہے' جس کا نام "خیالات" رکھا ہے' اور اسے ۱۶۴۹ء میں شائع کیا ہے' وہ کہتا ہے کہ عہد قدیم کی کتابوں میں بکثرت تحریف پائی جاتی ہے' اور ہم عیسائیوں نے ان کتابوں کو اس لئے محفوظ رکھا ہے تاکہ یہود کو تحریف کا الزام دے سکیں' ورنہ ہم ان کے اباطیل کو تسلیم نہیں

کرتے۔

ط : بادشاہ جیمس اول (متوفی ۱۶۲۵ء) کے پاس پروٹسٹنٹ فرقہ کی جانب سے ایک "عرض حال" پیش کی گئی جس میں انہوں نے کہا ہے کہ زبور کے مزامیر' جو ہماری نماز کی کتاب میں داخل ہیں' تقریباً دو سو جگہوں میں کمی' بیشی اور تبدیلی کی صورت میں عبرانی نص کے مخالف ہیں۔

ی : انگریز مورخ مسٹر توماس کارلائل (متوفی ۱۸۸۱ء) کہتا ہے : انگریز مترجمین نے مطلب بگاڑ دیا ہے' حق چھپادیا ہے' جاہلوں کو دھوکہ دیا ہے اور انجیل کا جو مطلب سیدھا تھا اسے ٹیڑھا کر دیا ہے' انہیں اندھیرا' روشنی سے زیادہ' اور جھوٹ' سچ سے زیادہ پسند ہے۔

ک : مسٹر بروئن جو برطانیہ میں جدید ترجمے کی مجلس کا بڑا مسئول تھا' اس نے پادریوں سے کہا کہ انگلستان میں جو انگریزی ترجمہ رائج ہے وہ غلطیوں سے بھرا ہوا ہے' اور آپ لوگوں کے مشہور انگریزی ترجمے نے آٹھ سو اڑتالیس (۸۴۸) جگہ پر عہد قدیم کی عبارتوں میں تحریف کی ہے' اور بے شمار لوگوں کی طرف سے عہد جدید کی کتابوں کو رد کرنے کا سبب بن گیا ہے۔

عہد قدیم وجدید (بائبل) کی عبارتوں میں اختلاف واقع ہونے کے اسباب :

ہورن کہتا ہے کہ عبارت میں اختلاف واقع ہونے کے چار اسباب ہیں :

پہلا سبب : کاتب کی غفلت اور اس کا سہو' اور اس بات کا تصور کئی طرح پر کیا جا سکتا ہے :

۱- یہ کہ جو شخص کاتب پر عبارت املا کرا رہا تھا اس نے املا میں تحریف کر دی اور کچھ کا کچھ بول دیا' یا یہ کہ جب اس نے املا کرایا تو کاتب اس کی بات نہ سمجھ سکا اور کچھ کا کچھ لکھ دیا۔

۲- یہ کہ عبرانی اور یونانی حروف بعض متشابہ ہیں' لہٰذا ایک کی جگہ دوسرے کو لکھ دیا۔

۳- یہ کہ کاتب نے اعراب کو خط سمجھ لیا' یا جو خط لکھا جاتا تھا اسے حرف کا جزء سمجھ لیا' یا کاتب اصل مطلب نہ سمجھ سکا' لہٰذا اس نے اپنے اجتہاد سے عبارت کی اصلاح کر دی اور یوں غلطی کر بیٹھا۔

۴- یہ کہ کاتب سہواً ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہو گیا اور جب اسے پتہ چلا تو جو کچھ لکھ چکا تھا اسے نہ مٹایا اور دوبارہ وہیں سے کتابت شروع کر دی جسے چھوڑا تھا' لہٰذا جو لکھ چکا تھا وہ مٹائے بغیر باقی رہ گیا۔

۵- یہ کہ کاتب کوئی بات بھول گیا اور دوسری چیز لکھ لینے کے بعد متنبہ ہوا' لہٰذا متروکہ عبارت اس کے بعد متصلاً لکھ دی' اس لئے عبارت اپنی صحیح جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہو گئی۔

۶- کتابت کے دوران کاتب کی نظر چوک کر دوسری سطر پر جا پڑی' لہٰذا ایک عبارت یا کئی عبارتیں ساقط ہو گئیں اور کاتب اسے جان نہ سکا۔

۷- یہ کہ کاتب نے بعض الفاظ سمجھنے میں غلطی کی اور اسے اپنے فہم کے مطابق لکھ دیا'

لہٰذا غلطی میں پڑ گیا۔

۸- یہ کہ کاتبوں کی جہالت اور غفلت عبارت میں اختلاف واقع ہونے کا بڑا سبب ہے کہ انہوں نے حاشیہ یا تفسیر کی عبارت کو متن کا جزء سمجھ کر اسے متن میں داخل کر لیا۔

دوسرا سبب: جس نسخے سے نقل کیا گیا ہے اس کا ناقص ہونا' اور اس کا تصور بھی کئی طرح پر کیا جا سکتا ہے :

۱- حروف کے اعراب کا مٹ جانا۔

۲- جو اعراب ایک صفحے میں تھا وہ دوسرے صفحے میں ظاہر ہو گیا اور دوسرے صفحے کے حروف کے ساتھ مل جل گیا' لہٰذا کاتب نے اس کو اسی کا جزء سمجھ کر جیسے سمجھا تھا ویسے ہی لکھ دیا۔

۳- متروکہ فقرہ حاشیہ پر لکھا تھا اور اس پر اس جگہ کی کوئی علامت نہ تھی جہاں سے وہ فقرہ کم ہوا تھا' چنانچہ دوسرے کاتب کو اس کے کم ہونے کی وہ جگہ معلوم نہ ہو سکی جہاں اس فقرے کو لکھا جانا تھا' اس لئے اس نے اجتہاد کیا اور جگہ کی تعیین میں غلطی کر بیٹھا۔

تیسرا سبب: خیالی تصحیح واصلاح' اور اس کا تصور بھی کئی طرح پر کیا جا سکتا ہے :

۱- کاتب نے صحیح عبارت کو ناقص سمجھا' یا مطلب سمجھنے میں غلطی کی' یا یہ سمجھا کہ عبارت غلط ہے' حالانکہ وہ غلط نہ تھی۔

۲- بعض محققین نے غلطی کی اصلاح ہی پر اکتفا نہ کی بلکہ غیر فصیح عبارتوں کو فصیح عبارتوں سے بدل دیا' اور ایسے فضول کلام اور مترادف الفاظ ساقط کر دئے جن سے انہیں کوئی فرق محسوس نہ ہوا۔

۳- انہوں نے معانی کے لحاظ سے متقابل فقروں کو برابر کرتے ہوئے ایک دوسرے

کے مساوی بنادیا' چنانچہ زائد کو کم یا کم کو زیادہ کر دیا' اور یہ تصرف اناجیل میں خصوصاً واقع ہوا' اسی لئے پولس کے خطوط میں بکثرت الحاق ہے' تاکہ جو عبارتیں اس نے عہد قدیم سے نقل کی ہیں وہ یونانی ترجمے کے مطابق ہو جائیں' اور یہی صورت سب سے زیادہ واقع ہے۔

۴۔ بعض محققین نے عہد جدید کی عبارتوں کو لاطینی ترجمے کے مطابق بنادیا۔

چوتھا سبب : بالقصد تحریف :

یہ تحریف ان لوگوں سے جو دین میں متشدد یا بدعتی تھے صادر ہوئی ہے۔ بدعتی محرفین میں سب سے بڑا محرف مارسیون ہے' اور جہاں تک متشدد دین کا معاملہ ہے تو یہ کسی مقبول مسئلے کی تائید کے لئے یا وارد ہونے والے اعتراضات کے دفعیہ کے لئے جان بوجھ کر تحریف کیا کرتے تھے' پھر ان کے بعد ان تحریفات کو راجح قرار دیا جاتا تھا۔ ہورن نے اس قسم کی بالقصد تحریفات کی بہت سے مثالیں دی ہیں جو اپنی قوم میں اہل دین و دیانت کی حیثیت سے معروف متشدد دین سے صادر ہوئی ہیں۔

اور جب یہ ثابت ہو گیا کہ کاتبوں کے جہل اور غفلت کی وجہ سے حاشیے اور تفسیر کی عبارتیں متن کے اندر داخل ہو گئیں اور کاتبوں نے جن عبارتوں کو غلط سمجھا ان کی اصلاح کی اور غیر فصیح عبارتوں کو بدل دیا اور فضول یا مترادف الفاظ ساقط کر دیئے اور متقابل فقرات کو خصوصاً انجیل میں مساوی کر دیا' اور بعض محققین نے عہد جدید کو لاطینی ترجمے کے مطابق بنا ڈالا اور بدعتیوں نے قصداً تحریف کی اور اپنی ملت کے اندر متشدد اہل دیانت اور اہل دین نے مسائل کی تائید یا اعتراضات کے دفعیہ کے لئے قصداً تحریفات کیں' اور ان بالقصد تحریفات کو ان کے بعد ترجیح دی جاتی رہی' تو اب تحریف کی صورتوں میں سے کون سی صورت رہ جاتی ہے جس کا ارتکاب ان حضرات نے نہیں کیا ہے؟ اور

تحریف کے دروازوں میں سے کون سا دروازہ باقی رہتا ہے جس میں یہ لوگ نہیں گھسے ہیں ؟ اور اگر ہم یہ کہیں کہ صلیب پرست عیسائیوں نے دین اسلام کے ظہور کے بعد وہ عبارتیں بدل دیں جو مسلمانوں کے لئے مفید تھیں' پھر اس تحریف کو ان کے بعد ترجیح دے دی گئی تو اس میں کون سا بعد ہو گا ؟ بلکہ یہ تحریف جو مسلمانوں کے خلاف کی گئی ہے اس کا اہتمام ان کے نزدیک باہم ایک دوسرے کے خلاف کی جانے والی تحریف سے کہیں بڑھ کر ہے' اور اس کی ترجیح ان کے نزدیک زیادہ بہتر اور ضروری ہے۔

دوسرامغالطہ

عیسائی کہتے ہیں کہ مسیح علیہ السلام نے عہد قدیم کی کتابوں کے برحق ہونے کی شہادت دی ہے' اگر یہ کتابیں تحریف شدہ ہوتیں تو وہ اسکی شہادت نہ دیتے' بلکہ یہود کو تحریف کاالزام دیتے۔

اس مغالطے کاجواب یہ ہے کہ جب عہد قدیم اور عہد جدید (بائبل) کی کسی بھی کتاب کے لئے لفظی تواتر ثابت نہیں اور مصنفین تک ان کی متصل سند نہیں اور ان کتابوں میں ہر طرح کی تحریف واقع ہونا ثابت ہے اور یہ بھی ثابت ہے کہ متشدد اہل دین و دیانت مسائل کی تائید یااعتراضات کے دفعیہ کے لئے تحریف کیا کرتے تھے' تو یہ ساری ہی کتابیں ہمارے نزدیک مشکوک ہوگئیں' اوران کے بعض فقرات سے ہمارے خلاف حجت پکڑنادرست نہیں' کیونکہ احتمال ہے کہ یہ فقرے الحاقی ہوں' انہیں متشدد عیسائیوں نے دوسری یاتیسری صدی عیسوی میں ابیونی' مارسیونی اورمانی کیز فرقوں کے خلاف داخل کر دیا ہو' پھران تحریفات کوان کے بعد ترجیح دے دی گئی ہو' کیونکہ یہ ان کے مسائل کی تائید کرتی ہیں' جیساکہ انہوں نے ایرین فرقے کے خلاف کیا تھا' مذکورہ تینوں فرقے عہد قدیم کی کل یااکثر کتابوں کاانکار کرتے تھے۔

پھراگر ہم ان فقروں کے الحاقی ہونے سے قطع نظر بھی کرلیں توان سے بہرحال ان کتابوں کی سند ثابت نہیں ہوتی' کیونکہ ان فقروں میں ان کتابوں کی تعداد اوران کے نام نہیں بتائے گئے ہیں' لہٰذا یہ بات کیسے معلوم ہوگی کہ عہد قدیم کی کتابیں انتالیس ہیں' (جیساکہ اس وقت پروٹسٹنٹ کہتے ہیں) یاچھیالیس ہیں (جیسا کہ اس وقت کیتھولک کہتے ہیں)؟

یہودی مورخ یوسیفوس-جو حضرت مسیح علیہ السلام کے بعد گذراہوانہایت متعصب

یہودی ہے مگر عیسائی اس کا احترام کرتے اور اس کی کتابیں قبول کرتے ہیں۔ اپنی تاریخ میں لکھتے ہوئے کہتا ہے کہ ہم یہود کے پاس ہزاروں کتابیں نہیں ہیں جو ایک دوسرے کے منافی ہوں' بلکہ ہمارے پاس بائیس کتابیں ہیں جن میں سے پانچ موسیٰ علیہ السلام کی ہیں۔

غرض اس کا بیان ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی پانچ کتابوں کے علاوہ' توریت کی ملحقات سترہ کتابیں ہیں' جبکہ صورت حال یہ ہے کہ توریت کی یہ ملحقات پروٹسٹنٹ کے یہاں چونتیس کتابیں ہیں' اور کیتھولک کے یہاں اکتالیس کتابیں ہیں۔ اس لئے سوال یہ ہے کہ ان ملحقات میں سے کون سی کتاب ان سترہ میں داخل ہے اور کون سی ان سے خارج ہے ؟

اور یہ گذر چکا ہے کہ محقق گریزاتھم اور کیتھولک علماء کو اعتراف ہے کہ یہود نے اپنی غفلت اور بددیانتی کی وجہ سے بہت سی کتابیں ضائع کر دیں' بعض کو پھاڑ دیا اور بعض کو جلا دیا' اس لئے ہو سکتا ہے کہ یہ ضائع کردہ کتابیں ان سترہ کے ضمن میں داخل رہی ہوں۔ ادھر محققین نے بیس کتابوں کے ناپید ہونے کا اعتراف کیا ہے جن کا ذکر تو آتا ہے لیکن اب ان کا کوئی وجود نہیں ہے۔

ٹامس انگلس کہتا ہے کہ دنیا کا اتفاق ہے کہ کتب مقدسہ میں سے جو کتابیں ناپید ہیں وہ بیس سے کم نہیں ہیں۔

ادھر یوسیفوس کی شہادت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ پانچ کتابیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف منسوب ہیں' لیکن یہ پتہ نہیں کہ یوسیفوس کے عہد میں جو پانچ کتابیں تھیں وہ یہی پانچ کتابیں ہیں جو اس وقت متداول ہیں' یا ان کے علاوہ تھیں ؟

ویسے ظاہر یہ ہے کہ ان کے علاوہ تھیں' کیونکہ گذر چکا ہے کہ یوسیفوس اپنی تاریخ میں موجودہ کتابوں پر اعتماد نہیں کرتا تھا۔

پھر اگر ہم یہ تسلیم بھی کرلیں کہ عہد قدیم کی یہی کتابیں حضرت مسیح کے عہد میں

متداول تھیں' اور حضرت مسیح اور حواریوں نے انہی کے بارے میں شہادت دی ہے' تو اس شہادت کا تقاضا یہ ہے کہ یہ کتابیں اس وقت یہود کے پاس موجود رہی ہوں' خواہ جن افراد کی طرف یہ منسوب ہیں ان کی تصنیف ہوں یا نہ ہوں' اور خواہ ان میں مندرج حالات سچے ہوں یا بعض سچے اور بعض جھوٹے ہوں' بہر حال اس شہادت سے یہ نہیں سمجھا یا جاتا کہ ان میں سے ہر کتاب اسی شخص کی تصنیف ہے جس کی طرف منسوب ہے اور نہ یہ سمجھا جاتا ہے کہ ان میں جتنے حالات مذکور ہیں وہ سب کے سب قطعاً سچے ہیں' اور اگر مسیح اور حواریوں نے ان کتابوں سے کچھ نقل کیا ہے تو محض نقل کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ جس کتاب سے نقل کیا گیا ہے وہ ایسی سچی ہے کہ تحقیق کی محتاج نہیں' ہاں اگر حضرت مسیح اس کتاب کے ہر جزء اور ہر حکم کے بارے میں یہ صراحت کرتے کہ وہ اللہ کی جانب سے ہے اور ان کی یہ صراحت تواتر سے ثابت ہوتی تو یہ کتاب قطعاً سچی ہوتی اور اس کے ماسوا مشکوک اور محتاج تحقیق ہوتی' لیکن حضرت مسیح علیہ السلام سے ایسی صراحت عہد قدیم کی کسی بھی کتاب کے بارے میں ثابت نہیں ہے۔

محقق بیلی نے اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے کہ حضرت مسیح نے فرمایا تھا کہ توریت اللہ کے پاس سے ہے' لیکن ان کے اس ارشاد کے یہ معنی نہیں کہ پوری کی پوری عہد قدیم یا اس کا ہر فقرہ صحیح ہے' اور نہ اس کے یہ معنی ہیں کہ اس کی ہر کتاب اصلی ہے' اور نہ یہ کہ اس کے مؤلفین کی تحقیق واجب ہے۔ ہاں حواری اور حضرت مسیح کے ہمعصر یہود ان کی طرف رجوع کرتے اور انہیں استعمال کرتے تھے' لہٰذا اس رجوع اور استعمال سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ کتابیں اس وقت مشہور اور مسلم تھیں' لیکن عہد جدید میں عہد قدیم سے کسی فقرہ کو نقل کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ تحقیق کا محتاج نہیں۔

پھر اگر ہم فرض کرلیں کہ حضرت مسیح نے عہد قدیم کی کتابوں کے لئے شہادت دی تھی تو حضرت مسیح کی یہ شہادت اس بات کے منافی نہیں کہ بعد میں تحریف واقع ہوئی

ہو' کیونکہ یہود نے جس طرح حضرت مسیح سے پہلے تحریف کی تھی بعد میں بھی تحریف کی' اور یہ گذر چکا ہے کہ جمہور علماء اور محققین و مفسرین اور مؤرخین کا مذہب یہ ہے کہ یہود نے حضرت مسیح کے بعد عیسائیوں کی عداوت میں ۱۳۰ء میں قصداً تحریف کی' لہٰذا حضرت مسیح کی شہادت اس بات کی نفی نہیں کرتی کہ اس کے بعد ان کتابوں میں تحریف واقع ہوئی ہو۔

تیسرا مغالطہ

عیسائی کہتے ہیں کہ تحریف کا وقوع بعید ہے' کیونکہ کتب مقدسہ کے نسخے مشرق و مغرب میں پھیلے ہوئے تھے' لہٰذا کسی کے لئے ان میں تحریف ممکن نہ تھی۔

اس مغالطے کی تردید کے لئے ہم ذیل میں ایسے امور پیش کر رہے ہیں جن سے ان کتابوں میں تحریف کا وقوع مستبعد نہیں رہ جاتا:

ا- موسیٰ علیہ السلام نے توریت کا نسخہ لکھا اور اسے احبار کے حوالے کر دیا اور انہیں وصیت کی کہ اسے صندوق شہادت کے اندر یعنی اس تابوت کے اندر جسے موسیٰ علیہ السلام نے بنایا تھا' رکھ کر اس کی حفاظت کریں۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام کی توریت اسی صندوق میں رکھی رہی اور پہلے طبقے نے اس کی حفاظت کی' جب یہ طبقہ گذر گیا تو بنی اسرائیل کی حالت بدل گئی' وہ کبھی مرتد ہو جاتے اور کبھی دین پر آجاتے' داود اور سلیمان علیہما السلام کی سلطنت قائم ہونے تک ان کا یہی حال رہا' اس کے بعد ان کی حالت عمدہ ہو گئی اور ان کا عقیدہ بھی درست ہو گیا' لیکن جو توریت تابوت میں رکھی ہوئی تھی وہ بکثرت ارتداد کے سبب سلیمان علیہ السلام کے عہد سے پہلے ہی ضائع ہو گئی' اور یقینی طور سے یہ معلوم نہیں کہ وہ کب ضائع ہوئی' کیونکہ سلیمان علیہ السلام نے جب صندوق کھولی تو اس میں جن دو تختیوں پر دس احکام یعنی وصیتیں تحریر تھیں ان کے سوا کچھ نہ تھا' جیسا کہ کتاب سلاطین اول' باب ۸' فقرہ ۹ میں اس کی تصریح ہے۔ پھر سلیمان علیہ السلام کی حکمرانی کے آخر میں زبردست ارتداد پیش آیا' جیسا کہ ان کی مقدس کتابیں شہادت دیتی ہیں (اور کوئی شبہہ نہیں کہ یہ سلیمان علیہ السلام پر گھڑا ہوا جھوٹ ہے) چنانچہ وہ کہتی ہیں کہ سلیمان علیہ السلام اپنی بیویوں کو راضی کرنے کے لئے آخر عمر میں مرتد ہو گئے' اور بتوں کی پوجا کی' اور ان کے لئے بہت سے بت خانے بنوائے (دیکھئے کتاب

سلاطین اول' باب ۱۱' فقرہ ۱ تا ۱۱) اب سوال یہ ہے کہ جب سلیمان علیہ السلام ان یہود کی گندی شہادت کے مطابق خود ہی مرتد اور بت پرست ہو گئے تھے تو انہیں توریت سے کیا کام رہ گیا تھا۔

پھر ۹۳۱ء میں سلیمان علیہ السلام کی وفات کے بعد ایسا عظیم ترین ارتداد پیش آیا کہ بنی اسرائیل کے اسباط تقسیم ہو گئے' ان کی ایک مملکت دو مملکت ہو گئی اور یربعام بن نباط شمالی فلسطین میں دس اسباط کا بادشاہ بن بیٹھا اور اپنی مملکت کا نام مملکت اسرائیل رکھا' جس کا دارالحکومت شیکم یعنی نابلس کے قریب ترصہ نامی مقام تھا۔ دوسری طرف رحبعام بن سلیمان جنوبی فلسطین میں دو اسباط کا بادشاہ بنا اور اپنی مملکت کا نام مملکت یہوداہ رکھا' جس کا دارالحکومت یروشلیم یعنی بیت المقدس تھا۔ ان دونوں ہی مملکتوں میں کفر و ارتداد پھیلا' لیکن مملکت اسرائیل میں اس کی رفتار زیادہ تیز و تند تھی' کیونکہ یربعام حکومت ہاتھ میں لینے کے بعد مرتد ہو گیا اور اس نے سونے کے بچھڑے نصب کر کے ان کی عبادت کا حکم دیا۔ چنانچہ اس کے ساتھ دسوں اسباط مرتد ہو گئے اور انہوں نے بتوں کی پوجا کی' اور ان میں سے جو کوئی توحید پر باقی رہا اس نے مملکت یہوداہ کی طرف ہجرت کر لی۔ اس مملکت اسرائیل پر آگے پیچھے انیس (۱۹) حکمراں آئے' مگر ان کا حال نہ بدلا' چنانچہ یہ دسوں اسباط ان کے پہلے بادشاہ سے آخری بادشاہ تک اللہ کے ساتھ کفر پر قائم رہے' بت پرستی کی اور توریت کو پھینکے رکھا' یہاں تک کہ اللہ نے ۷۲۲ ق م میں آشوریوں کو سرجون دوم کی زیر قیادت ان پر مسلط کر کے انہیں تباہ و برباد کر دیا۔ ان حملہ آوروں نے ان کی بڑی تعداد کو قتل و قید کیا اور باقی کو مختلف ممالک میں پراگندہ کر دیا اور اس مملکت میں تھوڑے سے لوگوں کے علاوہ ان کا کوئی آدمی نہ بچا۔ پھر انہوں نے بت پرستوں کو لا کر مملکت اسرائیل میں آباد کیا' اس کے نتیجے میں یہ چھوٹا سا اسرائیلی گروہ بت

پرستوں کے ساتھ بری طرح خلط ملط ہو گیا' ان کے ساتھ شادی بیاہ کئے' ان سے نسل چلی اور ان کی اولاد کا نام سامری رکھا گیا۔ غرض مملکت اسرائیل کے پہلے بادشاہ یربعام کے عہد سے دو صدی سے زیادہ عرصہ بعد اس مملکت کے ناپید ہونے تک ان دس اسباط کو توریت سے کوئی کام نہ رہا' چنانچہ اس مملکت میں توریت کے نسخوں کا وجود عنقا کی طرح تھا کہ جس کا ذکر تو سننے میں آتا ہے مگر اس کی کوئی اصل نہیں۔

باقی رہی مملکت یہوداہ جو بنی اسرائیل کے دو سبطوں پر مشتمل تھی' تو اس کے تخت حکمرانی پر سلیمان علیہ السلام کے بعد بیس بادشاہ بیٹھے' لیکن ان بادشاہوں میں سے مرتدین کی تعداد مومن موحدوں سے زیادہ رہی' چنانچہ سلیمان علیہ السلام کے صاحبزادے رحبعام ہی کے عہد سے بت پرستی پھیل گئی اور ہر درخت کے نیچے بت رکھے اور پوجے گئے' چنانچہ اللہ نے ان پر شیشق بادشاہ مصر کو مسلط کیا' اس نے یہوداہ کی مملکت پر چڑھائی کی اور ہیکل اور شاہی گھرانے کا سارا اثاثہ لوٹ لیا' پھر اللہ نے یہوداہ کے تیسرے بادشاہ آسا پر مملکت اسرائیل کے تیسرے بادشاہ بعشا بن اخیا کو مسلط کیا' بعشا بت پرست مرتد تھا' اس نے بیت المقدس پہنچ کر ہیکل اور شاہی گھرانے کو بری طرح لوٹا' پھر یہوداہ کے چھٹے بادشاہ اخزیاہ کے عہد میں شہر یروشلیم (بیت المقدس) کے اندر ہر طرف بعل بت کی قربان گاہیں تعمیر ہو گئیں' یہاں تک کہ بیت المقدس کے دروازے بند ہو گئے' پھر چودہویں بادشاہ منسی کے عہد میں یہ کفر مزید سخت ہو گیا' یہاں تک کہ مملکت کے باشندوں کی اکثریت بت پرست ہو گئی' انہوں نے بیت المقدس کے صحن میں بتوں کی قربان گاہیں بنا ڈالیں اور جس بت کی پوجا کر رہے تھے اسے بیت المقدس کے اندر رکھ دیا' پھر کفر و ارتداد کا یہی حال اس کے بیٹے آمون کے زمانہ میں بھی رہا۔

اس کے بعد جب ۶۳۸ ق م میں آمون کے بیٹے یوسیاہ کے ہاتھ میں حکومت کی باگ

ڈور آئی تو اس نے اللہ کے حضور خالص توبہ کی اور اپنے ارکان حکومت کو ملت موسوی پھیلانے کا حکم دیا اور انتہائی محنت و کوشش سے کفر و بت پرستی کی رسوم مٹائیں' اس نے کاہن خلقیاہ کو اپنا مرشد بنایا اور منشی سافن کو ہیکل کی اصلاح کے لئے قوم سے ٹیکس جمع کرنے پر متعین کیا' اسے توریت کی سخت ضرورت تھی' لیکن ۶۲۱ ق م تک یعنی اس کی حکمرانی کے سترہ سال بعد تک کسی نے نہ توریت کا کوئی نسخہ سنا اور نہ لکھا' پھر اٹھارہویں سال اس کے مرشد کاہن خلقیاہ نے دعویٰ کیا کہ اسے بیت المقدس میں ہیکل کے لئے آنے والی چاندی کا حساب کرتے وقت کتاب استثناء اور احکامات کے مجموعے کا ایک مخطوطہ دستیاب ہوا ہے' چنانچہ اس نے یہ مخطوطہ سافن کو دیا اور سافن نے اسے پڑھ کر یوسیاہ بادشاہ کو سنایا' بادشاہ نے جب اس کا مضمون سنا تو بنی اسرائیل کی نافرمانی پر افسوس کرتے ہوئے اپنے کپڑے پھاڑ لئے (سلاطین دوم' باب ۲۲' فقرہ ۱ تا ۱۱' اور تواریخ دوم باب ۳۴' فقرہ ۱ تا ۱۹)

لیکن یہ نسخہ اور خلقیاہ کی بات قابل اعتماد نہیں ہے' کیونکہ ہیکل' بادشاہ اخزیاہ کے عہد سے پہلے دو مرتبہ لوٹا جا چکا تھا اور اس کے عہد میں بت خانہ بنا دیا گیا تھا' جس میں مہنت اور پجاری روز داخل ہوتے تھے۔ تو دو صدی سے زیادہ عرصہ میں (جو اخزیاہ کی حکمرانی کے آغاز ۸۴۳ ق م سے شروع ہو کر یوسیاہ کی حکمرانی کے سترہویں سال ۶۲۱ ق م پر منتہی ہوتا ہے) نہ کسی نے توریت کا نام سنا اور نہ دیکھا' حالانکہ یوسیاہ اور اس کے ارکان حکومت اور اس کی ساری رعایا شریعت موسیٰ کے احیاء کی سخت جدوجہد کر رہی تھی اور کاہن روزانہ ہیکل میں داخل ہوتے تھے۔ اس لئے تعجب ہے کہ کتاب استثناء ہیکل میں موجود ہو اور سترہ برس کے لمبے عرصے تک اسے کوئی نہ دیکھے۔ اس لئے صحیح بات یہ ہے کہ اس کتاب کو کاہن خلقیاہ نے خود گھڑ لیا تھا' کیونکہ اس نے جب دیکھا کہ بادشاہ

یوسیاہ اور اس کے ارکان حکومت' شریعت موسیٰ کی پیروی کی طرف سختی سے متوجہ ہیں تو اس نے زبانی اور غیر مدون روایات سے جنہیں احبار ایک دوسرے سے نقل کرتے آرہے تھے' یا جو اسے لوگوں کی زبانی معلوم ہوئیں خواہ وہ سچی رہی ہوں یا جھوٹی' ان سے یہ کتاب ترتیب دیدی۔ وہ سترہ برس اس کی جمع اور تالیف میں لگا رہا اور جب اس کی ترتیب مکمل کر چکا تو اسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف منسوب کر دیا اور یہ دعویٰ کر دیا کہ اسے یہ کتاب ہیکل میں ملی ہے۔ یاد رہے کہ ملت کو رائج کرنے کے لئے اس طرح کا افتراء اور جھوٹ متاخر یہودیوں اور قدیم عیسائیوں کے یہاں دینی مستحبات میں سے رہا ہے۔

پھر خلقیاہ نے جو کچھ کیا اس سے قطع نظر' یہ کتاب شریعت' جو اس نے بادشاہ یوسیاہ کو اس کی حکمرانی کے اٹھارہویں سال ۶۲۰ ق م میں سونپی تھی' اس پر اس کی زندگی بھر' یعنی تیرہ برس تک عمل ہوتا رہا' لیکن ۶۰۸ ق م میں جیسے ہی یوسیاہ کی وفات ہوئی اور اس کا بیٹا یہو آخز تخت سلطنت پر بیٹھا' مرتد ہو گیا اور اس نے سلطنت میں کفر پھیلایا' چنانچہ اللہ نے اس پر نکوہ بادشاہ مصر کو مسلط کیا اور اس نے اسے قید کر کے اس کے بھائی یہویقیم بن یوسیاہ کو اس کی جگہ بٹھایا' مگر وہ بھی اپنے بھائی کی طرح مرتد اور بت پرست تھا' پھر اس کے مرنے پر اس کا بیٹا یہویاکین بن یہویقیم تخت نشین ہوا' اور وہ بھی اپنے باپ اور چچا کی طرح مرتد اور بت پرست تھا' اس پر اللہ تعالیٰ نے بخت نصر (نبوکد نضر) شاہ بابل کو مسلط کیا' اس نے یہویاکین کو بنی اسرائیل کے ایک جم غفیر کے ساتھ قید کیا' ہیکل' بیت المقدس اور شاہی خزانہ لوٹا اور یہویاکین کی جگہ تخت سلطنت پر اس کے چچا صدقیاہ بن یوسیاہ کو بٹھا دیا' یہ بھی اپنے دونوں بھائیوں کی طرح مرتد اور بت پرست تھا' اس نے گیارہ سال حکومت کی اور اس دوران بخت نصر کے سامنے ذلیل و خوار رہا۔ ۵۸۷ ق م میں بخت نصر پھر آیا اور اب کی بار صدقیاہ کو پکڑ کر اس کی آنکھوں کے سامنے اس کے بیٹوں کو قتل کیا'

پھر اس کی آنکھیں نکال کر اسے بیڑیوں میں جکڑ دیا اور بقیہ بنی اسرائیل کے ساتھ قیدی بنا کر بابل بھیج دیا' ہیکل میں' بادشاہ کے گھروں میں اور بیت المقدس کے تمام گھروں میں آگ لگادی' اسے مکمل طور پر تاراج کر دیا' اس کی شہر پناہ ڈھادی اور یہوداہ کی سلطنت کا ۵۸۷ ق م میں مکمل طور پر خاتمہ کر دیا' یعنی آشوری حکمراں سرجون دوم کے ہاتھوں مملکت اسرائیل کے خاتمے کے ۱۳۵ برس بعد۔

حاصل کلام یہ کہ یہود میں توریت کا تواتر یوسیاہ کے زمانے (۶۳۸-۶۰۸ ق م) سے پہلے منقطع تھا' یوسیاہ کے عہد میں جو کتاب پائی گئی وہ قابل اعتماد نہیں اور اس سے تواتر بھی ثابت نہیں ہوتا' پھر اس پر عمل بھی صرف تیرہ برس تک ہوا' اس کے بعد وہ بھی ناپید ہوگئی اور اس کا بھی حال معلوم نہ ہو سکا۔ ظاہر یہی ہے کہ جب یوسیاہ کی اولاد میں کفر و ارتداد اور بت پرستی پلٹ آئی تو بخت نصر کے حادثے سے پہلے ہی یہ کتاب ناپید ہو گئی تھی' لیکن اگر فرض بھی کر لیا جائے کہ اس سے پہلے تک باقی تھی تو بہر حال بخت نصر کے اس حادثے میں اس کا ناپید ہو جانا قطعی ہے' کیونکہ عہد قدیم کی وہ ساری کتابیں جو اس حادثے سے پہلے تک تصنیف ہو چکی تھیں وہ اس حادثہ میں صفحہ عالم سے بالکل معدوم ہو گئیں' اور یہ بات اہل کتاب کے نزدیک بھی مسلم ہے' اسی لئے وہ یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ عزرا نے عہد قدیم کی کتابیں بابل میں دوبارہ لکھیں۔

بائبل ڈکشنری کے مصنفین نے ذکر کیا ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ بیشتر مقدس کتابیں ارتداد اور ظلم کے دور میں ضائع یا مفقود ہو گئیں' بالخصوص منسی کے (۵۵ سالہ) طویل دور حکومت (۶۹۳ تا ۶۳۹ ق م) کے دوران۔ انہوں نے اس بات کو بھی ترجیح دی ہے کہ توریت کا جو نسخہ خلقیاہ کو ملا تھا ہیکل کی ناپاکی کے وقت اس کے ساتھ بھی تماشا ہو گیا۔

۲- پھر ان لوگوں کے بقول جب عزرا نے دوبارہ عہد قدیم کی کتابیں لکھیں تو ایک

دوسرا خوفناک واقعہ پیش آگیا' جس کا ذکر کتاب مکابیین اول' تاریخ یوسیفوس اور دوسری کتابوں میں آیا ہے۔ وہ حادثہ یہ ہے کہ جب انطیوخس چہارم (انٹیوکس' ابیفانس) نے یروشیلم فتح کیا تو چاہا کہ یہودی دین کو مٹا ڈالے' لہٰذا اس نے کتب عہد قدیم کے سارے نسخوں کو جو کہیں سے بھی اسے ہاتھ لگے پھاڑ کر جلا دیا اور حکم دیا کہ جس کسی کے پاس کتب عہد قدیم کا کوئی بھی نسخہ ہو یا جو کوئی رسم شریعت ادا کرے اسے قتل کر دیا جائے۔ ساڑھے تین برس تک ہر مہینے وہ یہ کام کرتا رہا' یہ حادثہ ۱۶۱ ق م کا ہے۔ اس کے نتیجے میں بہت سارے یہود قتل کئے گئے اور عزرا کے لکھے ہوئے سارے نسخے معدوم کر دیئے گئے۔ اسی لئے جان ملز کہتا ہے کہ اہل علم کا اتفاق ہے کہ توریت کا نسخہ اور عہد قدیم کے نسخے بختنصر کی فوج کے ہاتھوں ضائع ہو گئے' اور جب عزرا کے ہاتھوں اس کی نقول ظاہر ہوئیں تو یہ نقلیں بھی انٹیوکس کے حادثہ میں ضائع ہو گئیں۔ انٹیوکس کے حادثہ کے بعد یہود کو مزید حادثے پیش آئے جن میں عزرا کی نقلیں اور بے شمار نسخے ضائع ہو گئے' انہی میں سے رومی حکمران ٹائیٹس کا حادثہ ہے جو ۷۰ء میں آیا' یہ حادثہ یوسیفوس کی تاریخ اور دوسری تاریخوں میں تفصیل سے لکھا ہوا ہے' ٹائیٹس نے اس واقعہ میں قدس اور اس کی اطراف کے گیارہ لاکھ یہود کو تلوار' سولی' آگ اور بھوک سے مار ڈالا' اور ستانوے ہزار کو گرفتار کر کے مختلف ممالک میں بیچ دیا' اور بہت بڑی جمعیت کو فلسطین اور سوریا کی سرزمین کے اطراف میں ہلاک کر دیا۔ لہٰذا اگر انٹیوکس کی آتش زنی سے عہد قدیم کی کوئی کتاب بچ بھی گئی رہی ہو تو یہ بات یقینی ہے کہ اس حادثے میں اسے جلا دیا گیا یا نیست و نابود کر دیا گیا (دیکھئے فصل دوم' توریت کا حال : نمبر ۱)

۳- قدیم عیسائی عہد قدیم کا عبرانی نسخہ نہیں مانتے تھے' ان کا عقیدہ تھا کہ اس میں تحریف ہوئی ہے' چنانچہ وہ دوسری صدی عیسوی کے آخر تک یونانی ترجمہ استعمال کرتے رہے' اور یہودی عبادت گاہوں میں بھی پہلی صدی عیسوی کے خاتمے تک یونانی ترجمہ

استعمال ہوتا رہا' دونوں طرف عبرانی نسخے بہت کم تھے' پھر یہود نے محفل شوری کے حکم سے وہ نسخے ناپید کر دیئے جو ساتویں اور آٹھویں صدی عیسوی میں لکھے گئے تھے' کیونکہ وہ ان کے معتمد نسخوں سے بہت زیادہ مختلف تھے' اسی لئے مصححین کے ہاتھوں تک ان دونوں صدیوں کا لکھا ہوا کوئی نسخہ نہ پہنچ سکا' لہٰذا جب انہوں نے اپنے نسخوں کے مخالف نسخوں کو نیست و نابود کر دیا اور اپنی پسند کے نسخے باقی رکھے تو ان کے لئے تحریف کی وسیع گنجائش نکل آئی۔

۴- عیسائیوں پر پہلی تین صدیوں میں جو حوادث گذرے وہ ان کے نزدیک نسخوں کی کمی اور ان میں تحریف کی سہولت کا سبب بنے' کیونکہ ان کی تاریخ بتلاتی ہے کہ وہ ان تین صدیوں کے دوران مختلف قسم کی آزمائشوں اور مصیبتوں سے دوچار رہے' ان پر زبردست مظالم ہوئے جو صحیح انجیل اور ان کی باقی کتابوں کے ضائع ہونے کے لئے کافی تھے' ان آزمائشوں میں حسب ذیل دس مظالم زیادہ نمایاں ہیں :

پہلا : شاہ نیرون ۶۴ء کے عہد میں' یہ شخص ظلم و سنگ دلی کے لئے مشہور تھا' یہاں تک کہ اس نے شہر روم کو جلا دیا' پھر اس کی ذمہ داری عیسائیوں پر ڈال کر انہیں سختی سے کچلا' اس کے نزدیک عیسائیت کا اقرار جرم عظیم تھا' چنانچہ اس نے پطرس' اس کی بیوی اور بہت سارے لوگوں کو قتل کر دیا' یہ قتل دارالحکومت اور سارے صوبوں میں اس بادشاہ کی زندگی کے آخر یعنی ۶۸ء تک جاری رہا۔

دوسرا : شاہ ڈومشیان (ڈومیٹیانوس) کے عہد میں' جو ۸۱ء میں روم کا امپائر ہوا (یہ اس ٹائیٹس کا بھائی تھا جس ۷۰ء میں یہود کا قتل عام کیا تھا) یہ طاغوت و جبار تھا اور نیرون کی طرح عیسائیوں کا دشمن تھا' چنانچہ اس نے یوحنا حواری کو جلاوطن کر دیا اور قتل عام کا حکم دیا اور بڑے لوگوں کے قتل اور ان کے اموال کی ضبطی میں حد سے تجاوز کر گیا'

عیسائیوں کو عبرتناک سزائیں دیں جو اس کے پچھلوں پر بازی لے گئیں' قریب تھا کہ یہ عیسائیت کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکتا' لیکن ابھی یہی حالات چل رہے تھے کہ ۹۶ء میں اسے قتل کر دیا گیا۔

تیسرا: شاہ تراجان (ٹرایانوس) کے عہد میں' یہ ۹۸ء میں روم کا امپائر ہوا اور ۱۰۱ء میں عیسائیوں کے خلاف سنگین مظالم شروع کیے' جو ۱۰۸ء میں نہایت شدت اختیار کر گئے' جب اس نے یہ حکم صادر کیا کہ ذریت داود کا جو فرد بھی باقی بچا ہوا سے قتل کر دیا جائے' چنانچہ فوجی آفیسروں نے تفتیش شروع کر دی اور ملنے والوں کو قتل کرنا شروع کر دیا' اور یوں بہت سے پادریوں کو سولی دے کر یا مار مار کر یا سمندر میں ڈبو کر ختم کر ڈالا' اس کی زندگی بھر یہی حال برقرار رہا' یہاں تک کہ ۱۱۷ء میں اسے اچانک موت آ گئی۔

چوتھا: شاہ مرقس انٹیونینس (انٹیو نینوس مارکوس) کے عہد میں' یہ ۱۶۱ء میں روم کا امپائر ہوا' رواقی فلسفی اور متعصب بت پرست تھا' اس نے ۱۶۱ء میں عیسائیوں پر ظلم شروع کیا جو بیس برس سے زائد عرصہ تک جاری رہا' یہاں تک کہ یہ قتل مشرق و مغرب تک جا پھیلا' یہ شخص پادریوں سے کہتا تھا کہ وہ بتوں کے مہنتوں کے ساتھ رہیں' اور جو کوئی انکار کرتا اسے لوہے کی کرسی پر بٹھا کر' جس کے نیچے آگ ہوتی' لوہے کے زنبوروں سے اس کا گوشت نوچ ڈالتا۔

پانچواں: شاہ سیویروس کے عہد میں' جو ۱۹۳ء میں روم کا امپائر ہوا' اس نے ۲۰۲ء میں عیسائیوں پر ظلم کا آغاز کیا' چنانچہ ہر طرف قتل کا حکم جاری کیا' یہ قتل مصر' قرطاجہ اور فرانس میں بڑے پیمانے پر ہوا' جہاں ہزاروں افراد نہایت سختی سے قتل کیے گئے' یہاں تک کہ عیسائیوں نے سمجھا کہ یہی زمانہ دجال کا زمانہ ہے۔

چھٹا: شاہ میکسمن (ماکسیمینیوس) کے عہد میں' جو ۲۳۵ء میں روم کا امپائر ہوا' اس نے

بت پرستی کی رسوم زندہ کیں اور ۲۳۷ء میں عیسائیوں پر ظلم شروع کرتے ہوئے حکم دیا کہ سارے علماء قتل کر دیئے جائیں' اس کا خیال تھا کہ جب علماء قتل کر دیئے جائیں گے تو عوام انتہائی سہولت سے اس کے فرمانبردار ہو جائیں گے۔ اس کے بعد اس نے حکم دیا کہ ہر عیسائی کو کسی تحقیق اور مقدمے کے بغیر قتل کر دیا جائے' چنانچہ بہت سی دفعہ ان کے پچاس پچاس' ساٹھ ساٹھ مقتول بیک وقت ایک ہی کنویں میں پھینکے جاتے تھے۔ اس کے بعد اس نے روم کے سارے باشندوں کو قتل کرنے کا ارادہ کیا' لیکن خود اسی کے ایک فوجی نے ۲۳۸ء میں اس کا کام تمام کر دیا۔

ساتواں : شاہ دی شس (ڈنیس) کے عہد میں' جس نے عیسائیوں پر ظلم کا آغاز ۲۵۳ء میں کیا' اس بادشاہ کا ارادہ تھا کہ عیسائیت کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکے' چنانچہ اس نے صوبائی حکمرانوں کے نام اس کے احکامات جاری کئے اور ان حکمرانوں نے اس کے احکامات پوری سنگ دلی سے نافذ کئے' اور ہر جگہ عیسائیوں کو ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر سخت سزائیں دے دے کر قتل کیا۔ اس کا ظلم و قہر مصر' افریقہ' اٹلی' مشرق (ایشیائے کوچک اور ملک شام) میں نہایت سخت تھا' یہاں تک کہ اس کے دور میں بہت سے لوگ عیسائیت سے مرتد ہو کر بت پرست ہو گئے۔

آٹھواں : شاہ والریان (والریانوس) کے عہد میں' جس نے عیسائیوں پر اپنے ظلم کا آغاز ۲۵۷ء میں کیا' جب اس نے سخت حکم صادر کیا کہ سارے پادری اور دین کے خادم قتل کر دئے جائیں' باعزت لوگوں کو ذلیل کیا جائے' ان کے اموال ضبط کر لئے جائیں' ان کی عورتوں کے زیور چھین لئے جائیں' انہیں جلا وطن کر دیا جائے' اور اس کے بعد بھی جو عیسائی باقی رہے اور جو "بیڑ" دیوتا کے لئے قربانی پیش کرنے سے انکار کرے اسے قتل کر دیا جائے' یا جلا دیا جائے' یا چیتوں کے سامنے ڈال دیا جائے' جو اسے پھاڑ کھائیں۔ چنانچہ

کئی ہزار آدمی قتل کئے گئے اور باقی لوگوں کو بیڑیوں میں جکڑ کر غلام بنالیا گیا' تاکہ انہیں حکومت کے کاموں میں استعمال کیا جائے۔

نواں : شاہ ارلیین کے عہد میں' جس نے ۲۷۴ء میں عیسائیوں کے خلاف سخت احکامات دے کر اپنے ظلم کا آغاز کیا' لیکن اس کے عہد میں زیادہ آدمی قتل نہ ہوئے' کیونکہ یہ خود قتل کر دیا گیا۔

دسواں : دیو کلیمنس (دقلایانوس) کے عہد میں' جو ۲۸۴ء میں روم کا امپائر ہوا' اس نے ۲۸۶ء میں ۶۶۰۰ عیسائیوں کو قتل کر کے اپنے ظلم کا آغاز کیا' جو ۳۰۲ء تک چوٹی کو پہنچ گیا اور ۳۱۳ء تک جاری رہا۔ ۳۰۲ء میں اس نے پورے شہر فریجیا کو اس طرح یکبارگی جلا دیا کہ اس میں کوئی عیسائی باقی نہ بچا۔ اس بادشاہ نے چاہا کہ کتب مقدسہ کو وجود سے مٹا ڈالے اور اس کے لئے زبردست کوشش کی' چنانچہ مارچ ۳۰۳ء میں حکم جاری کیا کہ سارے کلیسے ڈھادئے جائیں' کتابیں جلادی جائیں اور عیسائیوں کو عبادت کے لئے اکٹھا نہ ہونے دیا جائے۔ حکمرانوں نے اس کا یہ حکم نہایت سختی سے نافذ کیا' چنانچہ ہر جگہ کلیسے ڈھادئے گئے اور نہایت جانفشانی سے جو کتاب بھی مل سکی اسے جلادیا گیا' اور جس کے بارے میں بھی یہ گمان ہوا کہ اس نے کوئی کتاب چھپا رکھی ہے اسے سخت سزا دی گئی' اور عیسائیوں کو عبادت کے لئے اکٹھا ہونے سے باز آنا پڑا۔ یوسی بیس کہتا ہے کہ اس نے کلیسوں کو ڈھانے اور بازاروں کے اندر کتب مقدسہ کو جلانے کا منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔

اس بادشاہ نے مصر کے اپنے گورنر کو حکم دیا کہ وہ قبطیوں کو بتوں کی پوجا پر مجبور کرے اور جو بھی انکار کرے اسے تلوار سے ذبح کردے۔ چنانچہ ان کے آٹھ لاکھ آدمی قتل کئے گئے اور اس کے عہد کو عہد شہداء کا نام دے دیا گیا' وہ روزانہ عیسائیوں کے تیس سے اسی

(۳۰ سے ۸۰) آدمی تک قتل کرتا تھا۔

عیسائیوں پر اس کا ظلم دس برس تک جاری رہا' یہاں تک کہ مشرق و مغرب کی زمین قتل سے بھر گئی۔ یہ ظلم سابقہ تمام مظالم سے زیادہ سنگین اور لمبا عرصہ رہا۔

یہ عظیم حادثات اور سنگین مصائب جنہیں وہ اپنی تواریخ میں لکھتے ہیں ایسے نہیں ہیں کہ ان کے ہوتے ہوئے نسخوں کی کثرت اور مشرق و مغرب میں ان کے پھیلنے کا تصور کیا جاسکے' بلکہ ان حالات میں تو جو نسخے ان کے سامنے موجود تھے ان کی محافظت اور تصحیح و تحقیق کے امکان کا بھی تصور نہیں کیا جاسکتا' کیونکہ اس طرح کے حادثات میں صحیح نسخے ضائع ہو جاتے ہیں اور تحریف کرنے والوں کو اپنی خواہشات کے مطابق تحریف کرنے کی بڑی گنجائش مل جاتی ہے۔

مذکورہ حوادث اور دوسری وجوہات سے عہد قدیم و جدید (بائبل) کی متصل سندیں ناپید ہو گئیں' اور اب ان دونوں عہد (بائبل) کے نام سے جو کتابیں موجود ہیں وہ جعلی اور گھڑی ہوئی ہیں' چنانچہ یہود و نصاریٰ کے پاس ان کی کسی کتاب کی متصل سند نہیں پائی جاتی۔ شیخ رحمت اللہ نے پادری فنڈر اور فرنچ کو اپنے مناظرے کے دوران چیلنج کیا تھا کہ وہ اپنی کتابوں میں سے کسی بھی کتاب کی متصل سند پیش کر دیں' مگر ان دونوں نے یہ معذرت کر دی کہ عیسائیوں پر تین سو تیرہ برس (۳۱۳ء) تک جو مصائب و فتن ٹوٹتے رہے ان کی وجہ سے سند ناپید ہو گئی۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کے ہاتھوں میں جو نسخے موجود ہیں ان کے متعلق کوئی قطعی دلیل نہیں کہ وہ کس معین صدی میں لکھے گئے۔ ان کتابوں کے آخر میں یہ نہیں لکھا ہوا ہے کہ ان کا کاتب فلاں معین سن میں ان کی کتابت سے فارغ ہوا' جیسا کہ عموماً اسلامی کتابوں کے آخر میں لکھا ہوتا ہے۔ چنانچہ اہل کتاب محض اٹکل پچو بات کرتے ہیں'

اور بعض قرائن سے جو گمان پیدا ہوتا ہے اس کی بنیاد پر کہتے ہیں کہ شاید یہ فلاں یا فلاں صدی میں لکھی گئی' اور محض ظن و تخمین مخالف کے سامنے دلیل نہیں بن سکتا۔

اور ہم مسلمان یہ نہیں کہتے کہ اہل کتاب کی کتابوں میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے تحریف نہیں ہوئی تھی صرف آپ کے بعد تحریف ہوئی' بلکہ اس پر سارے مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ اہل کتاب کی کتابوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے بھی تحریف ہوئی اور ان کی سندیں لاپتہ ہو گئیں' اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی بہت سے مقامات پر تحریف ہوئی۔ اور نسخوں کی کثرت تحریف کے رد میں مفید نہیں' بلکہ بہت سے پرانے نسخوں کا وجود تحریف کے دعویٰ کے لئے مفید ہے' کیونکہ ان نسخوں کا جعلی اور جھوٹی کتابوں پر مشتمل ہونا اور باہم ایک دوسرے سے سخت مختلف ہونا اس بات کی زبردست دلیل ہے کہ ان کے اسلاف نے اپنی مقدس کتابوں میں تحریف کی تھی' بہر حال قدیم ہونے سے صحیح ہونا لازم نہیں آتا۔

ان بیانات سے - الحمد للہ - ثابت ہوتا ہے کہ اہل کتاب کی کتابوں میں ہر قسم کی تحریف واقع ہوئی ہے' اور ان کے پاس ان میں سے کسی بھی کتاب کی متصل سند نہیں ہے' اور یہ لوگ جو کچھ کہتے ہیں ظن و تخمین سے کہتے ہیں' اور یہ معلوم ہے کہ حق کے مقابل میں ظن کچھ کام نہیں آتا۔

فصل چہارم

عہد قدیم وجدید (بائبل) کی کتابوں میں وقوع نسخ کا اثبات

نسخ (نَسَخَ یَنْسَخ نسخًا) کا مصدر ہے' لغت میں یہ دو معنوں کے لئے آتا ہے :

۱- باطل اور زائل کرنا' کہتے ہیں : (نسختِ الشمس الظل) سورج نے سائے کو مٹا دیا (نسختِ الریح الأثر) ہوا نے نشان مٹادیا' (نسخ الحاکم الحکم) حاکم نے حکم ختم کر دیا۔

اسی سے سورۃ البقرہ' آیت ۱۰۶ میں اللہ کا یہ ارشاد ہے :

﴿ مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰیَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَیْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا ﴾

ہم جو آیت منسوخ کر دیتے ہیں (یعنی اس کا حکم ختم کر دیتے ہیں) یا اسے بھلوا دیتے ہیں اس سے بہتر لاتے ہیں یا اسی جیسی لاتے ہیں۔

اور سورۃ الحج' آیت ۵۲ میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے :

﴿ فَیَنْسَخُ اللّٰهُ مَا یُلْقِی الشَّیْطٰنُ ثُمَّ یُحْكِمُ اللّٰهُ اٰیٰتِهٖ ﴾

پھر جو کچھ شیطان نے ڈالا ہوتا ہے اللہ اسے منسوخ کر دیتا (میٹ دیتا) ہے۔ پھر اپنی آیتوں کو محکم کرتا ہے۔

یہاں منسوخ کرنے کا معنی یہ ہے کہ اسے ختم اور باطل کر دیتا ہے اور اس کا کوئی اثر باقی نہیں رہنے دیتا۔

۲- دوسرا معنی ہے نقل کرنا اور پلٹنا' کہا جاتا ہے (نَسخَ الکِتابَ) کتاب کو نقل کیا اور حرف بہ حرف لکھا' اور (نسخت النحل العسل) شہد کی مکھی نے شہد کو پلٹ دیا' یعنی ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کر دیا۔ اسی سے سورۃ الجاثیہ' آیت ۲۹ میں اللہ تعالیٰ کا یہ

ارشاد ہے :

﴿ إِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴾

ہم نقل کرواتے رہتے تھے جو کچھ کہ تم کرتے تھے۔

اسلامی اصطلاح میں نسخ کا معنیٰ یہ ہے کہ کسی عملی حکم کی مدت انتہاء کو بیان کرنا' جو عمل کہ معلوم شروط کا جامع ہو۔ اس کی تعریف اس طرح بھی کی جاتی ہے کہ ایک حکم شرعی کو بعد کی دلیل شرعی کی وجہ سے اٹھا دینا۔

یہ نسخ ہم مسلمانوں کے نزدیک قصوں اور خبروں پر طاری نہیں ہو سکتا اور نہ عقلی امور پر طاری ہو سکتا ہے' مثلاً یہ بات کہ اللہ موجود ہے اور وہ ایک ہے' اور نہ عقائد پر طاری ہو سکتا ہے' مثلاً ایمان کا وجوب' کفر و شرک کی حرمت' اور نہ ابدی احکام پر طاری ہو سکتا ہے' مثلاً سورۃ النور آیت ۴ میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے :

﴿ وَلَا تَقْبَلُوا لَهُمْ شَهَادَةً أَبَدًا ﴾

ان (قذف کے کوڑے کھائے ہوئے) لوگوں کی گواہی کبھی بھی قبول نہ کرو۔

یہ نسخ وقتی احکام پر بھی وقت معین سے پہلے طاری نہیں ہو سکتا' اور نہ دعاؤں ہی پر طاری ہو سکتا ہے' یہ صرف ان عملی احکام پر طاری ہوتا ہے جو وجود و عدم دونوں کا احتمال رکھتے ہوں اور دائمی یا وقتی نہ ہوں' ان کو احکام مطلق کہا جاتا ہے۔

مسلمان اپنے اصطلاحی نسخ سے وہ معنی مراد نہیں لیتے جسے یہود مراد لیتے ہیں' جو اللہ تعالیٰ پر بداء - رائے کی تبدیلی - جائز قرار دیتے ہیں۔ بداء کا معنی یہ ہے کہ ایک چیز پوشیدہ رہنے کے بعد ظاہر ہو جائے' مطلب یہ ہے کہ اللہ کسی بات کا حکم دے یا کسی چیز سے منع کرے' اور اسے اس حکم یا ممانعت کا انجام معلوم نہ ہو' پھر اس کے سامنے ایک رائے ظاہر ہو (یعنی بعد میں اسے پتہ چلے کہ وہ حکم یا وہ ممانعت ٹھیک نہیں تھی) اس لئے وہ پہلے حکم کو

منسوخ کردے۔اس میں اللہ پر جہل لازم آتا ہے (لہٰذا ایسے فاسد عقیدے سے اللہ کی پناہ' اللہ ایسی خامیوں سے بہت بلند و برتر ہے) اس کے برعکس مسلمانوں کے نزدیک مصطلح نسخ کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جانتا تھا کہ اس امر یا نہی کا حکم مکلفین پر فلاں معین وقت تک۔جو اللہ کے علم میں ہے۔باقی رہے گا' پھر اللہ اس کو منسوخ کردے گا' یعنی جب وقت معین۔جو اللہ کے علم میں ہے۔آجائے گا تو اللہ مکلفین کو ایک دوسرا حکم دے گا' جس سے مکلفین کے لئے پہلے حکم پر زیادتی یا کمی ظاہر ہو گی' یا اس کا پورے طور پر اٹھ جانا ظاہر ہو گا۔ لہٰذا یہ دوسرا حکم درحقیقت پہلے حکم پر عمل کی انتہاء کا بیان ہے' لیکن ہم مکلفین چونکہ دوسرا حکم نہیں جانتے تھے اور نہ اس کے وارد ہونے کا وقت جانتے تھے' اور چونکہ پہلا حکم بظاہر وقتی نہیں تھا اور ہم اسے دائمی سمجھ رہے تھے' اس لئے ہم دوسرا حکم آنے پر اپنے قصور علم کی وجہ سے یہ سمجھتے ہیں کہ یہ پہلے حکم کی تبدیلی اور تغییر ہے۔ لیکن یہ اللہ کی بہ نسبت تبدیلی اور تغییر نہیں ہے' بلکہ پہلے حکم پر عمل کی انتہاء کا بیان ہے' اور اس میں بندوں کے لئے بہت سی حکمتیں اور مصلحتیں ہیں جنہیں اللہ جانتا ہے' خواہ وہ ہمارے لئے ظاہر ہوں یا نہ ہوں' کیونکہ سارے احکام جو اللہ اپنے بندوں کے لئے مشروع کرتا ہے اس میں ان کی مصلحت ہوتی ہے' یا تو کسی منفعت کے حصول اور اس کی تکمیل کی صورت میں' یا کسی مفسدہ کے دفعیہ اور اس کو کم کرنے کی صورت میں' اور حکمتیں اور مصلحتیں مکلفین کے حالات اور زمان و مکان کے پیش نظر ہوا کرتی ہیں اور اسے اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔ اسی لئے احکام کو منسوخ کرنا صرف اللہ کا حق ہے' اور بداء اس قبیل سے نہیں ہے' یہ اللہ سبحانہ کے حق میں ممتنع ہے' کیونکہ اللہ کا علم ازلی اور ابدی ہے' وہ اشیاء کو ان کے وقوع کے پہلے سے جانتا ہے' البتہ ہم انسانوں کے حق میں بداء درست ہے۔

نسخ کا جو اصطلاحی معنی ہم مسلمانوں کے نزدیک ہے اسے بیان کر لینے کے بعد ہم کہتے ہیں کہ عہد قدیم و جدید میں جو قصے موجود ہیں ان میں سے کوئی بھی قصہ ایسا نہیں ہے جو

ہمارے نزدیک منسوخ ہو' البتہ بعض قصے قطعاً جھوٹ ہیں' مثلاً :

۱- لوط علیہ السلام نے اپنی دونوں بیٹیوں سے زنا کیا اور اس زنا سے وہ دونوں حاملہ ہوئیں (کتاب پیدائش' باب ۱۹' فقرہ ۳۰ تا ۳۸)

۲- یہوداہ بن یعقوب علیہ السلام نے اپنی بہو (بیٹے کی بیوی) تمر سے زنا کیا اور اسے اس زنا سے دو جڑواں بچوں فارص اور زارح کا حمل ٹھہرا (کتاب پیدائش' باب ۳۸' فقرہ ۱۲ تا ۳۰) اور انبیاء داود' سلیمان اور عیسیٰ علیہم السلام ایک حرامی یعنی فارص کی نسل سے تھے (انجیل متی باب ۱' فقرہ ۳ تا ۱۶)

۳- داود علیہ السلام نے اوریاہ کی بیوی سے زنا کیا اور اس زنا سے وہ حاملہ ہوئی' پھر انہوں نے اس کے شوہر کو حیلہ سے ہلاک کروا کر اس کی بیوی کو اپنی بیوی بنا لیا (کتاب سموئیل دوم' باب ۱۱' فقرہ ۲ تا ۲۷)

۴- سلیمان علیہ السلام آخر عمر میں مرتد ہو گئے' بتوں کی پوجا کی اور ان کے لئے بت خانے بنوائے (کتاب سلاطین اول' باب ۱۱' فقرہ ۱ تا ۱۳)

۵- ہارون علیہ السلام نے بنی اسرائیل کے لئے بچھڑا بنایا اور اس کی پوجا کی اور بنی اسرائیل کو بھی اس کی پوجا کا حکم دیا (کتاب خروج' باب ۳۲' فقرہ ۱ تا ۶)

ان قصوں اور ان جیسے دوسرے قصوں کے بارے میں ہم کہتے ہیں کہ یہ سب جھوٹے' اللہ کے نبیوں پر گھڑے ہوئے اور یقینی طور سے باطل ہیں' ہم یہ نہیں کہتے کہ یہ منسوخ ہیں۔

ہمارے نزدیک نسخ کا جو مذکورہ اصطلاحی معنی ہے اس کی رو سے زبور' توریت کی ناسخ نہیں ہے' اور انجیل سے منسوخ بھی نہیں ہے' کیونکہ زبور دعاؤں کا مجموعہ ہے اور دعائیں منسوخ نہیں ہوتیں' اور ہمیں جو زبور اور عہد قدیم و جدید (بائبل) کی دوسری کتابوں کے

استعمال سے منع کیا گیا ہے تو محض اس لئے کہ یہ سب کی سب یقیناً مشکوک ہیں' ان کی متصل سند نہیں ہے اور ان میں تمام قسم کی لفظی تحریف واقع ہونا ثابت ہے۔

رہے مطلق احکام جو نسخ کے لائق ہوتے ہیں تو ہمیں اعتراف ہے کہ توریت کے ایسے بعض احکام نسخ کے لائق ہیں اور شریعت اسلامیہ نے ان میں سے بعض کو منسوخ بھی کیا ہے' لیکن ہم یہ نہیں کہتے کہ توریت میں جو حکم بھی آیا ہے وہ منسوخ ہے' بلکہ بعض احکام منسوخ نہیں ہیں۔ مثلاً جھوٹی قسم' قتل' زنا' لواطت' چوری' جھوٹی گواہی' پڑوسی کے مال اور آبرو میں خیانت' محرم عورتوں سے نکاح اور والدین کی نافرمانی کی حرمت' ان کاموں کی حرمت اسلامی شریعت میں بھی برقرار ہے' منسوخ نہیں ہوئی ہے۔

پھر کبھی ایسا ہوتا ہے کہ بعد والے نبی کی شریعت کا حکم ناسخ اور پہلے والے نبی کی شریعت کا حکم منسوخ ہوتا ہے' اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ناسخ اور منسوخ دونوں حکم ایک ہی نبی کی شریعت میں ہوتے ہیں' عہد قدیم و جدید سے ان کی مثالیں بے شمار ہیں' نیچے اس بات کی بعض مثالیں دی جارہی ہیں کہ بعد والے نبی کی شریعت میں ناسخ حکم موجود ہے اور پہلے والے نبی کی شریعت میں منسوخ حکم موجود ہے' پھر ان میں سے بعض مثالیں محض الزامی ہوں گی :

۱- آدم علیہ السلام کی شریعت میں بہن سے شادی درست تھی اور ان کی اولاد نے اپنی بہنوں سے شادی بھی کی تھی' لیکن پھر منسوخ ہو کر موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں حرام ہو گئی۔

چنانچہ کتاب احبار' باب ۱۸' فقرہ ۹ میں ہے : "تو اپنی بہن کے بدن کو' چاہے وہ تیرے باپ کی بیٹی ہو' چاہے تیری ماں کی' اور خواہ وہ گھر میں پیدا ہوئی ہو' خواہ اور کہیں' بے پردہ نہ کرنا"۔

اور کتاب احبار' باب ۲۰' فقرہ ۱۷ میں ہے : "اور اگر کوئی مرد اپنی بہن کو جو اس کے باپ کی یا اس کی ماں کی بیٹی ہو' لے کر اس کا بدن دیکھے اور اس کی بہن اس کا بدن دیکھے تو یہ شرم کی بات ہے' وہ دونوں اپنی قوم کے لوگوں کی آنکھوں کے سامنے قتل کئے جائیں' اس نے اپنی بہن کے بدن کو بے پردہ کیا' اس کا گناہ اسی کے سر لگے گا"۔

کتاب استثناء' باب ۲۷' فقرہ ۲۲ میں ہے : "لعنت اس پر جو اپنی بہن سے مباشرت کرے' خواہ وہ اس کے باپ کی بیٹی ہو' خواہ ماں کی"۔

اب اگر آدم علیہ السلام کی شریعت میں بہن سے شادی درست نہ ہوتی تو ان نصوص سے لازم آتا ہے کہ آدم علیہ السلام کی ساری اولاد زانی' واجب القتل اور ملعون ہو۔ اس لئے صحیح بات یہ ہے کہ یہ شادی درست تھی' پھر منسوخ ہو کر موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں حرام ہو گئی۔

۲-نوح علیہ السلام کی شریعت میں تمام حیوانات حلال تھے :

کتاب پیدائش' باب ۹' فقرہ ۳ میں ہے : "ہر چلتا پھرتا جاندار تمہارے کھانے کو ہو گا' ہری سبزی کی طرح میں نے سب کا سب تم کو دے دیا"۔

چنانچہ ترکاریوں کی طرح سارے حیوانات نوح علیہ السلام کی شریعت میں حلال تھے' پھر موسیٰ علیہ السلام کی شریعت نے ان میں سے بعض کی حلت منسوخ کر دی اور وہ حرام ہو گئے' جیسا کہ کتاب احبار' باب ۱۱' فقرہ ۴ تا ۸' اور کتاب استثناء' باب ۱۴' فقرہ ۷' ۸ میں آیا ہے۔ استثناء کے دونوں فقرے یہاں دیئے جا رہے ہیں اور وہ یہ ہیں : "لیکن ان میں سے جو جگالی کرتے ہیں' یا ان کے پاؤں چرے ہوئے ہیں' تم ان کو' یعنی اونٹ اور خرگوش اور سافان کو نہ کھانا' کیونکہ یہ جگالی کرتے ہیں' لیکن ان کے پاؤں چرے ہوئے نہیں ہیں' سو یہ تمہارے لئے ناپاک ہیں' اور سور تمہارے لئے اس سبب سے ناپاک ہے کہ اس کے پاؤں تو

چرے ہوئے ہیں' پر وہ جگالی نہیں کرتا' تم نہ تو ان کا گوشت کھانا اور نہ ان کی لاش کو ہاتھ لگانا"۔

۳-دو بہنوں کو بیک وقت نکاح میں رکھنا یعقوب علیہ السلام کی شریعت میں جائز تھا' خود یعقوب علیہ السلام نے دو بہنوں (لیاہ اور راخل) کو بیک وقت اپنے عقد میں رکھا تھا' جیسا کہ کتاب پیدائش' باب ۲۹' فقرہ ۱۵ تا ۳۵ میں ہے' لیکن موسیٰ علیہ السلام کی شریعت نے اس کی حلت منسوخ کر دی اور دو بہنوں کو بیک وقت نکاح میں رکھنا حرام ہو گیا۔ چنانچہ کتاب احبار' باب ۱۸' فقرہ ۱۸ میں ہے: "تو اپنی سالی سے بیاہ کر کے اسے اپنی بیوی کی سوکن نہ بنانا' تاکہ دوسری کے جیتے جی اس کے بدن کو بھی بے پردہ کرے"۔

پس اگر دو بہنوں کو بیک وقت نکاح میں رکھنا یعقوب علیہ السلام کی شریعت میں جائز نہ ہوتا تو لازم آتا کہ ان کی اولاد حرامی ہوں - والعیاذ باللہ - جبکہ بنو اسرائیل کے بیشتر انبیاء انہی کی اولاد کی نسل سے ہیں۔

۴-مطلقہ عورت سے شادی:

موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں جائز ہے کہ مرد اپنی بیوی کو کسی وجہ سے طلاق دے دے' اور اس کے گھر سے عورت کے نکل جانے کے بعد کسی بھی دوسرے مرد کے لئے جائز ہے کہ اس سے شادی کر لے' جیسا کہ کتاب استثناء' باب ۲۴' فقرہ ۱ تا ۴ میں ہے' لیکن عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں زنا کے علاوہ اور کسی وجہ سے طلاق جائز نہیں' اور پھر اس مطلقہ سے کسی کے لئے شادی کرنا بھی جائز نہیں' بلکہ مطلقہ سے شادی زنا کے درجے میں ہے' چنانچہ انجیل متی' باب ۵' فقرہ ۳۱' ۳۲ میں ہے: "یہ بھی کہا گیا تھا کہ جو کوئی اپنی بیوی کو چھوڑے اسے طلاق نامہ لکھ دے' لیکن میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ جو کوئی اپنی بیوی کو حرام کاری کے سوا کسی اور سبب سے چھوڑ دے وہ اس سے زنا کراتا ہے' اور جو کوئی اس

چھوڑی ہوئی سے بیاہ کرے وہ زنا کرتا ہے"۔

اور انجیل متی' باب ۱۹' فقرہ ۸' ۹ میں فریسیوں کے لئے عیسیٰ السلام کا جواب یوں ہے :
"اس نے ان سے کہا کہ موسیٰ نے تمہاری سخت دلی کے سبب سے تم کو اپنی بیویوں کو چھوڑ دینے کی اجازت دی' مگر ابتداء سے ایسا نہ تھا' اور میں تم سے کہتا ہوں کہ جو کوئی اپنی بیوی کو حرامکاری کے سوا کسی اور سبب سے چھوڑ دے اور دوسری سے بیاہ کرے وہ زنا کرتا ہے' اور جو کوئی چھوڑی ہوئی سے بیاہ کرے وہ بھی زنا کرتا ہے"۔

اس نص سے ثابت ہوا کہ نسخ دو مرتبہ واقع ہوا ہے' یہ بات آٹھویں آیت سے سمجھی جا رہی ہے' یعنی طلاق موسیٰ علیہ السلام سے پہلے حرام تھی' پھر اس کی حرمت منسوخ ہو گئی اور موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں اسے مباح کر دیا گیا' اس کے بعد یہ اباحت منسوخ کر دی گئی اور عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں طلاق پھر حرام ہو گئی' بلکہ زنا کے درجے میں ہو گئی۔

۵- توریت کے سارے احکام کی منسوخی :

موسیٰ علیہ السلام کی توریت میں بنی اسرائیل کی شریعت کے سارے احکام ہیں اور ان کے سارے انبیاء کو اس کے احکام پر عمل کرنے کا حکم ہے' ان احکام میں حرام و حلال حیوانات کے احکام بھی ہیں کہ ان میں سے کیا حلال ہیں اور کیا حرام ہیں۔ عیسیٰ علیہ السلام بھی بنی اسرائیل سے ہیں اور موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کے تابع ہیں' اس کے ناسخ نہیں ہیں' چنانچہ ان کی زبانی انجیل متی' باب ۵' فقرہ ۱۷' ۱۸ میں آیا ہے : "یہ نہ سمجھو کہ میں توریت یا نبیوں کی کتابوں کو منسوخ کرنے آیا ہوں' منسوخ کرنے نہیں بلکہ پورا کرنے آیا ہوں' کیونکہ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جب تک آسمان اور زمین ٹل نہ جائیں ایک نقطہ یا ایک شوشہ توریت سے ہرگز نہ ٹلے گا' جب تک سب کچھ پورا نہ ہو جائے"۔

ڈاکٹر پادری فنڈر نے اپنی کتاب "میزان الحق" ص ۲۴ میں ان دونوں فقروں سے استدلال کیا ہے کہ توریت کے احکام منسوخ نہیں ہو سکتے اور اس نے نفی کی ہے کہ حضرت مسیح نے توریت کا کوئی بھی حکم منسوخ کیا ہو' کیونکہ وہ توریت کو منسوخ کرنے نہیں بلکہ پورا کرنے آئے تھے۔

لیکن توریت کے سارے حرام' پولس کے فتویٰ سے حلال ہو گئے' اس کی شریعت میں ناپاک لوگوں کے علاوہ کسی کے لئے کوئی چیز حرام نہیں' ناپاکوں کے لئے پاک چیزیں بھی نجس ہیں' اور پاک لوگوں کے لئے نجس چیزیں بھی پاک ہیں' یہ عجیب ترین فتویٰ ہے' چنانچہ "رومیوں کے نام پولس کے خط" باب ۱۴' فقرہ ۱۴ میں ہے: "مجھے معلوم ہے' بلکہ خداوند یسوع میں مجھے یقین ہے کہ کوئی چیز بذاتہ حرام نہیں' لیکن جو اس کو حرام سمجھتا ہے اس کے لئے حرام ہے"۔ (۱)

اور "ططس کے نام پولس کے خط" باب ا' فقرہ ۱۵ میں ہے: "پاک لوگوں کے لئے سب چیزیں پاک ہیں' مگر گناہ آلود اور بے ایمان لوگوں کے لئے کچھ بھی پاک نہیں' بلکہ ان کی عقل اور دل دونوں گناہ آلود ہیں"۔ (۲)

ان دونوں عبارتوں سے سمجھا جاتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام سے لے کر عیسیٰ علیہ السلام تک تمام انبیائے بنی اسرائیل اور ان کے پیروکار پاک نہ تھے' اس لئے حرام چیزوں کے لئے یہ کھلی چھوٹ ان کو حاصل نہ ہو سکی اور عیسیٰ علیہ السلام' موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کو منسوخ نہ کر سکے' لیکن چونکہ پولس کے پیروکار پاک تھے اس لئے ساری حرام چیزوں اور نجس خوراک کے لئے ان کو یہ کھلی چھوٹ حاصل ہو گئی اور ان کے لئے ہر چیز

---

(۱) عربی ایڈیشن میں لفظ "حرام" کے بدلے تینوں جگہ لفظ "نجس" ہے (مترجم)

(۲) عربی میں "گناہ آلود" کے بدلے دونوں جگہ لفظ "نجس" کے مشتقات استعمال کئے گئے ہیں (مترجم)

پاک اور حلال ہو گئی اور ان کے سربراہ پولس سے یہ ہو سکا کہ وہ موسیٰ علیہ السلام کی ساری ہی شریعت منسوخ کر دے' چنانچہ اس نے کھلی چھوٹ کا حکم عام کرنے کے لئے اور اپنے پیروکاروں کو یہ اطمینان دلانے کے لئے کہ توریت کے سارے احکام منسوخ ہو چکے ہیں' بڑی جدو جہد کی' اسی لئے وہ " تیمتھیس کے نام اپنے پہلے خط' باب ۴' فقرہ ۱ تا ۷ میں لکھتا ہے : "...... آئندہ زمانوں میں بعض لوگ گمراہ کرنے والی روحوں اور شیاطین کی تعلیم کی طرف متوجہ ہو کر ایمان سے برگشتہ ہو جائیں گے ...... یہ لوگ...... ان کھانوں سے پرہیز کرنے کا حکم دیں گے جنہیں خدا نے اس لئے پیدا کیا ہے کہ ایماندار اور حق کے پہچاننے والے انہیں شکر گذاری کے ساتھ کھائیں' کیونکہ خدا کی پیدا کی ہوئی ہر چیز اچھی ہے اور کوئی چیز انکار کے لائق نہیں' بشرطیکہ شکر گذاری کے ساتھ کھائی جائے' اس لئے کہ خدا کے کلام اور دعا سے پاک ہو جاتی ہے۔

اگر تو بھائیوں کو یہ باتیں یاد دلائے گا تو مسیح یسوع کا اچھا خادم ٹھہرے گا' اور ایمان اور اس اچھی تعلیم کی باتوں سے جس کی تو پیروی کرتا آیا ہے پرورش پاتا رہے گا' لیکن بیہودہ اور بوڑھیوں کی سی کہانیوں سے کناہ کر"۔

۶-اسرائیلی عیدوں اور سبت کی منسوخی :

عیدوں اور سبت کے احکام تفصیل کے ساتھ کتاب احبار' باب ۲۳' فقرہ ۱ تا ۴۴ میں بیان ہوئے ہیں' فقرہ نمبر ۱۴' ۲۱' ۳۱ اور ۴۱ میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ بنی اسرائیل کے اندر نسل در نسل سب سکونت گاہوں میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے یہی آئین رہے گا۔

سبت کی تعظیم موسیٰ کی شریعت میں ایک ایسا ابدی حکم تھا کہ جو شخص اس میں کوئی کام کرے اسے قتل کر دیا جائے۔ سبت کی یہ تعظیم عہد قدیم کی کتابوں کے مختلف مقامات میں مکرر سہ کرر آئی ہے' مثلاً کتاب پیدائش' باب ۲' فقرہ ۲' ۳۔ کتاب خروج' باب ۲۰' فقرہ ۸

تا ۱۱' باب ۲۳' فقرہ ۱۲' باب ۳۴' فقرہ ۲۱۔ کتاب احبار' باب ۱۹' فقرہ ۳' باب ۲۳' فقرہ ۳'۔ کتاب استثناء' باب ۵' فقرہ ۱۲ تا ۱۵۔ کتاب یرمیاہ' باب ۱۷' فقرہ ۱۹ تا ۲۷۔ کتاب یسعیاہ' باب ۵۶' فقرہ ۱ تا ۸' باب ۵۸' فقرہ ۱۳' ۱۴۔ کتاب نحمیاہ' باب ۹' فقرہ ۱۴ اور کتاب حزقی ایل' باب ۲۰' فقرہ ۱۲ تا ۲۴۔

باقی رہا یہ حکم کہ جو شخص سبت کے دن کوئی کام کرے اسے قتل کر دیا جائے تو یہ کتاب خروج' باب ۳۱' فقرہ ۱۲ تا ۱۷ اور باب ۳۵' فقرہ ۱ تا ۳ میں آیا ہے' اور موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں ایک آدمی سبت کے دن لکڑیاں جمع کرتا ہوا ملا تو "ساری جماعت نے اسے لشکر گاہ کے باہر لے جا کر سنگسار کیا اور وہ مر گیا" جیسا کہ کتاب گنتی' باب ۱۵' فقرہ ۳۲ تا ۳۶ میں مذکور ہے۔

مگر پولس نے تعظیم سبت کے حکم سمیت عیدوں کے تمام احکام منسوخ کر دیئے' چنانچہ وہ کلسیوں کے نام اپنے خط' باب ۲' فقرہ ۱۶ میں لکھتا ہے : "پس کھانے پینے یا عید یا نئے چاند یا سبت کی بابت کوئی تم پر الزام نہ لگائے"۔

ڈوالی ورچرڈ مینٹ کی تفسیر میں دو مفسر علماء سے ان کا یہ قول نقل کیا گیا ہے کہ یہود میں تین قسم کی عیدیں تھیں' سال میں سالانہ' مہینے میں ماہانہ اور ہفتے میں ہفتہ وار۔ مگر یہ ساری عیدیں منسوخ ہو گئیں' بلکہ سبت کا دن بھی منسوخ ہو گیا اور عیسائیوں کا سبت اس کا قائم مقام ہو گیا' یعنی سنیچر کے بدلے اتوار کا دن۔

۷۔ ختنے کے حکم کی منسوخی :

ختنے کا حکم ابراہیم علیہ السلام کی شریعت میں ابدی (ہمیشہ ہمیشہ باقی رہنے والا) حکم تھا' جیسا کہ کتاب پیدائش' باب ۱۷' فقرہ ۹ تا ۱۴ میں ہے' میں صرف بعض فقرے نقل کرنے پر اکتفا کرتا ہوں :

" (۱۲) تمہارے ہاں پشت در پشت ہر لڑکے کا ختنہ' جب وہ آٹھ روز کا ہو' کیا جائے۔......(۱۳)......اور میرا عہد تمہارے جسم میں ابدی عہد ہوگا"۔

چنانچہ یہ حکم اسماعیل اور اسحاق علیہما السلام کی اولاد میں مسلسل جاری رہا اور موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں بھی باقی رہا' چنانچہ کتاب احبار' باب ۱۲' فقرہ ۳ میں نر اولاد کے بارے میں ہے: "اور آٹھویں دن لڑکے کا ختنہ کیا جائے"۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بھی ختنہ کیا گیا' چنانچہ انجیل لوقا' باب ۲' فقرہ ۲۱ میں ہے:
"جب آٹھ دن پورے ہوئے اور اس کے ختنہ کا وقت آیا تو اس کا نام یسوع رکھا گیا"۔

عیسائیوں کی عبادت میں اب تک ایک معین نماز ہے جسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ختنے کے دن اسی دن کی یادگار میں ادا کرتے ہیں' ختنے کا یہ حکم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے عہد میں باقی رہا اور انہوں نے اس کو منسوخ نہیں کیا۔

لیکن پولس نے اس حکم کو منسوخ کرنے میں بڑی ہی سختی برتی' جیسا کہ رومیوں کے نام اس کے خط' باب ۲' فقرہ ۲۵ تا ۲۹ سے' گلتیوں کے نام اس کے خط' باب ۲' فقرہ ۳ تا ۵' باب ۵' فقرہ ۱ تا ۶' باب ۶' فقرہ ۱۱ تا ۱۶ سے' فلپیوں کے نام اس کے خط' باب ۳' فقرہ ۳ سے اور کلسیوں کے نام اس کے خط' باب ۲' فقرہ ۱۱ سے ظاہر ہے۔ میں یہاں گلتیوں کے نام اس کے خط کے باب ۵ سے فقرہ ۲ اور ۶ نقل کرتا ہوں:

"(۲) دیکھو میں پولس تم سے کہتا ہوں کہ اگر تم ختنہ کراؤ گے تو مسیح سے تم کو کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ (۶) اور مسیح یسوع میں نہ تو ختنہ کچھ کام کا ہے نہ نامختونی"۔

بہرحال عیسائیوں نے یہ حکم جو ایک ابدی حکم تھا اور جسے عیسیٰ علیہ السلام نے ختم بھی نہیں کیا تھا اسے چھوڑ دیا اور اس بات کی تصدیق کر دی کہ پولس نے یہ حکم ان کے لئے منسوخ کیا ہے۔

۸-پولس کی نظر میں توریت کی قیمت :

عبرانیوں کے نام پولس کے خط' باب ۷' فقرہ ۱۸ میں ہے : "غرض پہلی وصیت کمزور اور بے فائدہ ہونے کے سبب سے باطل ہو گئی"۔

اس فقرے کی عبارت ۱۸۲۵ء اور ۱۸۲۶ء کے ایڈیشنوں میں اس طرح ہے : "غرض جو حکم پہلے گذرا وہ کمزور اور بے فائدہ ہونے کی وجہ سے منسوخی سے دوچار ہوا"۔

اور اسی فقرے کی عبارت ۱۶۷۱ء' ۱۸۲۳ اور ۱۸۴۴ء کے ایڈیشنوں میں یوں ہے : "پہلی وصیت اس لئے رذیل تھی کہ وہ کمزور تھی اور اس میں کوئی فائدہ نہ تھا"۔

یہی فقرہ ۱۸۸۲ء کے ایڈیشن میں اس طرح آیا ہے : "اس لئے ہم پچھلی وصیت کو کمزور اور بے فائدہ ہونے کی وجہ سے رد کرتے ہیں"۔[1]

اسی عبرانیوں کے نام پولس کے خط' باب ۸' فقرہ ۷ اور ۱۳ میں ہے : "(۷) کیونکہ اگر پہلا عہد بے نقص ہوتا تو دوسرے کے لئے موقع نہ ڈھونڈھا جاتا۔ (۱۳) جب اس نے نیا عہد کیا تو پہلے کو پرانا ٹھہرایا اور جو چیز پرانی اور مدت کی ہو جاتی ہے وہ مٹنے کے قریب ہوتی ہے"۔

ان دونوں فقروں کی نص ۱۸۲۳ء اور ۱۸۴۴ء کے ایڈیشنوں میں اس طرح ہے:

"(۷) اگر پہلا بغیر ملامت کے ہوتا تو دوسرے کے لئے موقع نہ ڈھونڈھا جاتا۔ (۱۳) اور جب اس نے نیا عہد کیا تو پہلے کو پرانا ٹھہرایا اور جو چیز پرانی اور مدت کی ہو جاتی ہے وہ فساد کے قریب ہوتی ہے"۔

اور ۱۸۲۵ء اور ۱۸۲۶ء کے ایڈیشنوں میں انہی فقروں کی نص یوں ہے :

---

(۱) اردو کے ہمارے پیش نظر ایڈیشن میں یہ فقرہ اس طرح ہے : "غرض پہلا حکم کمزور اور بے فائدہ ہونے کے سبب سے منسوخ ہو گیا" (مترجم)

"(۷) اگر پہلا عہد بے اعتراض کا ہوتا تو دوسرے کے لئے جگہ نہ پائی جاتی۔(۱۳) اس لئے اس نے نیا عہد کہہ کر پہلے کو پرانا کر دیا' اور جو چیز پرانی اور بوسیدہ ہو وہ فنا کے قریب ہوتی ہے"۔

عبرانیوں کے نام پولس کے خط' باب ۱۰' فقرہ ۹ میں ہے: "پہلے کو موقوف کرتا ہے تاکہ دوسرے کو قائم کرے"۔

اس فقرے کی نص ۱۸۲۵ء اور ۱۸۲۶ء کے ایڈیشنوں میں اس طرح ہے: "میں پہلے کو منسوخ کرتا ہوں تاکہ دوسرا قائم ہو"۔

غرض پچھلے فقروں میں پولس نے توریت کے بارے میں یہ کہا ہے کہ وہ کمزور ہے' بے نفع ہے' رذیل ہے' عیب دار ہے' پرانی ہے' بوڑھی ہو گئی ہے' مٹنے کے قریب ہے' رد کر دی گئی ہے' ملامت کے لائق ہے' فساد کے قریب ہے' اس پر اعتراض ہے' وہ بوسیدہ یا فرسودہ ہے' فنا کے قریب ہے' وہ کھینچ لی گئی ہے' یعنی موقوف ہے اور منسوخ ہے۔

ڈوالی ورچرڈمینٹ کی تفسیر میں بایل کا یہ قول نقل کیا گیا ہے کہ: یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ پرانے اور نقص والے کو نئی اور عمدہ رسالت کے ذریعہ منسوخ کرنا چاہتا ہے' اسی لئے رسوم والے یہودی مذہب کو اٹھا لیا گیا اور عیسائی مذہب اس کی جگہ قائم ہو گیا' اور اس میں یہ نقطہ سمجھایا گیا ہے کہ یہود کے ذبیحے کافی نہیں ہیں' اس لئے مسیح نے خود اپنے اوپر موت برداشت کر لی' تاکہ ان ذبیحوں کے نقص کی تلافی کر دیں' لہٰذا ایک کے فعل سے دوسرے کا استعمال منسوخ ہو گیا۔

سابقہ مثالوں سے حسب ذیل باتیں ظاہر ہوتی ہیں:

۱- سابقہ شریعتوں میں بعض منسوخ احکام اور بعد کی شریعتوں میں بعض ناسخ احکام کا وجود اسلامی شریعت کے ساتھ مخصوص نہیں ہے' بلکہ پہلے کی شریعتوں میں بھی یہ چیز موجود

رہی ہے۔

۲- توریت کے سارے احکام ' چاہے وہ ابدی رہے ہوں یا غیر ابدی ' اور اس کے فرائض اور ساری حرام چیزیں پولس نے منسوخ کر دیں ' جیسا کہ اس کے خطوط میں آیا ہے ' اور اپنے پیروکاروں سے ان کی پابندی ختم کر دی۔

۳- توریت اور اس کے احکام کے تعلق سے لفظ نسخ پولس کے کلام میں بھی موجود ہے اور عیسائی مفسرین و محققین کے کلام میں بھی۔

۴- پولس نے دعویٰ کیا ہے کہ جو چیز پرانی اور بوسیدہ ہو جائے وہ فنا اور فساد کے قریب ہوتی ہے اور کمزور ' بے نفع ' بے فائدہ ' رذیل ' عیب دار ' مٹنے کے قریب ' مردود ' قابل ملامت ' لائق اعتراض ' موقوف اور منسوخ ہوتی ہے ' لہٰذا اس میں کچھ استبعاد نہیں کہ اہل کتاب کی شریعت اسلام کی شریعت سے منسوخ ہو چکی ہو ' بلکہ پولس کے کلام کے مطابق یہ ضروری ہے ' کیونکہ اہل کتاب کی شریعت اسلام کی نئی شریعت کے مقابلہ میں پرانی ہے ' پھر یہ ضروری کیوں نہ ہو ' جبکہ ان کا رسول پولس اور مفسرین توریت کے بارے میں نا مناسب الفاظ استعمال کرتے ہیں ' حالانکہ وہ کہتے ہیں کہ یہ اللہ کا کلام ہے۔

لہٰذا قرآن کے احکام سے توریت و انجیل کے احکام کا منسوخ ہو جانا ایسی بات ہے جس میں کوئی شبہہ نہیں ' اور اس کی نظیریں ہم سے پہلے کے لوگوں میں موجود ہیں ' اور جب توریت و انجیل کے احکام منسوخ ہو گئے تو قرآن کریم پر عمل کرنے سے ان پر عمل کرنا بھی منسوخ ہو گیا۔

ذیل میں ہم اس کی کچھ اور مثالیں دیتے ہیں کہ ایک ہی نبی کی شریعت میں یعنی خود ایک ہی شریعت میں ناسخ اور منسوخ دونوں حکم موجود ہیں ' ان میں سے بعض مثالیں الزامی بھی ہوں گی۔

ا-ذبح کے حکم کی منسوخی :

کتاب پیدائش' باب ۲۲' فقرہ ۱ تا ۱۴ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو اپنے بیٹے اسحاق علیہ السلام (صحیح اسماعیل علیہ السلام ہے) کو ذبح کرنے کا حکم دیا' جب دونوں اس کے لئے تیار ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے اس حکم کو عمل کرنے سے پہلے ہی منسوخ کر دیا اور آسمانی مینڈھے سے ذبیح کا فدیہ دیا۔

۲-حزقی ایل کو حکم دیا گیا' پھر عمل سے پہلے ہی منسوخ کر دیا گیا :

کتاب حزقی ایل' باب ۴' فقرہ ۱۰' ۱۲' ۱۴ اور ۱۵ میں ہے : "(۱۰) اور تیرا کھانا وزن کر کے بیس مثقال روزانہ ہو گا جو تو کھائے گا' تو گاہے گاہے کھانا۔ (۱۲) اور تو جَو کے پھلکے کھانا اور تو ان کی آنکھوں کے سامنے انسان کی نجاست سے ان کو پکانا۔ (۱۴) تب میں نے کہا کہ ہائے خداوند خدا! دیکھ میری جان کبھی ناپاک نہیں ہوئی اور اپنی جوانی سے اب تک کوئی مردار چیز جو آپ ہی سے مر جائے' یا کسی جانور سے پھاڑی جائے میں نے ہرگز نہیں کھائی اور حرام گوشت میرے منہ میں کبھی نہیں گیا۔ (۱۵) تب اس نے مجھے فرمایا : دیکھ میں انسان کی نجاست کے عوض تجھے گوبر دیتا ہوں' سو تو اپنی روٹی اس سے پکانا"۔

یہ عبارت بتاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حزقی ایل کو حکم دیا کہ روٹی انسان کے پاخانے پر پکی ہو' اس پر جب حزقی ایل علیہ السلام نے فریاد کی تو اللہ تعالیٰ نے اس حکم کو عمل کرنے سے پہلے ہی منسوخ کر دیا اور حکم دیا کہ روٹی گائے کے گوبر پر پکی ہو۔

۳-خاص قربان گاہ میں ذبح کرنے کے حکم کی منسوخی :

کتاب احبار' باب ۱۷' فقرہ ۱ تا ۶ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کو حکم دیا کہ گائے یا بھیڑ یا بکری کے ذبیحے اس قربان گاہ میں کریں جو خیمہ اجتماع کے قریب اسی کام کے لئے مختص ہے' اس خیمہ کو قبہ زمان' قبہ عہد اور قبہ شہادت بھی کہا

جاتا ہے' تاکہ یہ ذبیحے خداوند کے لئے قربانی ہوں اور جو انسان اس مخصوص مذبح سے باہر ذبح کرے "وہ اپنے لوگوں میں سے کاٹ ڈالا جائے" یعنی قتل کر دیا جائے۔

پھر یہ حکم کتاب استثناء' باب ۱۲' فقرہ ۱۵ تا ۲۲ میں آئے ہوئے حکم سے منسوخ ہو گیا' چنانچہ ان کے لئے ہر جگہ ذبح کرنا جائز ہو گیا اور مخصوص مذبح کی پابندی نہ رہی۔

کتاب احبار اور کتاب استثناء کے جن فقروں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے ہورن اپنی تفسیر میں انہیں نقل کرنے کے بعد کہتا ہے: "ان دونوں مقامات میں بظاہر ٹکراؤ ہے' لیکن جب یہ ملحوظ رکھا جائے کہ موسیٰ علیہ السلام کی شریعت' بنی اسرائیل کے حالات کے مطابق کم و بیش ہوتی رہتی تھی اور تبدیلی کے لائق تھی تو توجیہ نہایت آسان ہے' چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے فلسطین میں داخل ہونے سے پہلے میدان تیہ کے چالیس برسوں میں کتاب احبار کا حکم' کتاب استثناء کے حکم کے ذریعہ صراحتہً منسوخ کر دیا اور فلسطین میں داخل ہونے کے بعد بنی اسرائیل کے لئے جائز ہو گیا کہ گائے اور بھیڑ' بکری جہاں چاہیں ذبح کریں اور کھائیں"۔

یعنی اس شخص نے موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں نسخ واقع ہونے اور بنی اسرائیل کے حالات کے مطابق کم بیش کئے جانے کا اقرار کیا ہے' پھر حیرت ہے کہ اہل کتاب دوسری شریعت میں نسخ واقع ہونے اور کم بیش کئے جانے پر کیوں اعتراض کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ نسخ اللہ کے جہل کو مستلزم ہے' حالانکہ یہ خرابی اس نسخ سے لازم نہیں آتی جس کے قائل مسلمان ہیں اور جو صرف اللہ وحدہ کا حق ہے' بلکہ یہ خرابی بداء کے اس عقیدے سے لازم آتی ہے جس کی صراحت اہل کتاب نے اپنی کتابوں میں کی ہے اور پولس نے بھی اپنے خطوط میں کی ہے۔

۴-لاوی (حبر) جو خدمت کے لئے مختص ہو اس کی عمر کے بارے میں حکم:

کتاب گنتی، باب ۴، فقرہ ۳، ۲۳، ۳۰، ۳۵، ۳۹، ۴۳ اور ۴۷ میں آیا ہے کہ وہ لاوی حبر (عالم) جو خیمہ اجتماع میں خدمت کے لئے مختص ہو اس کی عمر تیس سال سے کم اور پچاس سال سے زیادہ نہ ہو۔ تیس برس کی عمر سے لے کر پچاس برس کی عمر تک۔

لیکن اسی کتاب گنتی، باب ۸، فقرہ ۲۴، ۲۵ میں ہے کہ لاوی حبر جو خدمت کے لئے مخصوص ہو وہ پچیس برس سے کم اور پچاس برس سے زیادہ کا نہ ہو۔ لاویوں کے متعلق جو بات ہے وہ یہ ہے کہ پچیس برس سے لے کر اس سے اوپر اوپر کی عمر میں وہ خیمہ اجتماع کی خدمت کے کام کے لئے اندر حاضر ہوا کریں۔

اب یہ فرق یا تو اس تناقض اور اختلاف کا نتیجہ ہے جو تحریف کے سبب واقع ہوا ہے، یا دوسرا حکم پہلے کا ناسخ ہے، بہر حال ان دو باتوں میں سے ایک کا اقرار ضروری ہے۔

۵- حزقیاہ کی عمر میں زیادتی :

کتاب سلاطین دوم، باب ۲۰، فقرہ ۱ تا ۶ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یسعیاہ بن آموص نبی کو حکم دیا کہ وہ مملکت یہوداہ کے بادشاہ حزقیاہ کے پاس جا کر بتائیں کہ اس کی عمر ختم ہو گئی ہے، تاکہ وہ اپنے گھر کا انتظام کر دے، تب بادشاہ حزقیاہ نے اپنا منہ دیوار کی طرف کر کے دعا کی اور زار زار رویا۔ جب یسعیاہ نبی وہاں سے چلے گئے تو اللہ تعالیٰ نے اس حکم کو- اس کے پہنچا دئے جانے کے بعد- منسوخ کر دیا اور یسعیاہ کے پاس بیچ شہر تک پہنچنے سے پہلے وحی کی کہ حزقیاہ کے پاس واپس جا کر کہیں کہ "خداوند نے تیری دعا سنی، تیرے آنسو دیکھے اور تجھے شفا دی اور تیری عمر میں پندرہ برس بڑھا دئے"۔

چنانچہ منسوخ اور ناسخ دونوں حکم اللہ کے نبی یسعیاہ کے ذریعہ پہنچائے گئے اور اس کے لئے ان کے پاس اللہ کی وحی آئی۔

۶- حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی رسالت خصوص و عموم کے درمیان :

انجیل متی' باب ۱۰' فقرہ ۵ اور ٦ میں ہے: "ان بارہ کو یسوع مسیح نے بھیجا اور ان کو حکم دے کر کہا غیر قوموں کی طرف نہ جانا اور سامریوں کے کسی شہر میں داخل نہ ہونا' بلکہ اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے پاس جانا"۔

اور اسی انجیل متی' باب ۱۵' فقرہ ۲۴ میں ہے: "اس نے جواب میں کہا کہ میں اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا اور کسی کے پاس نہیں بھیجا گیا"۔

ان دونوں نصوص میں عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی رسالت بنی اسرائیل کے ساتھ مخصوص قرار دی ہے۔

لیکن انجیل مرقس' باب ۱٦' فقرہ ۱۵ میں ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نے حواریوں سے کہا کہ: "تم تمام دنیا میں جا کر ساری خلق کے سامنے انجیل کی منادی کرو"۔

عیسائی کہتے ہیں کہ یہ نص رسالت کے عموم کو بتلاتی ہے' لہٰذا یہ نص خصوصیت کو منسوخ کرنے والی ہے اور پہلا حکم منسوخ ہے' یعنی مسیح علیہ السلام کی رسالت پہلے صرف بنی اسرائیل کے ساتھ خاص تھی' پھر یہ تخصیص منسوخ ہو گئی اور انہیں ساری دنیا کو دعوت دینے کا حکم دے دیا گیا۔ اب اگر یہ لوگ نسخ کا اقرار کریں تو ہم جو بتانا چاہتے ہیں کہ ان کی کتابوں میں نسخ کے وقوع کا امکان ہے اور یہ نسخ ان کتابوں کے لئے محال نہیں ہے بلکہ ان میں واقع ہوا ہے تو ہماری یہ مراد پوری ہو جاتی ہے' اور اگر یہ لوگ نسخ کا اقرار نہ کریں تو ہم جو یہ کہتے ہیں کہ ان کی انجیلوں میں تناقض اور تحریف پائی جاتی ہے یہ بات پوری ہو جاتی ہے' اور صحیح بات یہ ہے کہ انجیل مرقس کی عبارت حضرت مسیح علیہ السلام کی کہی ہوئی نہیں ہے۔

یہ مثالیں کافی ہیں' اور اب اہل کتاب کی کتابوں میں دونوں قسم کا نسخ واقع ہونے میں کوئی شبہہ باقی نہیں رہ گیا اور یہ ظاہر ہو گیا کہ یہ لوگ اپنی کتابوں میں نسخ نہ واقع ہونے کا جو

دعویٰ کرتے ہیں وہ بلاریب باطل ہے' پھر یہ دعویٰ کس طرح کر رہے ہیں جبکہ بندوں کی مصلحتیں زمان و مکان اور مکلفین کے بدلنے سے بدلتی رہتی ہیں۔ بعض احکام بعض اوقات بندوں کی قدرت میں ہوتے ہیں اور بعض اوقات نہیں ہوتے' اور بعض احکام کسی زمانے میں بعضوں کے لئے مناسب ہوتے ہیں اور کسی زمانے میں مناسب نہیں ہوتے' اور بندوں کو یہ نہیں معلوم کہ ان کی حقیقی مصلحت کہاں ہے' لیکن اللہ جس نے انہیں پیدا کیا ہے وہ اس کا علم ان سے زیادہ رکھتا ہے۔ بنابریں اہل کتاب کے لئے روا نہیں کہ اپنی فاسد تاویلات اور جھوٹے ظنون کے سہارے اللہ علیم و خبیر کی جانب سے نسخ کے وقوع کا انکار کریں۔

دوسرا باب

تثلیث کا ابطال

یہ باب ایک مقدمہ اور تین فصلوں پر مشتمل ہے :

مقدمہ : ایسی باتوں کے بیان میں جو آئندہ فصلوں میں بصیرت کا فائدہ دیں گی۔

فصل اول : عقلی دلائل سے تثلیث کا ابطال۔

فصل دوم : مسیح علیہ السلام کے اقوال سے تثلیث کا ابطال۔

فصل سوم : مسیح علیہ السلام کی الوہیت کے نقلی دلائل کا ابطال۔

مقدمہ

ایسی باتوں کے بیان میں جو قاری کو آئندہ فصلوں میں بصیرت کا فائدہ دیں گی

پہلی بات: کتب عہد قدیم ناطق ہیں کہ اللہ ایک ہے' تنہا ہے' بیوی بچوں سے پاک ہے' زندہ ہے' کبھی نہیں مرے گا' قادر ہے' جو چاہتا ہے کرتا ہے' اس کے مثل کوئی چیز نہیں ہے' نہ ذات میں' نہ صفات میں۔ یہ بات ان کتابوں میں اس قدر مشہور ہے اور کثرت سے ہے کہ شواہد نقل کرنے کی ضرورت نہیں۔

دوسری بات: غیر اللہ کی عبادت حرام ہے' توریت نے اسے بہت سے فقروں میں حرام قرار دیا ہے' مثلاً کتاب خروج' باب ۲۰' فقرہ ۳' ۴' ۵' ۲۳' اور باب ۳۴' فقرہ ۱۴' ۱۷' اور کتاب استثناء' باب ۱۳' فقرہ ۱ تا ۱۱ اور باب ۱۷' فقرہ ۲ تا ۷۔ اور توریت نے صراحت کی ہے کہ جو غیر اللہ کی عبادت کی دعوت دے اسے قتل کر دینا ضروری ہے' چاہے وہ دعوت دینے والا بڑے بڑے معجزات والا کوئی نبی ہی کیوں نہ ہو۔ اسی طرح توریت میں یہ بھی صراحت ہے کہ جو غیر اللہ کی عبادت کرے یا غیر اللہ کی عبادت کی ترغیب دے اسے سنگسار کر دینا ضروری ہے' چاہے وہ عبادت کرنے والا مرد ہو یا عورت' اور وہ ترغیب دینے والا قرابتدار ہو یا دوست۔

تیسری بات: توریت میں ایسے فقرے آئے ہیں جو بتاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ پاک ہے' اس کا کوئی شبیہ نہیں' چنانچہ کتاب استثناء' باب ۴' فقرہ ۱۲ اور ۱۵ میں ہے: "(۱۲) اور خداوند نے اس آگ میں سے ہو کر تم سے کلام کیا' تم نے باتیں تو سنیں' لیکن کوئی صورت نہ دیکھی' فقط آواز ہی آواز سنی۔ (۱۵) سو تم اپنی خوب ہی احتیاط رکھنا' کیونکہ تم نے اس دن جب خداوند نے آگ میں سے ہو کر حورب میں تم سے کلام کیا کسی طرح کی کوئی صورت نہیں دیکھی"۔

اور عہد جدید میں ایسے فقرات آئے ہیں جو بتاتے ہیں کہ دنیا میں اللہ کو دیکھنا محال ہے' چنانچہ انجیل یوحنا' باب ا' فقرہ ۱۸ میں ہے: "خدا کو کسی نے کبھی نہیں دیکھا"۔

اور تمتھیس کے نام پولس کے پہلے خط' باب ۶' فقرہ ۱۶ میں ہے: "نہ اسے کسی انسان نے دیکھا اور نہ دیکھ سکتا ہے"۔

یوحنا کے پہلے خط' باب ۴' فقرہ ۱۲ میں ہے: "خدا کو کبھی کسی نے نہیں دیکھا"۔

گذشتہ فقروں سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ کی کوئی شبیہ نہیں اور دنیا میں اللہ کی رویت واقع نہیں ہوئی' اور جو کوئی دیکھا جائے وہ کبھی الٰہ نہیں ہو سکتا' اگرچہ اللہ' یا انبیاء یا حواریوں کے کلام میں اس پر "اللہ" یا "رب" کا لفظ بولا گیا ہو' کیونکہ جو فقرے عقلی برہان کے خلاف ہوں انہیں لے لینا اور سابقہ فقرے جن کا مضمون عقلی برہان کے مطابق ہے انہیں چھوڑ دینا جائز نہیں' کیونکہ عہد قدیم و جدید کی کتابوں کے بے شمار مقامات میں "الٰہ" کا لفظ فرشتے پر' موسیٰ پر' بنی اسرائیل کے قاضیوں پر اور انسان کامل پر بلکہ عام افراد پر اور مردود شیطان پر بولا گیا ہے۔ یہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی پر اس قسم کا لفظ بولنے کے لئے ہر موقع پر ایک مناسب وجہ ہوتی ہے اور کلام کا سیاق اس وجہ کو اس طرح بتلاتا ہے کہ ناظر کے لئے بظاہر کوئی اشتباہ نہیں ہوتا' لہٰذا یہ لفظ اگر بعض بنی آدم پر بولا گیا ہے تو کسی عاقل کے لئے جائز نہیں کہ اس سے یہ استدلال کرے کہ وہ "الٰہ" یا "اللہ کا بیٹا" ہے' اور سارے عقلی قطعی براہین اور اسی طرح صحیح نقلی براہین پیٹھ پیچھے پھینک دے۔

چوتھی بات: عقیدۂ تثلیث نہ انبیاء میں سے کوئی نبی لے کر آیا اور نہ آسمانی کتابوں میں سے کسی کتاب میں نازل ہوا۔ توریت میں اس کا نہ آنا محتاج بیان نہیں' کیونکہ جو شخص بھی موجودہ توریت کا مطالعہ کرے گا وہ اس میں اس عقیدہ کا نہ صریحاً ذکر پائے گا نہ اشارۃً اور تلمیحاً۔ اور علماء یہود حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عہد سے لے کر آج تک اس عقیدہ کو نہ

تسلیم کرتے ہیں اور نہ اپنی کتابوں کی طرف اس کی نسبت گوارا کرتے ہیں۔ اگر عقیدۂ تثلیث برحق ہوتا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اور تمام انبیائے بنی اسرائیل پر۔ جن میں آخری نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام تھے - لازم تھا کہ اسے اچھی طرح بیان کرتے' کیونکہ یہ عقیدہ اور شریعت دونوں میں توریت کے تمام احکام پر عمل کرنے کے لئے مامور تھے۔ اور اہل تثلیث کا یہ عقیدہ ہے کہ ان کا یہ عقیدہ ہی مدار نجات ہے' کسی کے لئے چاہے وہ نبی ہو یا غیر نبی' اس کے بغیر نجات ممکن نہیں۔ پھر سارے انبیاء بنی اسرائیل اس عقیدہ کو واضح اور صریح طور سے بیان کئے بغیر کیسے اس دنیا سے سدھار گئے ؟ جبکہ انہوں نے ایسے امور اور احکام بیان کئے جو اس عقیدہ سے بہت کم اہمیت رکھتے ہیں' اور بعض احکام کو یکے بعد دیگرے بار بار بیان کیا اور ان کی پابندی اور ان پر عمل کی سخت تاکید کی' اور ان میں سے بعض کے چھوڑنے والے کو قتل کرنا واجب قرار دیا۔ اس لئے نہایت تعجب ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام جو بنی اسرائیل کے انبیاء میں آخری نبی تھے اور عیسائیوں کے نزدیک ثالوث کا ایک رکن تھے وہ آسمان پر چلے گئے' مگر انہوں نے اس عقیدہ کو اپنے پیروکاروں کے لئے واضح اور تاویل سے بے نیاز کلام کے ذریعہ بیان نہ کیا' مثلاً وہ یہ کہتے کہ "اللہ تین اقانیم ہیں - باپ' بیٹا اور روح القدس۔ اور بیٹے - دوسرے الٰہ - کا اقنوم' فلاں تعلق کے ذریعہ جس کا سمجھنا تمہاری عقل کے ادراک سے باہر ہے' مجھ سے متعلق ہے۔ یا کوئی بھی ایسی بات کہتے جو اس عقیدے کے بیان میں صریح ہوتی۔

صحیح یہ ہے کہ اہل تثلیث کے پاس اپنے اس عقیدے کی کوئی دلیل نہیں' اور وہ کھلے اقوال کی' جو تاویل کا احتمال نہیں رکھتے دور دراز کی تاویلیں کرتے ہیں۔

کتاب میزان الحق کے مصنف ڈاکٹر پادری فنڈر نے اپنی کتاب مفتاح الاسرار میں ایک سوال کیا ہے' جو یہ ہے کہ : "مسیح نے اپنی الوہیت صاف طور سے کیوں بیان نہیں کی ؟ اور

مختصر طور سے یہ کیوں نہیں کہا کہ میں ہی اللہ ہوں"؟ پھر خود ہی یہ کہہ کر اس سوال کا جواب دیا ہے کہ مردوں کے درمیان سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اٹھنے اور آسمان پر جانے سے پہلے کوئی شخص اس تعلق اور وحدانیت کو سمجھنے پر قدرت ہی نہیں رکھتا تھا' اس لئے اگر وہ صراحۃً کہتے کہ میں اللہ ہوں تو لوگ سمجھتے کہ وہ جسم انسانی کے اعتبار سے الٰہ ہیں اور یہ باطل ہے' اور ابھی بہت سی باتیں رہ گئی تھیں جن کے متعلق مسیح نے اپنے شاگردوں سے کہا تھا' جیسا کہ انجیل یوحنا' باب ۱۶' فقرہ ۱۲ میں ہے: "مجھے تم سے اور بھی بہت سی باتیں کہنا ہے' مگر اب تم ان کو برداشت نہیں کر سکتے"۔ اسی لئے علمائے یہود نے کئی بار چاہا کہ ان کو پکڑ کر رجم کر دیں' جبکہ وہ لوگوں سے اپنی الوہیت ان کے سامنے صرف چیستاں کے طور پر بیان کیا کرتے تھے۔

ڈاکٹر فنڈر کے اس جواب کے رد میں ہم کہتے ہیں کہ یہ جواب انتہائی کمزور ہے' کیونکہ فنڈر جو یہ کہتا ہے کہ تثلیث اور الوہیت مسیح کے عقیدے کو ان کے اٹھنے اور آسمان پر جانے سے پہلے سمجھ لینا کسی کی قدرت میں نہ تھا' تو ہم کہتے ہیں کہ پھر مسیح اپنے پیروکاروں اور یہود سے یہ کہہ سکتے تھے کہ میرے جسم اور دوسرے اقنوم۔ بیٹے کے اقنوم۔ میں اتحاد کا جو تعلق ہے اسے سمجھنا تمہاری وسعت سے باہر ہے' لہٰذا اس کی کرید چھوڑ دو اور یہ عقیدہ رکھو کہ میں "الٰہ" ہوں' اور میں الٰہ بھی جسم کے اعتبار سے نہیں ہوں بلکہ اتحاد کے اس تعلق کے اعتبار سے ہوں جس کو سمجھنا تمہاری عقل کی پہنچ سے باہر ہے۔

پھر تعجب ہے کہ مذکورہ اتحاد کے تعلق کو سمجھنے پر قادر نہ ہونا مسیح کے آسمان پر جانے کے بعد بھی باقی ہے اور اب تک کوئی ایسا عیسائی عالم پیدا نہ ہوا جو اس تعلق کی کیفیت بیان کرنے کی استطاعت رکھتا ہو۔ چنانچہ ان کی کتابیں جگہ جگہ اس اقرار سے بھری پڑی ہیں کہ یہ بیانات ان اسرار میں سے ہے جو عقل کی ادارک سے باہر ہیں۔ جسے مزید تحقیق کرنی ہو وہ

بائبل ڈکشنری کی طرف رجوع کرے، جس کی تالیف میں ان کے بیس سے زیادہ لاہوتی علماء نے شرکت کی ہے، پھر خود دیکھے کہ یہ لوگ کلمہ "تثلیث" کی شرح میں کس طرح کھلے خبط کا شکار ہیں۔

ثانیاہم یہ کہتے ہیں کہ حضرت مسیح، یہود سے کیوں ڈرے کہ اپنی الوہیت محض پہیلی کے طریقے سے بیان کی؟ جبکہ آپ لوگ کہتے ہیں کہ حضرت مسیح آئے ہی اس لئے تھے کہ یہود کے ہاتھوں سولی پاکر ساری مخلوق کے گناہوں کا کفارہ بن جائیں، اور انہیں یقینی طور سے معلوم تھا کہ یہود ان کو سولی دیں گے، تو اب نجات کے لئے اس ضروری عقیدے کے بیان میں یہود سے ڈرنے کا کون سا موقع تھا؟ اور آسمان و زمین کو پیدا کرنے والا الٰہ عظیم دنیا کی ذلیل ترین قوم سے ڈر کیسے جائے گا، جبکہ صورت حال یہ رہی ہے کہ بعض انبیاء نے بنی اسرائیل کے سامنے حق کو بے دھڑک بیان کیا، جس کے نتیجہ میں بعض کو سخت اذیت دی گئی اور بعض قتل کردئے گئے؟

پھر مسیح علیہ السلام نے فقیہوں اور فریسیوں پر نکیر کرنے میں تشدد کیا اور انہیں "ریاکار"، "اندھے راہ بتانے والے"، "احمق جاہل"، "سانپ اور سانپ کے بچے" کہا اور ان کی برائیاں سرعام ظاہر کیں، یہاں تک کہ بعض نے شکوہ کیا کہ آپ ہمیں برا بھلا کہہ رہے ہیں (انجیل متی، باب ۲۳، فقرہ ۱۳ تا ۳۷، انجیل لوقا، باب ۱۱، فقرہ ۳۷ تا ۵۴) تو یہ حضرت مسیح جنہوں نے کسی خوف کے بغیر یہود کی بعض خلاف ورزیاں بیان کیں، ان کو سخت ڈانٹ پلائی اور انہیں سنگین اوصاف سے متصف کیا، ان کے بارے میں یہ کیسے گمان کیا جاسکتا ہے کہ وہ یہود کے خوف سے نجات کے لئے ضروری عقیدہ بیان کرنا چھوڑ دیں گے؟ حاشا وکلا کہ ان کی بارگاہ اس فاسد گمان کے مطابق ہو۔

فصل اول

عقلی دلائل سے تثلیث کا ابطال

عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ تثلیث بھی حقیقی ہے اور توحید بھی حقیقی ہے، لیکن جب حقیقی تثلیث پائی جائے گی تو حقیقی کثرت بھی پائی جائے گی، اور جب حقیقی تثلیث اور حقیقی کثرت ثابت ہوگی تو حقیقی توحید منتفی ہو جائے گی، اور اس کا ثبوت ممکن نہ ہوگا، ورنہ دو حقیقی ضدین کا اجتماع لازم آئے گا اور یہ محال ہے، اور واجب الوجود کا تعدد لازم آئے گا اور یہ بھی محال ہے۔ لہٰذا ممکن نہیں کہ تثلیث کا قائل اللہ کی حقیقی توحید کا قائل ہو، کیونکہ جو حقیقی ایک ہے اس کا صحیح تہائی نہیں ہو سکتا، اور وہ کئی اکائیوں کا مجموعہ نہیں ہو سکتا، ہاں جو تین ہوگا اس کا صحیح تہائی ہوگا جو ایک ہوگا اور وہ تین اکائیوں کا مجموعہ ہوگا۔ لہٰذا حقیقی ایک، تین کا جزو ہے۔ اب اگر یہ ایک اور تین ایک ہی محل میں اکٹھا ہو جائیں تو اس سے یہ لازم آئے گا کہ جزء کل ہو اور کل جزء ہو، اور یہ بھی لازم آئے گا کہ ایک خود اپنا تہائی ہو اور وہ تین کا تین گنا ہو، اور تین ایک کا تہائی ہو اور خود اپنا ہی تین گنا بھی ہو، اور یہ سب ایسے لوازم ہیں جن کو عقل بداہتہً مسترد کرتی ہے۔

بنابریں حقیقی تثلیث اللہ تعالیٰ کی ذات میں ممتنع ہے، لہٰذا اگر عیسائی کتب میں کوئی ایسا قول ہو جو بظاہر تثلیث پر دلالت کرتا ہو تو اس کی تاویل ضروری ہے، تاکہ وہ عقل و نقل کے مطابق ہو جائے، کیونکہ عقل و نقل دونوں دلالت کرتی ہیں کہ اللہ کی ذات میں تثلیث ممتنع ہے۔

جرجیس سیل نے انگریزی زبان میں قرآن کریم کے معانی کا ترجمہ کیا ہے، یہ ترجمہ ۱۸۳۶ء میں چھپا ہے، اس نے اپنی قوم کو کئی وصیتیں کی ہیں، جن میں سے ایک یہ ہے کہ تم

لوگ مسلمانوں کو عقل کے مخالف مسائل نہ سکھاؤ' کیونکہ یہ لوگ بیوقوف نہیں ہیں کہ ہم ان مسائل میں ان پر غالب آسکیں' مثلاً بت کی پوجا اور عشاء ربانی۔ کیونکہ یہ لوگ ان مسائل کو بہت کچھ جانتے ہیں اور جس کلیسا میں یہ مسائل ہوں وہ انہیں اپنی طرف نہیں کھینچ سکتا۔

دیکھو! یہ پادری کس طرح اقرار کرتا ہے کہ اس کے دین میں بہت سے مخالف عقل مسائل ہیں' اور صحیح یہ ہے کہ جس دین والوں میں اس قسم کے مسائل ہوں وہ یقیناً مشرک ہیں۔ چنانچہ علمائے اسلام کا کہنا ہے کہ ہم نے دنیا میں کوئی ایسا مذہب نہیں دیکھا جو عیسائی مذہب سے بڑھ کر لچر اور عقل سے دور ہو' اور ہمیں دنیا میں کوئی ایسا علم کلام نظر نہیں آیا جو ان کے علم کلام سے بڑھ کر فاسد اور باطل ہو۔

فصل دوم

مسیح علیہ السلام کے اقوال سے تثلیث کا ابطال

پہلا قول: انجیل یوحنا' باب ۱۷' فقرہ ۳ میں اللہ تعالیٰ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا خطاب یوں مذکور ہے: "اور ہمیشہ کی زندگی یہ ہے کہ وہ تجھ خدائے واحد اور برحق کو اور یسوع مسیح کو جسے تو نے بھیجا ہے جانیں"۔

اس میں عیسیٰ علیہ السلام نے یہ بیان کیا ہے کہ ابدی زندگی اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کے رسول عیسیٰ کی رسالت پر ایمان لانے سے حاصل ہوتی ہے' یہ نہیں فرمایا ہے کہ ابدی زندگی تین اقنوموں کی تثلیث پر ایمان لانے سے' یا حضرت عیسیٰ کو "الٰہ" اور "اللہ کا بیٹا" ماننے سے حاصل ہوتی ہے' اور چونکہ یہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قول اللہ تعالیٰ سے مخاطب ہو کر ہے' اس لئے یہاں یہود سے ان کے ڈرنے کا احتمال نہیں ہے۔ لہٰذا اگر تثلیث اور الوہیت مسیح کا اعتقاد مدار نجات ہوتا تو اسے بیان فرماتے' لیکن حقیقت یہ ہے کہ نجات اور ابدی زندگی کا مدار اللہ کی حقیقی توحید اور حضرت مسیح کی رسالت کے عقیدے میں ہے' اور اس کے برعکس عقیدہ رکھنا ابدی ہلاکت اور کھلی گمراہی ہے' کیونکہ اللہ کا ایک ہونا اس کے تین ہونے کا ضد ہے اور مسیح کا رسول ہونا ان کے "الٰہ" ہونے کا ضد ہے' بھیجنے والا بھیجے ہوئے رسول کے علاوہ ہوتا ہے۔

دوسرا قول: انجیل مرقس' باب ۱۲' فقرہ ۲۸ تا ۳۴ میں ہے: "اور فقیہوں میں سے ایک نے ان کو بحث کرتے سن کر جان لیا کہ اس نے ان کو خوب جواب دیا ہے' وہ پاس آیا اور اس سے پوچھا کہ سب حکموں میں اول کون سا ہے؟ یسوع نے جواب دیا کہ اول یہ ہے: اے اسرائیل سن' خداوند ہمارا خدا ایک ہی خداوند ہے' اور تو خداوند اپنے خدا سے اپنے سارے

دل اور اپنی ساری جان اور اپنی ساری عقل اور اپنی ساری طاقت سے محبت رکھ' دوسرا (اسی جیسا[۱]) یہ ہے کہ تو اپنے پڑوسی سے اپنے برابر محبت رکھ۔ ان سے بڑا اور کوئی حکم نہیں۔ فقیہ نے اس سے کہا: اے استاد' بہت خوب' تو نے سچ کہا کہ وہ (اللہ[۲]) ایک ہی ہے اور اس کے سوا اور کوئی نہیں' اور اس سے سارے دل اور ساری عقل اور ساری طاقت سے محبت رکھنا اور اپنے پڑوسی سے اپنے برابر محبت رکھنا' سب سوختنی قربانیوں اور ذبیحوں سے بڑھ کر ہے۔ جب یسوع نے دیکھا کہ اس نے دانائی سے جواب دیا تو اس سے کہا تو خدا کی بادشاہی سے دور نہیں"۔

یہ فقرے انجیل متی' باب ۲۲' فقرہ ۳۴ تا ۴۰ میں بھی آئے ہیں' میں فقرہ ۴۰ نقل کرنے پر اکتفا کرتا ہوں اور وہ عیسیٰ علیہ السلام کا یہ قول ہے کہ: "انہی دو حکموں پر تمام توریت اور انبیاء کے صحیفوں کا مدار ہے"۔

ان سابقہ فقروں میں یہ بات موکد کی گئی ہے کہ سب سے پہلی وصیت جو توریت اور باقی انبیاء کی کتابوں میں کی گئی ہے اور جو مدار نجات ہے وہ یہ ہے کہ یہ عقیدہ رکھا جائے کہ اللہ ایک ہے' اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اب اگر تثلیث اور الوہیت مسیح کا عقیدہ برحق ہوتا تو توریت میں اور انبیاء کی تمام کتابوں میں اسے بیان کیا گیا ہوتا اور عیسیٰ علیہ السلام سائل کے جواب میں یہ کہتے کہ سب سے پہلی وصیت یہ ہے کہ یہ عقیدہ رکھا جائے کہ اللہ ایک ہے' تین اقنوموں والا ہے' اور میں دوسرا الٰہ اور اللہ کا بیٹا ہوں۔ لیکن چونکہ عیسیٰ علیہ السلام نے یہ بات نہیں کہی اور نہ اس کا کوئی اشارہ توریت میں اور نہ انبیاء کی کتابوں میں آیا ہے' اس لئے ثابت ہوا کہ نجات' اللہ کی توحید حقیقی کا عقیدہ رکھنے سے ہوگی' جو تثلیث اور شریک اور لڑکے کے عقیدے کے منافی ہے۔

(۱'۲) قوسین کے الفاظ عربی میں ہیں' اردو نسخہ میں نہیں ہیں (مترجم)

عہد قدیم کی کتابیں اللہ کی توحید کی صراحت کرنے والی نصوص سے بھری پڑی ہیں' بطور مثال دیکھئے: کتاب استثناء' باب ۴' فقرہ ۳۵' ۳۹' باب ۶' فقرہ ۴' ۵ اور کتاب یسعیاہ' باب ۴۵' فقرہ ۵' ۶' باب ۴۶' فقرہ ۹۔

تیسرا قول: انجیل مرقس' باب ۱۳' فقرہ ۳۲ میں ہے: "لیکن اس دن یا اس گھڑی کی بابت کوئی نہیں جانتا' نہ آسمان کے فرشتے' نہ بیٹا' مگر باپ"۔

یہ قول تثلیث اور الوہیت مسیح کے بطلان کا اعلان کر رہا ہے' کیونکہ مسیح علیہ السلام نے قیامت کی گھڑی کا علم اللہ وحدہ کے ساتھ خاص کیا ہے اور خود اپنے نفس سے اور اسی طرح اللہ کے دوسرے بندوں سے اس کے علم کی نفی کی ہے اور اپنے اور ان کے درمیان عدم علم میں برابری کی ہے' حالانکہ اگر وہ "الٰہ" ہوتے تو قیامت کا وقت جانتے اور اپنے آپ سے اس کے علم کی نفی نہ کرتے۔

چوتھا قول: انجیل متی' باب ۲۷' فقرہ ۴۶ اور ۵۰ میں ہے: "(۴۶) اور تیسرے پہر کے قریب یسوع نے بڑی آواز سے چلا کر کہا: ایلی۔ ایلی۔ لماشبقتنی؟ یعنی اے میرے خدا! اے میرے خدا! تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا؟ (۵۰) یسوع نے پھر بڑی آواز سے چلا کر جان دے دی"۔

انجیل لوقا' باب ۲۳' فقرہ ۴۶ میں ہے: "پھر یسوع نے بڑی آواز سے پکار کر کہا: اے باپ! میں اپنی روح تیرے ہاتھوں میں سونپتا ہوں اور یہ کہہ کر دم دے دیا"۔

یہ قول جو حضرت مسیح سے -عیسائیوں کے خیال کے مطابق- ان کی زندگی کے آخری سانس میں صادر ہوا ان کی الوہیت کی نفی کرتا ہے' کیونکہ اگر وہ "الٰہ" ہوتے تو دوسرے "الٰہ" سے استغاثہ نہ کرتے' کیونکہ حقیقی الٰہ کے لئے نقص والے صفات محال ہیں' مثلاً کمزوری' تکان' درماندگی' چلانا' استغاثہ کرنا' بے بس ہونا اور مر جانا۔ اللہ ہمیشہ زندہ رہنے

والا اور قدوس (ہر نقص سے پاک) ہے۔ چنانچہ کتاب یسعیاہ' باب ۴۰' فقرہ ۲۸ میں ہے :
"کیا تو نہیں جانتا؟ کیا تو نے سنا نہیں کہ خداوند' خدائے ابدی و تمام زمین کا خالق تھکتا نہیں اور درماندہ نہیں ہوتا"؟

کتب عہد قدیم وجدید (بائبل) میں کتاب یسعیاہ کے اس فقرہ جیسے بہت سے فقرے ہیں' دیکھو کتاب یسعیاہ' باب ۴۴' فقرہ ۶' کتاب یرمیاہ' باب ۱۰' فقرہ ۱۰' کتاب حبقوق' باب ۱' فقرہ ۱۲' تمتھیس کے نام پولس کا پہلا خط' باب ۱' فقرہ ۱۷' یہ سب ایسے فقرے ہیں جو بتلاتے ہیں کہ حقیقی "الٰہ" وہ "الٰہ" ہے جو سرمدی (ازلی وابدی) ہے' زندہ اور قدوس ہے' اس کے لئے موت نہیں' اور اس کے سوا کوئی الٰہ نہیں' وہ کمزوری' تکان اور بے بسی سے بری ہے۔ تو کیا جو عاجز' فانی اور میت ہو وہ "الٰہ" ہو سکتا ہے؟ کوئی شک نہیں کہ "الٰہ" حقیقی وہ ہے جس سے عیسیٰ علیہ السلام نے - عیسائیوں کے حسب خیال - اس وقت استغاثہ کیا تھا۔

یہاں میں قاری کو اس طرف متوجہ کرنا چاہتا ہوں کہ کتاب حبقوق' باب ۱' فقرہ ۱۲ پرانے ایڈیشنوں میں اس طرح ہے : "اے خداوند میرے خدا! اے میرے قدوس! کیا تو ازل سے نہیں ہے؟ اور تو نہیں مرے گا"۔ عربی میں "لا تموت" کا لفظ ہے جس میں دو تاء ہے' اور جس کا معنی ہے کہ "تو نہیں مرے گا" یعنی یہ لفظ اللہ تعالیٰ سے موت کی نفی کرتا ہے۔ لیکن نئے ایڈیشنوں میں پہلے حرف تاء کی تحریف کر کے اس کی جگہ نون لکھ دیا گیا اور یہ لفظ حرف نون کے ساتھ "لا نموت" ہو گیا' جس کے معنی ہیں "ہم نہیں مریں گے"[1]۔

اور ایسا اس لئے کیا گیا ہے تاکہ حضرت مسیح جو ان کے خیال میں اللہ ہیں ان کا قتل موکد

(۱) یہی ترجمہ اردو کے ہمارے پیش نظر ایڈیشن میں بھی ہے (مترجم)

کر دیا جائے' حالانکہ یہاں "لا نموت" (ہم نہیں مریں گے) بالکل بے تک ہے' اس مقام کے سیاق میں اس کا کوئی فائدہ نہیں۔ سو دیکھو کہ ایک باطل عقیدے کے دفاع نے انہیں کس طرح اپنی کتاب کی تحریف پر آمادہ کر دیا۔

پانچواں قول : انجیل یوحنا' باب ۲۰' فقرہ ۱۷ میں ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نے مریم مگدلینی سے کہا : "لیکن میرے بھائیوں کے پاس جاکر ان سے کہہ کہ میں اپنے باپ اور تمہارے باپ اور اپنے خدا اور تمہارے خدا کے پاس اوپر جاتا ہوں"۔

اس قول میں حضرت مسیح نے اپنے آپ کو اور باقی لوگوں کو اس بات میں یکساں قرار دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت مسیح کا بھی باپ ہے اور سارے لوگوں کا بھی باپ ہے' حضرت مسیح کا بھی الٰہ ہے اور سارے لوگوں کا بھی الٰہ ہے' تاکہ لوگ ان پر باطل بات نہ کہہ سکیں' یعنی یہ نہ کہہ سکیں کہ وہ "الٰہ" ہیں' یا "اللہ کے بیٹے ہیں"۔ پس جس طرح ان کے شاگرد اللہ کے بندے ہیں اور حقیقی معنوں میں اللہ کے بیٹے نہیں ہیں بلکہ مجازی معنوں میں ہیں' اسی طرح عیسیٰ علیہ السلام بھی اللہ کے بندے ہیں اور حقیقی معنوں میں اللہ کے بیٹے نہیں ہیں' اور جس طرح یہ شاگرد اللہ کے بیٹے ہوئے تو اس کا یہ معنی نہیں کہ وہ "الٰہ" ہیں' ٹھیک اسی طرح عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا کہنے کا یہ معنی نہیں کہ وہ "الٰہ" ہیں۔ اور چونکہ یہ قول- عیسائیوں کے خیال کے مطابق- مردوں کے درمیان سے مسیح علیہ السلام کے اٹھنے کے بعد صادر ہوا تھا' یعنی آسمان پر ان کے جانے سے کچھ پہلے' اس لئے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت مسیح روئے زمین پر اپنے وجود کے آخری لحظہ تک یہ صراحت کرتے رہے کہ وہ اللہ کے بندے ہیں اور اللہ ہی ان کا الٰہ ہے اور لوگوں کا بھی الٰہ ہے' اور یہ بات قرآن میں اللہ کے ان ارشادات کے عین مطابق ہے کہ حضرت مسیح نے فرمایا :

﴿ إِنَّ اللَّهَ رَبِّي وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ ﴾ (سورۃ آل عمران :۵۱)

بیشک اللہ میرا اور تم لوگوں کا رب ہے' پس اسی کی عبادت کرو۔

﴿ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ ﴾ (سورۃ المائدہ : ۷۲' ۱۱۷)

اللہ کی عبادت کرو جو میرا اور تم لوگوں کا رب ہے۔

﴿ وَاِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ﴾ (سورۃ مریم : ۳۶)

بیشک اللہ ہی میرا اور تم لوگوں کا رب ہے' پس اسی کی عبادت کرو۔

﴿ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ﴾ (سورۂ زخرف : ۶۴)

بیشک اللہ ہی میرا اور تم لوگوں کا رب ہے' پس اسی کی عبادت کرو۔

لہٰذا تثلیث اور الوہیت مسیح کا قول حضرت مسیح کے ان آخری کلمات تک کے منافی ہے جو انہوں نے اپنے اٹھائے جانے سے پہلے ارشاد فرمائے تھے اور جن کے ساتھ اپنے شاگردوں کو الوداع کہا تھا۔ کیونکہ وہ اس لحظے تک اس اعتقاد کی دعوت دیتے رہے کہ اللہ ایک ہے اور اس کی عبادت واجب ہے اور مسیح اللہ کے بندے ہیں جو ان کا پروردگار ہے۔

چھٹا قول : انجیل میں بہت سے فقرے ہیں جن کا شمار مشکل ہے' ان میں صراحت کی گئی ہے کہ مسیح علیہ السلام انسان ہیں' معلم ہیں' رسول ہیں' نبی ہیں' ان کے پاس وحی کی جاتی ہے۔

جسے ان فقرات کی طرف مراجعت کرنی ہو وہ دیکھے : انجیل متی' باب ۱۰' فقرہ ۴۰' باب ۱۱' فقرہ ۱۹' باب ۱۳' فقرہ ۵۷' باب ۱۵' فقرہ ۲۴' باب ۱۷' فقرہ ۲۱' ۲۲' باب ۱۹' فقرہ ۱۶' باب ۲۱' فقرہ ۱۱' ۴۶' باب ۲۳' فقرہ ۸' ۱۰' باب ۲۶' فقرہ ۱۸۔ انجیل مرقس باب ۹' فقرہ ۳۷' ۳۸' باب ۱۰' فقرہ ۳۵۔ انجیل لوقا' باب ۴' فقرہ ۴۳' باب ۵' فقرہ ۵' باب ۷' فقرہ ۱۶' ۳۹' ۴۰' باب ۸' فقرہ ۲۴' ۴۵' باب ۹' فقرہ ۳۳' ۳۸' ۵۶' باب ۱۰' فقرہ ۱۶' باب ۱۲' فقرہ ۱۳' باب ۱۳' فقرہ ۳۳' ۳۴' باب ۱۷' فقرہ ۱۳' باب ۲۳' فقرہ ۷' ۴'

باب ۲۴'فقرہ ۱۹۔انجیل یوحنا'باب ا'فقرہ ۳۸'باب ۴'فقرہ ۱۹'۳۱'۳۴'باب ۵'فقرہ ۲۳'۲۴'۳۶'۳۷'باب ۶'فقرہ ۱۴'۲۵'باب ۷'فقرہ ۱۵'۱۶'۱۷'۱۸'۵۲'باب ۸'فقرہ ۱۶'۱۸'۲۶'۲۸'۲۹'۴۰'۴۲'باب ۹'فقرہ ۱۱'۱۵'۱۷'باب ۱۱'فقرہ ۴۲'باب ۱۲'فقرہ ۴۴'۴۹'۵۰'باب ۱۳'فقرہ ۱۳'۱۴'باب ۱۴'فقرہ ۲۴'باب ۱۷'فقرہ ۳'۸'۱۸'۲۵'باب ۲۰'فقرہ ۱۶'۲۱۔ذیل میں بعض فقروں کے ذکر پر اکتفا کر رہا ہوں :

انجیل متی'باب ۱۰'فقرہ ۴۰ میں ہے : "جو تم کو قبول کرتا ہے وہ مجھے قبول کرتا ہے اور جو مجھے قبول کرتا ہے وہ میرے بھیجنے والے کو قبول کرتا ہے"۔

اسی کے باب ۱۵'فقرہ ۲۴ میں ہے : "اس نے جواب میں کہا کہ میں اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی بھیڑوں کے سوا اور کسی کے پاس نہیں بھیجا گیا۔"

اور اسی کے باب ۲۱'فقرہ ۱۱ میں ہے : "بھیڑ کے لوگوں نے کہا یہ گلیل کے ناصرہ کا نبی یسوع ہے"۔

اور اسی کے باب ۲۳'فقرہ ۱۰ میں مسیح کا اپنے شاگردوں کے لئے یہ قول ہے : "کیونکہ تمہارا استاد ایک ہے'یعنی مسیح"۔

انجیل لوقا'باب ۴'فقرہ ۴۳ میں ہے : "اس نے ان سے کہا : مجھے اور شہروں میں بھی خدا کی بادشاہی کی خوشخبری سنانا ضرور ہے'کیونکہ میں اسی لئے بھیجا گیا ہوں"۔

اور اسی کے باب ۷'فقرہ ۱۶ میں ہے کہ مسیح نے ایک مردہ کو زندہ کیا تو : "سب پر دہشت چھا گئی اور وہ خدا کی تمجید کر کے کہنے لگے کہ ایک بڑا نبی ہم میں برپا ہوا ہے اور خدا نے اپنی امت پر توجہ کی ہے"۔

اور اسی کے باب ۱۰'فقرہ ۱۶ میں ہے : "جو تمہاری سنتا ہے وہ میری سنتا ہے اور جو تمہیں نہیں مانتا وہ مجھے نہیں مانتا اور جو مجھے نہیں مانتا وہ میرے بھیجنے والے کو نہیں مانتا"۔

انجیل یوحنا' باب ۵' فقرہ ۳۶' ۳۷ میں ہے : "یہی کام جو میں کرتا ہوں وہ میرے گواہ ہیں کہ باپ نے مجھے بھیجا ہے اور باپ جس نے مجھے بھیجا ہے اسی نے میری گواہی دی ہے' تم نے نہ کبھی اس کی آواز سنی ہے اور نہ اس کی صورت دیکھی ہے"۔

اور اسی کے باب ۱۶' فقرہ ۱۴ میں کھانا زیادہ کرنے کا معجزہ ذکر کرنے کے بعد ہے : "پس جو معجزہ اس نے دکھایا وہ لوگ اسے دیکھ کر کہنے لگے : جو نبی دنیا میں آنے والا تھا وہ فی الحقیقت یہی ہے"۔

اور اسی کے باب ۷' فقرہ ۱۵ تا ۱۷ میں ہے : "پس یہودیوں نے تعجب کر کے کہا کہ اس کو بغیر پڑھے کیونکر علم آگیا؟ یسوع نے جواب میں ان سے کہا کہ میری تعلیم میری نہیں بلکہ میرے بھیجنے والے کی ہے' اگر کوئی اس کی مرضی پر چلنا چاہے تو وہ اس تعلیم کی بابت جان جائے گا کہ خدا کی طرف سے ہے' یا میں اپنی طرف سے کہتا ہوں"۔

اور اسی کے باب ۸' فقرہ ۱۸' ۲۶' ۲۹' ۴۰' ۴۲ میں ہے : "(۱۸)......اور ایک باپ جس نے مجھے بھیجا میری گواہی دیتا ہے۔ (۲۶) لیکن جس نے مجھے بھیجا وہ سچا ہے اور جو میں نے اس سے سنا وہی دنیا سے کہتا ہوں۔ (۲۹) اور جس نے مجھے بھیجا وہ میرے ساتھ ہے' اس نے مجھے اکیلا نہیں چھوڑا۔ (۴۰) لیکن اب تم مجھ جیسے شخص کے قتل کی کوشش میں ہو جس نے تم کو وہی حق بات بتائی جو خدا سے سنی۔ (۴۲) کیونکہ میں آپ سے نہیں آیا بلکہ اسی نے مجھے بھیجا"۔

اور اسی کے باب ۹' فقرہ ۱۰' ۱۱ اور ۱۷ میں اندھے کو شفا دینے کے معجزے کے سلسلے میں ہے : "(۱۰) پس وہ اس سے کہنے لگے : پھر تیری آنکھیں کیونکر کھل گئیں؟ (۱۱) اس نے جواب دیا کہ اس شخص نے جس کا نام یسوع ہے مٹی سانی اور میری آنکھوں پر لگا کر مجھ سے کہا کہ شیلوخ میں جا کر دھو لے...... (۱۷) انہوں نے پھر اس اندھے سے کہا کہ اس نے جو

تیری آنکھیں کھولیں تو اس کے حق میں کیا کہتا ہے' اس نے کہا وہ نبی ہے"۔

اور اسی کے باب ۱۳' فقرہ ۱۳ میں ہے : "تم مجھے استاذ اور خداوند[1] کہتے ہو' اور خوب کہتے ہو' کیونکہ میں (ایسا ہی) ہوں"۔

اور اسی کے باب ۱۴' فقرہ ۲۴ میں ہے : "اور جو کلام تم سنتے ہو وہ میرا نہیں' بلکہ باپ کا ہے جس نے مجھے بھیجا"۔

ان اقوال میں حضرت مسیح نے صراحت کی ہے کہ وہ انسان ہیں' اپنے شاگردوں کے استاذ ہیں' اللہ کے بھیجے ہوئے نبی و رسول ہیں' اللہ ان کی طرف وحی کرتا ہے اور وہ وہی حق بولتے ہیں جسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے سنا ہے' وہ وحی کے امین ہیں' اس میں سے کچھ چھپاتے نہیں ہیں' بلکہ جس طرح اپنے رب سے لیتے ہیں اسی طرح اپنے پیروکاروں کو سکھا دیتے ہیں' اور اللہ تعالیٰ ان کے ہاتھ پر انسان' نبی اور رسول ہونے کی حیثیت سے معجزات جاری کرتا تھا' الٰہ اور ابن اللہ ہونے کی حیثیت سے نہیں۔

ساتواں قول : انجیل متی' باب ۲۶' فقرہ ۳۶ تا ۴۶ میں ہے : "اس وقت یسوع ان کے ساتھ گتسمنی نام کی ایک جگہ میں آیا اور اپنے شاگردوں سے کہا یہاں بیٹھے رہنا' جب تک کہ میں وہاں جا کر دعا کر آؤں۔ اور پطرس اور زبدی کے دونوں بیٹوں کو ساتھ لے کر غمگین اور بے قرار ہونے لگا۔ اس وقت اس نے ان سے کہا میری جان نہایت غمگین ہے' یہاں تک کہ مرنے کی نوبت پہنچ گئی ہے' تم یہاں ٹھہرو' اور میرے ساتھ جاگتے رہو۔ پھر ذرا آگے بڑھا اور منہ کے بل گر کر یوں دعا کی کہ اے میرے باپ! اگر ہو سکے تو یہ پیالہ مجھ سے ٹل جائے' تو بھی نہ جیسا میں چاہتا ہوں' بلکہ جیسا تو چاہتا ہے ویسا ہی ہو۔ پھر شاگردوں کے پاس آکر ان کو سوتے پایا اور پطرس سے کہا کیا تم میرے ساتھ ایک گھڑی بھی نہ جاگ

---

(۱) عربی میں یہاں لفظ سید ہے (مترجم)

سکے ؟ جاگو اور دعا کرو تا کہ آزمائش میں نہ پڑو' روح تو مستعد ہے' مگر جسم کمزور ہے' پھر دوبارہ اس نے جا کر یوں دعا کی کہ اے میرے باپ! اگر یہ (پیالہ) میرے پیئے بغیر نہیں ٹل سکتا تو تیری مرضی پوری ہو' اور آکر انہیں پھر سوتے پایا' کیونکہ ان کی آنکھیں نیند سے بھری تھیں' اور ان کو چھوڑ کر پھر چلا گیا اور پھر وہی بات کہہ کر تیسری بار دعا کی' تب شاگردوں کے پاس آکر ان سے کہا : اب سوتے رہو اور آرام کرو' دیکھو! وقت آ پہنچا ہے اور ابن آدم گنہگاروں کے حوالہ کیا جاتا ہے ' اٹھو! چلیں' دیکھو! میرا پکڑوانے والا نزدیک آ پہنچا ہے"۔

اسی جیسے فقرات لوقا' باب ۲۲' فقرہ ۳۹ تا ۴۶ میں بھی آئے ہیں' ان فقروں میں حضرت مسیح کے جو اقوال و احوال درج ہیں وہ قطعی طور پر دلالت کرتے ہیں کہ وہ اللہ کے بندے تھے' الٰہ یا اللہ کے بیٹے نہ تھے۔ کیونکہ جو غمگین و بے قرار ہو' انتہائی تضرع کے ساتھ نماز و دعا کرے اور مر جائے' وہ مخلوق بشر ہو گا' خالق اِلٰہ نہ ہو گا۔

فصل سوم

الوہیت مسیح پر نقلی دلائل کا ابطال

عیسائی الوہیت مسیح پر اناجیل میں آئی ہوئی بعض نقول سے استدلال کرتے ہیں، جن میں سے بیشتر انجیل یوحنا میں ہے۔ ذیل میں ہم ان کے دلائل اور ان کا رد پیش کر رہے ہیں۔

عیسائیوں کی پہلی دلیل: حضرت مسیح علیہ السلام کو "اللہ کا بیٹا" کہا گیا ہے۔

جواب: یہ دلیل دو وجہوں سے باطل ہے:

اول: اس لئے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کو "انسان کا بیٹا" اور "داود کا بیٹا" بھی کہا گیا ہے اور یہ "اللہ کا بیٹا" کہے جانے کے منافی ہے۔ ان کو "انسان کا بیٹا" کہے جانے کے لئے مثال کے طور پر دیکھئے: انجیل متی، باب ۸، فقرہ ۲۰، باب ۹، فقرہ ۶، باب ۱۶، فقرہ ۱۳، ۲۷، باب ۱۷، فقرہ ۹، ۱۲، ۲۲، باب ۱۸، فقرہ ۱۱، باب ۱۹، فقرہ ۲۸، باب ۲۰، فقرہ ۱۸، ۲۸، باب ۲۴، فقرہ ۲۷، باب ۲۶، فقرہ ۲۴، ۴۵ اور ۶۴۔

اور حضرت مسیح کو "داود کا بیٹا" کہے جانے کے لئے مثال کے طور پر دیکھئے: انجیل متی، باب ۹، فقرہ ۲۷، باب ۱۲، فقرہ ۲۳، باب ۱۵، فقرہ ۲۲، باب ۲۰، فقرہ ۳۰، ۳۱، باب ۲۱، فقرہ ۹، ۱۵، باب ۲۲، فقرہ ۴۲، اور انجیل مرقس، باب ۱۰، فقرہ ۴۷، ۴۸، اور انجیل لوقا، باب ۱۸، فقرہ ۳۸، ۳۹۔

اسی طرح حضرت مسیح علیہ السلام کا سلسلہ نسب جو انہیں حضرت داود علیہ السلام کی طرف منسوب کرتا ہے، پھر حضرت یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہم السلام تک لے جاتا ہے، وہ انجیل متی، باب ۱، فقرہ ۱ تا ۱۷ میں، اور انجیل لوقا، باب ۳، فقرہ ۲۳ تا ۳۴ میں

مذکور ہے۔ تو جب مسیح علیہ السلام کا نسب ان مذکورہ انبیاء کی طرف جاتا ہے جو انسان یعنی آدم علیہ السلام کی نسل سے ہیں تو کوئی شک نہیں رہ جاتا کہ حضرت مسیح انسان کے بیٹے ہیں، اور ظاہر ہے کہ انسان کا بیٹا انسان ہی ہوگا، ابن اللہ نہیں ہوگا۔

دوم :۔ابن اللہ میں لفظ ابن (بیٹا) کو اس کے معنی حقیقی میں لینا صحیح نہیں، کیونکہ لفظ ابن کا حقیقی معنی سارے اہل دنیا کی لغت میں بالاتفاق یہ ہے کہ جو ماں باپ کے نطفے سے پیدا ہوا ہو، اور یہ معنی یہاں محال ہے، لہذا ضروری ہے کہ اسے ایسے معنی مجازی پر محمول کریں جو حضرت مسیح علیہ السلام کی شایان شان ہو، یعنی صالح اور راستباز انسان۔

اور اس معنی مجازی کی دلیل صوبے دار (سو کے کمانڈر) کا وہ قول ہے جو انجیل مرقس اور انجیل یوحنا میں آیا ہے، انجیل مرقس باب ۱۵، فقرہ ۳۹ میں ہے : "(صوبہ دار نے) کہا بیشک یہ آدمی خدا کا بیٹا ہے"۔ اور انجیل لوقا، باب ۲۳، فقرہ ۴۷ میں ہے کہ : "یہ ماجرا دیکھ کر صوبہ دار نے خدا کی تمجید کی اور کہا بیشک یہ آدمی راستباز تھا"۔

دیکھئے یہاں لوقا کے نزدیک لفظ "راستباز" مرقس کے لفظ "ابن اللہ" کی جگہ آیا ہے، اور گو کہ دونوں لفظوں کا یہ تناقض الوہیت مسیح ثابت کرنے کے لئے اناجیل میں کی جانے والی مسلسل تحریف کے نتیجہ میں ہے، لیکن اس سے صرف نظر کر کے دونوں لفظ صحیح تسلیم کر لئے جائیں تو یہ اس بات کی دلیل ہیں کہ نیک اور راستباز انسان پر "ابن اللہ" کا لفظ بولنا صحیح ہے، بالخصوص دونوں جگہ پر یہ آیا ہے کہ صوبہ دار نے حضرت مسیح کو انسان کہا۔

اناجیل میں "ابن اللہ" کا لفظ مسیح کے علاوہ دوسرے نیک لوگوں پر بھی بولا گیا ہے، اسی طرح "ابن ابلیس" کا لفظ بدکار لوگوں پر بولا گیا ہے، چنانچہ انجیل متی، باب ۵، فقرہ ۹، ۴۴، ۴۵ میں ہے : "(۹) مبارک ہیں وہ جو صلح کراتے ہیں، کیونکہ وہ خدا کے بیٹے کہلائیں گے۔ (۴۴) لیکن میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ اپنے دشمنوں سے محبت رکھو، اور اپنے ستانے

والوں کے لئے دعا کرو۔[1] (۴۵) تاکہ تم اپنے باپ کے جو آسمان پر ہے بیٹے ٹھہرو"۔

اس میں دیکھئے کہ عیسیٰ علیہ السلام نے صلح کرانے والوں اور مذکورہ عمل کرنے والے نیکو کاروں کو اللہ کا بیٹا کہا ہے اور اللہ کو ان کا باپ کہا ہے۔

مسیح علیہ السلام اور یہود کے درمیان ایک مکالمہ ہوا' اس کے بعض فقروں کا اقتباس انجیل یوحنا' باب ۸' فقرہ ۴۱' ۴۲ اور ۴۴ سے پیش کر رہا ہوں:

"تم اپنے باپ کے سے کام کرتے ہو' انہوں نے اس سے کہا: ہم حرام سے پیدا نہیں ہوئے' ہمارا ایک باپ ہے' یعنی خدا۔ یسوع نے ان سے کہا اگر خدا تمہارا باپ ہوتا تو تم مجھ سے محبت رکھتے...... تم اپنے باپ ابلیس سے ہو اور اپنے باپ کی خواہشوں کو پورا کرنا چاہتے ہو...... کیونکہ وہ جھوٹا ہے' بلکہ جھوٹ کا باپ ہے"۔

دیکھئے یہاں یہود نے دعویٰ کیا کہ وہ اللہ کے بیٹے ہیں' یعنی صالح اور اللہ کے فرمانبردار ہیں' اور مسیح علیہ السلام نے ان کا رد کرتے ہوئے کہا کہ وہ جھوٹے ہیں' شیطان کے فرمانبردار ہیں۔

لہٰذا وہ شیطان کے بیٹے ہیں' کیونکہ شیطان جھوٹا ہے اور جھوٹوں کا باپ ہے۔ اور کوئی شک نہیں کہ اللہ یا شیطان کوئی بھی حقیقی معنوں میں ان کا باپ نہیں' اس لئے معنی مجازی پر محمول کرنا ضروری ہے' اور اس ضروری ہونے کی بہت سے فقرے تائید کرتے ہیں' جن میں سے یوحنا کے پہلے خط کے باب ۳ کے فقرے ۸' ۹' ۱۰ ہیں جو یہ ہیں: "جو شخص گناہ کرتا ہے وہ ابلیس سے ہے' کیونکہ ابلیس شروع سے گناہ کرتا رہا ہے...... جو کوئی خدا سے

---

(۱) عربی میں یہ فقرہ (۴۴) اس طرح ہے: "لیکن میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ اپنے دشمنوں سے محبت رکھو' اپنے لعنت کرنے والوں کو برکت دو' اپنے بغض رکھنے والوں سے بھلائی کرو اور اپنے ستانے والوں اور بھگانے والوں کے لئے دعا کرو" (مترجم)

پیدا ہوا ہے وہ گناہ نہیں کرتا' کیونکہ اس کا تخم اس میں بنا رہتا ہے' بلکہ وہ گناہ کر ہی نہیں سکتا' کیونکہ خدا سے پیدا ہوا ہے' اسی سے خدا کے فرزند اور ابلیس کے فرزند ظاہر ہوتے ہیں"۔

اور انہیں فقرات میں سے یوحنا کے پہلے خط' باب ۴ کا یہ فقرہ ۷ ہے: اور جو کوئی محبت رکھتا ہے وہ خدا سے پیدا ہوا ہے اور خدا کو جانتا ہے"۔

اور انہیں میں سے یوحنا کے پہلے خط' باب ۵ کے یہ فقرے ۱' ۲ ہیں: "جس کا یہ ایمان ہے کہ یسوع ہی مسیح ہے وہ خدا سے پیدا ہوا ہے اور جو کوئی والد سے محبت رکھتا ہے وہ اس کی اولاد سے بھی محبت رکھتا ہے' جب ہم خدا سے محبت رکھتے اور اس کے حکموں پر عمل کرتے ہیں تو اس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ خدا کے فرزندوں سے بھی محبت رکھتے ہیں"۔

اور انہیں میں سے رومیوں کے نام پولس کے خط' باب ۸ کا یہ فقرہ ۱۴ ہے: "اس لئے کہ جتنے خدا کے روح کی ہدایت سے چلتے ہیں وہی خدا کے بیٹے ہیں"۔

اور انہیں میں سے فلپیوں کے نام پولس کے خط' باب ۲ کے یہ دو فقرے ۱۴' ۱۵ ہیں: "سب کام شکایت اور تکرار بغیر کیا کرو' تاکہ تم بے عیب اور بھولے ہو کر ٹیڑھے اور کجرو لوگوں میں خدا کے بے نقص فرزند بنے رہو"۔

کوئی شک نہیں کہ سابقہ فقروں میں جن کا ذکر ہے ان میں سے کوئی بھی حقیقۃً اللہ کی اولاد نہیں ہے' اس لئے معنی مجازی پر محمول کرنا ضروری ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ انسان پر اللہ کے بیٹے کا اطلاق اور اللہ پر باپ کا اطلاق عہد قدیم اور عہد جدید (بائبل) کی کتابوں میں بے شمار جگہوں پر آیا ہے۔

چنانچہ انجیل لوقا' باب ۳' فقرہ ۳۸ میں آدم علیہ السلام کو "اللہ کا بیٹا" کہا گیا ہے۔

کتاب خروج' باب ۴' فقرہ ۲۲ میں اسرائیل کو "اللہ کا پہلوٹھا بیٹا" کہا گیا ہے۔

زبور کے مزمور ۸۹، فقرہ ۲۶، ۲۷ میں داود علیہ السلام کو "پہلوٹھا" اور اللہ کو ان کا "باپ" کہا گیا ہے۔

کتاب یرمیاہ، باب ۳۱، فقرہ ۹ میں افرائیم کو "پہلوٹھا" اور اللہ کو "اسرائیل کا باپ" کہا گیا ہے۔

کتاب سموئیل دوم، باب ۷، فقرہ ۱۴ میں حضرت سلیمان علیہ السلام کو "اللہ کا بیٹا" اور اللہ کو ان کا "باپ" کہا گیا ہے۔

لہٰذا اگر مسیح پر "بیٹا" کا لفظ بولا جانا "الوہیت" کا سبب ہو تو آدم اور اسرائیل اور افرائیم اور داود اور سلیمان علیہم السلام مسیح سے زیادہ الوہیت کے حقدار ہوں گے، کیونکہ وہ حضرت مسیح کے آباء واجداد ہیں اور اس لئے بھی کہ ان میں سے تین کو پہلوٹھا بیٹا کہا گیا ہے۔

اور کئی جگہ پر "اللہ کے بیٹے" کا لفظ سارے بنی اسرائیل پر بولا گیا ہے۔ مثلاً کتاب استثناء، باب ۱۴، فقرہ ۱، باب ۳۲، فقرہ ۱۹، اور کتاب یسعیاہ باب ۱، فقرہ ۲، باب ۳۰، فقرہ ۱، باب ۶۳، فقرہ ۸ اور کتاب ہوسیع، باب ۱، فقرہ ۱۰۔

اور کتاب پیدائش، باب ۶، فقرہ ۲، ۴ میں "اللہ کے بیٹوں" کا لفظ اولاد آدم پر بولا گیا ہے۔ اور کتاب یسعیاہ، باب ۶۳، فقرہ ۱۶، باب ۶۴، فقرہ ۸ میں اللہ کو تمام بنی اسرائیل کا باپ کہا گیا ہے۔

اور کتاب ایوب، باب ۳۸، فقرہ ۷ میں ہے: "اور خدا کے سب بیٹے خوشی سے للکارتے تھے"۔

اور زبور کے مزمور ۶۸، فقرہ ۵ میں ہے: "خدا اپنے مقدس مکان میں یتیموں کا باپ اور بیواؤں کا دادرس ہے"۔

ان تمام فقروں میں معنی مجازی لینا ضروری ہے، اور اہل کتاب میں سے کوئی بھی قائل

نہیں کہ مذکورہ اطلاق اپنی حقیقت پر سمجھے جاتے ہیں۔ تو جس طرح آدم اور ان کی اولاد اور یعقوب اور فرائیم اور داود اور سلیمان اور تمام بنی اسرائیل اور تمام یتیموں کی الوہیت کا اعتقاد درست نہیں' اسی طرح بعض الفاظ جن سے حقیقت مراد نہیں لی جاتی ان کے اطلاق کی وجہ سے حضرت مسیح کی الوہیت کا اعتقاد بھی درست نہیں۔

عیسائیوں کی دوسری دلیل : یہ بات جو آئی ہے کہ مسیح اوپر سے ہیں' اس دنیا سے نہیں ہیں' چنانچہ انجیل یوحنا' باب ۸' فقرہ ۲۳ میں حضرت مسیح کا یہ قول آیا ہے کہ : "اس نے ان سے کہا تم نیچے کے ہو' میں اوپر کا ہوں' تم دنیا کے ہو' میں دنیا کا نہیں ہوں"۔

عیسائی سمجھتے ہیں کہ یہ قول دلالت کرتا ہے کہ مسیح الٰہ ہیں' اور وہ الٰہ باپ جو اس دنیا سے نہیں ہے اس کے پاس سے نازل ہوئے ہیں۔

لیکن یہ تاویل صحیح نہیں اور ظاہر کے بھی مخالف ہے' کیونکہ عیسیٰ علیہ السلام حقیقۃً اسی دنیا سے تھے۔ ان کی اس تاویل کا رد دو طریقوں سے ہے :

اول : یہ تاویل عقلی براہین اور صریح نصوص کے خلاف ہے۔

دوم : عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے شاگردوں کے حق میں بھی ایسی ہی بات کہی ہے۔

چنانچہ انجیل یوحنا' باب ۱۵' فقرہ ۱۹ میں ہے : "اگر تم دنیا کے ہوتے تو دنیا اپنوں کو عزیز رکھتی' لیکن چونکہ تم دنیا کے نہیں' بلکہ میں نے تم کو دنیا میں سے چن لیا ہے' اس واسطے دنیا تم سے عداوت رکھتی ہے۔"

اور انجیل یوحنا' باب ۱۷' فقرہ ۱۴' ۱۶ میں ہے : "(۱۴) اور دنیا نے ان سے عداوت رکھی' اس لئے کہ جس طرح میں دنیا کا نہیں وہ بھی دنیا کے نہیں۔ (۱۶) جس طرح میں دنیا کا نہیں' وہ بھی دنیا کے نہیں"۔

ان فقروں میں حضرت مسیح علیہ السلام نے اپنے درمیان اور اپنے شاگردوں کے

درمیان اس دنیا سے نہ ہونے میں برابری قرار دی ہے۔ لہٰذا اگر یہ قول حضرت مسیح کی الوہیت کو مستلزم ہوتا- جیساکہ عیسائی کہتے ہیں- تو سارے شاگردوں کا بھی الٰہ ہونا لازم آتا' اور چونکہ عیسائی شاگردوں کی الوہیت کے منکر ہیں' اس لئے ثابت ہوا کہ یہ تاویل باطل ہے' اور صحیح یہ ہے کہ مسیح علیہ السلام اور ان کے شاگرد اس دنیائے دنی کے طلبگار نہ تھے' بلکہ آخرت اور اللہ کی رضا کے طلبگار تھے' اور یہ مجاز لغات میں عام ہے' چنانچہ زاہدوں اور صالحین کو کہا جاتا ہے کہ وہ اس دنیا کے لوگ نہیں ہیں۔

عیسائیوں کی تیسری دلیل : یہ جو وارد ہے کہ مسیح اور باپ ایک ہیں' چنانچہ انجیل یوحنا' باب ۱۰' فقرہ ۳۰ میں حضرت مسیح کا یہ قول آیا ہے کہ : "میں اور باپ ایک ہیں"۔

یہ قول- عیسائیوں کے خیال میں- اللہ کے ساتھ مسیح کے اتحاد پر دلالت کرتا ہے' لہٰذا وہ بھی اللہ کی طرح الٰہ ہیں۔

یہ تاویل بھی دو وجہوں سے باطل ہے :

اول : اس لئے کہ مسیح علیہ السلام عیسائیوں کے نزدیک بھی نفس ناطقہ والے انسان ہیں اور اس اعتبار سے اللہ کے ساتھ متحد نہیں ہیں' کیونکہ عیسائی کہتے ہیں کہ حضرت مسیح اللہ کے ساتھ اپنے لاہوت کے اعتبار سے متحد ہیں' اپنے ناسوت کے اعتبار سے نہیں' اور چونکہ ان کے نزدیک مسیح کا نام لاہوت اور ناسوت پر ایک ساتھ بولا جاتا ہے اس لئے ان کی گذشتہ تاویل باطل ہو گئی۔

دوم : اس لئے کہ ایسا ہی قول حواریوں کے حق میں بھی آیا ہے' چنانچہ انجیل یوحنا' باب ۱۷' فقرہ ۲۱ تا ۲۳ میں ہے : "تاکہ وہ سب ایک ہوں' یعنی جس طرح اے باپ! تو مجھ میں ہے اور میں تجھ میں ہوں' وہ بھی ہم میں ہوں' اور دنیا ایمان لائے کہ تو ہی نے مجھے بھیجا' اور وہ جلال جو تو نے مجھے دیا ہے میں نے انہیں دیا ہے تاکہ وہ ایک ہوں' جیسے ہم ایک ہیں'

میں ان میں اور تو مجھ میں' تاکہ وہ کامل ہو کر ایک ہو جائیں اور دنیا جانے کہ تو ہی نے مجھے بھیجا' اور جس طرح کہ تو نے مجھ سے محبت رکھی ان سے بھی محبت رکھی"۔

ان فقروں میں جو اقوال آئے ہیں وہ دلالت کرتے ہیں کہ یہ لوگ باہم متحد تھے اور حضرت مسیح کے ساتھ بھی متحد تھے اور حضرت مسیح نے اللہ کے ساتھ اپنے اتحاد کو اور ان کے باہمی اتحاد کو مساوی قرار دیا' اور ظاہر ہے کہ ان کا باہمی اتحاد حقیقی نہیں ہے' لہذا اسی طرح اللہ کے ساتھ حضرت مسیح کا اتحاد بھی حقیقی نہیں ہے' بلکہ اس اتحاد کا صحیح معنی ہے اللہ کے احکام کی اطاعت اور اعمال صالحہ کی بجا آوری' اور اس معنی میں حضرت مسیح اور حوارین اور تمام اہل ایمان مشترک ہیں' فرق صرف قوت اور ضعف کا ہے' اور کوئی شک نہیں کہ اللہ کے لئے حضرت مسیح کی اطاعت اور کمال عبودیت ان کے شاگردوں کی اطاعت سے زیادہ قوی اور پر زور ہے' اور یہاں وحدت سے مقصود یہ ہے کہ ان کی مراد اور ان کا معاملہ متفق ہے' چنانچہ وہ سب اللہ کے احکام کی بجا آوری اور اس کی محبت و اطاعت میں ایک ہیں' اور جس طرح اس سے حواریوں کی ذات کا آپس میں یا حضرت مسیح کے ساتھ ایک ہونا نہیں سمجھا جاتا اسی طرح حضرت مسیح کی ذات کا اللہ کی ذات کے ساتھ ایک ہونا نہیں سمجھا جا سکتا۔

عیسائیوں کی چوتھی دلیل: یہ جو آیا ہے کہ مسیح کو دیکھنا اللہ کو دیکھنا ہے' کیونکہ وہ باپ میں ہیں اور باپ ان میں ہے۔ چنانچہ انجیل یوحنا' باب ۱۴' فقرہ ۹' ۱۰ میں ہے: "جس نے مجھے دیکھا اس نے باپ کو دیکھا' تو کیونکر کہتا ہے کہ باپ کو ہمیں دکھا؟ کیا تو یقین نہیں کرتا کہ میں باپ میں ہوں اور باپ مجھ میں ہے؟ یہ باتیں جو میں تم سے کہتا ہوں اپنی طرف سے نہیں کہتا' لیکن باپ مجھ میں رہ کر اپنا کام کرتا ہے"۔

یہ کلام عیسائیوں کے خیال میں الوہیت مسیح پر دلالت کرتا ہے' کیونکہ ان کو دیکھنا اللہ کو

دیکھنا ہے اور اللہ ان کے اندر حلول کئے ہوئے ہے۔

یہ استدلال بھی دو وجہوں سے باطل ہے :

اول :اس لئے کہ خود ان کی کتابوں کی نص کے مطابق دنیا میں اللہ کو دیکھنا محال ہے' لہٰذا مسیح کو دیکھنا حقیقتہً اللہ کو دیکھنا نہیں ہو سکتا۔ یہ لوگ دیکھنے کی تاویل معرفت سے کرتے ہیں' لیکن جسمانی اعتبار سے مسیح کی معرفت بھی اتحاد کا فائدہ نہیں دے سکتی۔ اس لئے صحیح یہ ہے کہ جو افعال حضرت مسیح کرتے تھے انہیں جس نے دیکھ لیا اس نے گویا اللہ کے افعال دیکھ لئے' کیونکہ وہ اللہ کے امر اور ارادے سے ہوئے ہیں۔

دوم : ایسا ہی قول شاگردوں کے حق میں بھی آیا ہے' چنانچہ انجیل یوحنا' باب ۱۴' فقرہ ۲۰ میں ہے : "اس روز تم جانو گے کہ میں اپنے باپ میں ہوں' اور تم مجھ میں اور میں تم میں"۔

اور انجیل یوحنا' باب ۱۷' فقرہ ۲۱ میں ہے : "جس طرح اے باپ! تو مجھ میں ہے اور میں تجھ میں ہوں' وہ بھی ہم میں ہوں"۔

کرنتھیوں کے نام پولس کے پہلے خط کے باب ۶' فقرہ ۱۹ میں ہے : "کیا تم نہیں جانتے کہ تمہارا بدن روح القدس کا مقدس ہے' جو تم میں بسا ہوا ہے اور تم کو خدا کی طرف سے ملا ہے اور تم اپنے نہیں"۔

اور کرنتھیوں کے نام پولس کے دوسرے خط کے باب ۶' فقرہ ۱۶ میں ہے : "کیونکہ تم زندہ خدا کا مقدس ہو"[1]

اور افسیوں کے نام پولس کے خط کے باب ۴' فقرہ ۶ میں ہے : "اور سب کا خدا اور باپ ایک ہی ہے' جو سب کے اوپر اور سب کے درمیان اور سب کے اندر ہے"۔

---

(۱) اردو نسخہ میں ہے : "کیونکہ ہم زندہ خدا کا مقدس ہیں" (مترجم)

اب اگر اس طرح کا کلام حلول اور اتحاد کو بتلاتا اور الوہیت ثابت کرتا تو لازم آتا کہ سارے حواری اور تمام کرنتھی اور تمام افسی الٰہ ہوں۔ حق یہ ہے کہ ان فقروں کا صحیح معنی یہ ہے کہ کسی کے اندر اللہ کے حلول' یا اللہ کے اندر کسی کے حلول' اسی طرح مسیح کے اندر کسی کے حلول' یا کسی کے اندر مسیح کے حلول کا مطلب ہے ان کے حکم کی اطاعت کرنا' پس مسیح کی معرفت واطاعت بمنزلہ اللہ کی معرفت واطاعت کے ہے۔

قارئین محترم کو معلوم ہونا چاہئے کہ سابقہ اقوال ٹھوس الزامی جواب کے لئے اور مسیح علیہ السلام کو الٰہ قرار دینے کی خاطر ان کی جو تاویلات ہیں ان کا بطلان ثابت کرنے کے لئے صحیح فرض کر کے نقل کئے گئے ہیں' ورنہ ہم مسلمان قطعاً یہ یقین نہیں رکھتے کہ یہ سب جو اناجیل میں آیا ہے وہ حضرت مسیح یا حواریوں کا قول ہے' کیونکہ چاروں اناجیل سمیت ان کی کل کتابوں کی سندوں کا ناپید ہونا ثابت ہو چکا ہے' اور ہمارا اسلامی عقیدہ یہ ہے کہ مسیح علیہ السلام اور ان کے حوارییں ان کافرانہ عقائد سے بری ہیں' اور ہم شہادت دیتے ہیں کہ اللہ کے علاوہ کوئی الٰہ (لائق عبادت ہستی) نہیں' وہ تنہا ہے' اس کا کوئی شریک نہیں' اور محمد۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ اللہ کے بندے اور رسول ہیں' اور عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بندے اور رسول ہیں' اور حوارییں عیسیٰ علیہ السلام کے پیغام رساں تھے۔

تیسرا باب

قرآن کریم کے کلام اللہ اور معجز ہونے کا اثبات اور قرآن اور احادیث نبویہ شریفہ پر پادریوں کے شبہات کا رد

یہ باب دو فصلوں پر مشتمل ہے :

فصل اول : ان امور کے بیان میں جو دلالت کرتے ہیں کہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور قرآن کریم پر پادریوں کے شبہات کے رد میں۔

فصل دوم : احادیث نبویہ پر پادریوں کے شبہات کے رد میں۔

فصل اول

ان امور کے بیان میں جو دلالت کرتے ہیں کہ قرآن کریم اللہ کا کلام ہے اور قرآن کریم پر پادریوں کے شبہات کے رد میں

پہلی بات : قرآن کریم بلاغت کے ایسے بلند درجے پر ہے جس کی مثال کلام عرب میں معہود نہیں اور جس سے ان کی بلاغت کے درجات قاصر ہیں۔ بلاغت کا مطلب یہ ہے کہ پسندیدہ لفظ سے' بیان میں کسی کمی بیشی کے بغیر' موقعہ کلام کے مناسب معنیٰ کی تعبیر کی جائے۔ قرآن کریم کے بلند درجہ بلاغت پر ہونے کی دلالت کئی وجہوں سے ہے :

پہلی وجہ : عرب و عجم کی فصاحت چاہے وہ شعراء ہوں یا کتاب (ادباء) ہوں زیادہ تر مشاہدات کے وصف میں ہے' مثلاً اونٹ' یا گھوڑے' یا لونڈی' یا بادشاہ' یا نیزہ زنی' یا چھاپے' یا جنگ کا وصف۔ اور اس قسم کی چیزوں میں بلاغت کا دائرہ بہت وسیع ہے' کیونکہ اکثر لوگوں کی طبیعت ان چیزوں کی طرف مائل ہوتی ہے' اور کبھی شاعر یا ادیب سے کوئی نیا مضمون یا لطیف نکتہ بھی ظاہر ہو جاتا ہے اور بعد کا جستجو کرنے والا پہلے والے کی دقت پسندیوں پر عموماً واقف ہوتا ہے' مگر قرآن کریم ان اشیاء کے بیان میں نہیں ہے' پھر بھی اس میں ایسی فصاحت و بلاغت ہے جس سے عرب کو اپنے کلام میں سابقہ ہی نہیں ہوا۔

دوسری وجہ : مختلف اغراض و موضوعات میں عرب کی فصاحت جھوٹ سے خالی نہیں' حتیٰ کہ کہا جاتا ہے کہ سب سے اچھا شعر وہ ہے جو سب سے زیادہ جھوٹا ہو' مگر قرآن انتہائی فصیح بھی ہے اور اپنی ہر بات میں سچا اور جھوٹ سے پاک بھی ہے۔

تیسری وجہ : شاعر کبھی اپنے کسی قصیدے کے ایک دو شعر کی وجہ سے فصاحت کی طرف منسوب ہو جاتا ہے' جبکہ بقیہ قصیدہ ویسا نہیں ہوتا' لیکن قرآن کریم کل کا کل

انتہائی فصاحت کے ساتھ آیا ہے جس سے مخلوق عاجز ہے۔ جو شخص سورۂ یوسف نیز یوسف علیہ السلام کے قصہ پر غور کرے اسے معلوم ہو جائے گا کہ یہ طویل ہونے کے باوجود بلاغت کے انتہائی درجہ پر ہے۔

چوتھی وجہ : شاعر یا ادیب جب کوئی مضمون یا قصہ مکرر لاتا ہے تو اس کا دوسرا کلام پہلے جیسا نہیں ہوتا' جبکہ انبیاء کے قصوں' ابتدائے خلق اور حشر و نشر کے احوال' اور احکام و صفات الٰہیہ کے بارے میں قرآنی مضامین مکرر آئے ہیں' اور اختصار اور طول اور غیبت اور خطاب کے اعتبار سے ان کے عبارتیں مختلف ہیں' تاہم یہ سارے مضامین انتہائی فصیح ہیں اور بالکل فرق ظاہر نہیں ہوا ہے۔

پانچویں وجہ : قرآن کریم میں اوامر و نواہی ہیں' عبادتوں کا ایجاب اور برائیوں کی تحریم ہے' مکارم اخلاق پر اور آخرت کے لئے عمل کرنے اور اسے دنیا پر مقدم کرنے پر ابھارا گیا ہے' اور یہ سب انتہائی فصاحت و بلاغت کے ساتھ ہے' جبکہ معلوم ہے کہ اس طرح کے امور فصاحت کم کر دیتے ہیں۔ اسی لئے جب کسی فصیح شاعر یا بلیغ کاتب سے کہا جائے کہ وہ فقہ یا عقائد کے بعض مسائل فصیح عبارت میں لکھے جو بلیغ تشبیہات اور دقیق استعارات پر مشتمل ہو' تو وہ اس سے عاجز رہ جاتا ہے۔

چھٹی وجہ : ہر شاعر کا کلام کسی ایک فن میں عمدہ ہوتا ہے اور اس کے علاوہ فنون میں کمزور ہوتا ہے' لیکن قرآن کریم ہر فن میں انتہائی فصاحت کے ساتھ آیا ہے' چاہے وہ ترغیب ہو یا تربیت' ڈانٹ ہو یا وعظ یا کچھ اور۔ ذیل میں بعض مثالیں ملاحظہ ہوں :

ترغیب کے باب میں سورۃ السجدہ' آیت ۱۷ میں اللہ کا ارشاد ہے :

﴿ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ أُخْفِيَ لَهُم مِّن قُرَّةِ أَعْيُنٍ ﴾

کسی کو معلوم نہیں کہ ان کے لئے آنکھوں کی ٹھنڈک کے کیا کیا سامان چھپا رکھے

گئے ہیں۔

ترہیب کے باب میں سورۂ ابراہیم' آیت ۱۵ تا ۱۷ میں اللہ کا ارشاد ہے :

﴿ وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيدٍ ۞ مِّن وَرَآئِهِ جَهَنَّمُ وَيُسْقَىٰ مِن مَّآءٍ صَدِيدٍ ۞ يَتَجَرَّعُهُ وَلَا يَكَادُ يُسِيغُهُ وَيَأْتِيهِ الْمَوْتُ مِن كُلِّ مَكَانٍ وَمَا هُوَ بِمَيِّتٍ ۖ وَمِن وَرَآئِهِ عَذَابٌ غَلِيظٌ ﴾

اور ہر اکڑ فوں کرنے والا اڑیل ناکام ہوا' اس کے پیچھے جہنم ہوگی اور اسے پیپ کا پانی پلایا جائے گا' جسے وہ گھونٹ گھونٹ پئے گا اور بمشکل گلے سے اتار سکے گا' اور اسے ہر طرف سے موت آئے گی لیکن وہ مر نہیں سکے گا اور اس کے پیچھے ایک اور سنگین عذاب ہوگا۔

زجر و توبیخ کے باب میں سورۃ العنکبوت' آیت ۴۰ میں اللہ کا ارشاد ہے :

﴿ فَكُلًّا أَخَذْنَا بِذَنبِهِ ۖ فَمِنْهُم مَّنْ أَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا وَمِنْهُم مَّنْ أَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ وَمِنْهُم مَّنْ خَسَفْنَا بِهِ الْأَرْضَ وَمِنْهُم مَّنْ أَغْرَقْنَا ﴾

تو ہر ایک کو ہم نے اس کے گناہ کے سبب پکڑ لیا' چنانچہ ان میں سے بعض پر ہم نے پتھر بھیج برسایا اور ان میں سے بعض کو چنگھاڑ نے پکڑ لیا اور ان میں سے بعض کو ہم نے زمین میں دھنسا دیا اور ان میں سے بعض کو ہم نے غرق کر دیا۔

وعظ کے باب میں سورۃ الشعراء' آیت ۲۰۴ تا ۲۰۷ میں اللہ کا ارشاد ہے :

﴿ أَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُونَ ۞ أَفَرَأَيْتَ إِن مَّتَّعْنَاهُمْ سِنِينَ ۞ ثُمَّ جَاءَهُم مَّا كَانُوا يُوعَدُونَ ۞ مَا أَغْنَىٰ عَنْهُم مَّا كَانُوا يُمَتَّعُونَ ﴾

کیا یہ ہمارے عذاب کے لئے جلدی مچا رہے ہیں' اچھا تو یہ دیکھو کہ اگر ہم انہیں

سالہا سال (دنیا سے) نوازتے رہیں پھر انہیں (عذاب) جس کی دھمکی دی جارہی ہے وہ ان کے پاس آپڑے تو جس سے یہ نوازے جارہے تھے وہ انہیں کچھ کام دے سکے گا؟

اللہ تعالیٰ کے وصف کے باب میں سورۃ الرعد' آیت ۸' ۹ میں اللہ کا ارشاد ہے :

﴿ اَللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ اُنْثٰى وَمَا تَغِيْضُ الْاَرْحَامُ وَمَا تَزْدَادُ ؕ وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهٗ بِمِقْدَارٍ ۞ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْكَبِيْرُ الْمُتَعَالِ ﴾

اللہ جانتا ہے ہر مادہ کے حمل کو' اور بچہ دانیوں کے سکڑنے اور بڑھنے کو اور ہر چیز اس کے نزدیک (مقررہ) انداز سے ہے' وہ غائب و حاضر کو جاننے والا' بڑا اور بلند ہے۔

ساتویں وجہ : ایک مضمون سے دوسرے مضمون اور ایک قصے سے دوسرے قصے کی طرف منتقل ہونا اور مختلف اشیاء کے بیان پر کلام کا مشتمل ہونا' اجزائے کلام کے درمیان ربط کی عمدگی کو ضائع کر دیتا ہے اور کلام کو بلاغت کے بلند درجہ سے ساقط کر دیتا ہے' اور قرآن کریم میں ایک قصے سے دوسرے قصے کی جانب اور ایک مضمون سے دوسرے مضمون کی جانب انتقال موجود ہے' ساتھ ہی وہ امر و نہی' وعد و وعید' اللہ کی توحید' اس کی صفات کے بیان' نبوتوں کے اثبات' ترغیب و ترہیب اور ضرب الامثال وغیرہ پر مشتمل ہے' لیکن اس کے باوجود اس میں کمال ربط ہے اور ساتھ ہی ایسے بلند درجے کی بلاغت ہے جو عرب کے جانے پہچانے ہوئے معیار سے بالا ہے' یہاں تک کہ اس میں ان کے بلغاء کی عقلیں بھی دنگ ہیں۔

آٹھویں وجہ : قرآن کریم تھوڑے الفاظ لاتا ہے جو زیادہ معانی پر مشتمل ہوتے ہیں'

مثلاً سورہ ص کے شروع میں کفار کی خبریں' ان سے پہلے کی امتوں کی ہلاکت کا حوالہ دے کر ان کی توبیخ' محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی مخالفت اور تکذیب' آپ کی لائی ہوئی بات پر ان کا تعجب' ان کے بڑوں کا کفر پر اجماع' ان کی بات میں حسد کا ظہور' انہیں دنیا اور آخرت کی رسوائی کی دھمکی' ان سے پہلے کی امتوں کی تکذیب اور اللہ کی طرف سے ان کی ہلاکت' قریش اور قریش جیسوں کو انہیں کی طرح کے انجام کی دھمکی' نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی اذیت پر صبر کرنے کی تلقین اور آپ سے پہلے کے انبیاء کے واقعات کے ذریعہ آپ کی تسلی' یہ ساری باتیں تھوڑے سے الفاظ میں آگئی ہیں جو بہت سے معانی کو متضمن ہیں۔

اسی طرح سورۃ البقرہ' آیت ۱۷۹ میں اللہ کا یہ ارشاد ہے :

﴿ وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ ﴾

تمہارے لئے قصاص میں زندگی ہے۔

اس ارشاد کے الفاظ تھوڑے ہیں' معنی بہت ہے' اور یہ بلاغت کے ساتھ ساتھ دو متقابل معنوں پر مشتمل ہے' یعنی قصاص اور زندگی' اور اس قدرت پر بھی مشتمل ہے کہ قتل جو زندگی کا خاتمہ کر دیتا ہے اسی کو زندگی کا ظرف بنایا گیا ہے۔ لہٰذا عرب کے اندر قتل کی رکاوٹ کے باب میں جتنے اقوال مشہور تھے یہ ان سب سے عمدہ ہے' کیونکہ وہ اس معنی کی تعبیر اس طرح کیا کرتے تھے :

(قتل البعض إحياء للجميع) بعض کو قتل کرنا باقی سب کو زندگی دینا ہے۔ یا : (أكثروا القتل ليقل القتل) کثرت سے قتل کرو تاکہ قتل کم ہو جائے۔ یا (القتل أنفى للقتل) قتل' قتل کو زیادہ ختم کرنے والا ہے۔ یہ آخری قول عرب کا سب سے مختصر اور سب سے عمدہ قول تھا' لیکن قرآن کا لفظ اس سے بہت زیادہ فصیح و بلیغ ہے' اس کی وجہ یہ ہے کہ :

۱-اللہ کا ارشاد ﴿ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ ﴾ ان کے ہر قول سے مختصر ہے۔

۲-ان کے قول (القتل أنفى للقتل) کا مقتضی ہے کہ ایک چیز خود اپنی نفی کا سبب ہو' بخلاف قرآن کریم کے لفظ کے' کیونکہ اس کا مقتضی یہ ہے کہ قتل کی قسموں میں سے ایک قسم یعنی قصاص' زندگی کی قسموں میں سے ایک قسم کا سبب ہے۔

۳-ان کے سب سے مختصر اور عمدہ قول (القتل أنفى للقتل) میں لفظ قتل کی تکرار ہے' بخلاف قرآن کریم کے لفظ کے۔

۴-ان کا سب سے مختصر اور عمدہ قول صرف قتل سے رکاوٹ کا فائدہ دیتا ہے' بخلاف قرآن کریم کے لفظ کے کہ یہ قتل اور زخم دونوں سے رکاوٹ کا فائدہ دیتا ہے' کیونکہ قصاص دونوں کو شامل ہے۔

۵-ان کا سب سے مختصر اور عمدہ قول' مطلوب یعنی زندگی پر ضمناً دلالت کرتا ہے' یعنی اس میں قتل کے خاتمے کو اصل مطلوب قرار دیا گیا ہے اور زندگی اس کے تابع ہے' بخلاف لفظ قرآن کے کہ وہ اصل مقصود پر دلالت کرتا ہے' کیونکہ اس نے قتل کی نفی کو تابع مطلوب بنایا ہے' اس حیثیت سے کہ وہ زندگی کے حصول کو متضمن ہے جو اصلاً مطلوب ہے۔

۶-ظلماً قتل بھی قتل ہی ہے' مگر وہ قتل کا خاتمہ نہیں کرتا' اور مذکورہ قول صرف قاتل کے قتل پر اقتصار کا فائدہ نہیں دیتا' بخلاف قرآن کریم کے لفظ کے' کیونکہ یہ ظلماً قتل کو جائز قرار نہیں دیتا اور قصاص جو صرف قاتل کا قتل ہے اسے واجب کرکے قتل کا خاتمہ کرتا ہے۔ لہٰذا ان کا ظاہر قول باطل ہے اور قرآن کریم کا لفظ ہر اعتبار سے صحیح ہے۔

نویں وجہ: جزالت اور چاشنی دو متضاد صفتوں کے درجے میں ہیں اور لمبے کلام کے اجزاء میں سے ہر جزء میں دونوں کا مناسب طور سے اکٹھا ہونا بلغاء کی عادت جاریہ کے خلاف ہے' لہٰذا ان دونوں کا قرآن کریم کے ہر ہر مقام میں اکٹھا ہونا اس کے کمال بلاغت

وفصاحت کی دلیل ہے جو عادت سے باہر ہے۔

دسویں وجہ : قرآن کریم فنون بلاغت کی تمام قسموں پر مشتمل ہے' یعنی تاکید کی مختلف اقسام' تشبیہ و تمثیل کی مختلف انواع' استعارے کے مختلف اصناف' حسن مطلع' حسن مقطع اور حسن فواصل' تقدیم و تاخیر' مقام کے لائق فصل و وصل' رکیک اور شاذ الفاظ جو قیاس سے خارج اور استعمال سے دور و نفور ہیں ان سے خالی ہونا' وغیرہ دیگر انواع بلاغت' حالانکہ اصل عرب کے بلغاء کاملین میں سے کوئی بھی مذکورہ انواع میں سے ایک دو نوع سے زیادہ پر قادر نہ ہو سکا' اور اگر اس نے اپنے کلام میں کسی اور نوع کا قصد کیا تو وہ اس سے بن نہ پائی اور وہ کوتاہ ثابت ہوا' جبکہ قرآن کریم ان ساری قسموں پر مشتمل ہے۔

یہ دسوں وجہیں دلالت کرتی ہیں کہ قرآن کریم بلاغت کے بلند ترین درجے پر ہے جو عادت کے دائرہ سے بالاتر ہے' اور جو شخص عرب کی زبان اور اس کے فنون بلاغت کو جتنا زیادہ جاننے والا ہو گا وہ قرآن کے اعجاز کو اتنا ہی زیادہ جانے گا۔

دوسری بات : قرآن کی عجیب تالیف ہے' اور مطالع' مقاطع اور فواصل میں اس کا اچھوتا اسلوب ہے' ساتھ ہی وہ بیان کی باریکیوں' عرفان کے حقائق' عبارت کے حسن' اشارے کی لطافت' ترکیب کی سلاست اور ترتیب کی سلامتی پر بھی مشتمل ہے' جس کی وجہ سے خالص عرب کی عقلیں بھی دنگ رہ گئی ہیں' اس مخالفت کی حکمت یہ ہے کہ کسی ہٹ دھرم ضدی کے لئے چوری کا شبہہ نہ رہ جائے اور یہ کلام لوگوں کے کلام سے ممتاز ہو اور اس کا تفوق ظاہر ہو' کیونکہ بلیغ انسان۔ نظم کہنے والا ہو یا نثر۔ ان مقامات پر بھرپور کوشش کرتا ہے اور عموماً ان ہی مقامات پر اس کی مدح یا عیب چینی کی جاتی ہے' چنانچہ تمام بڑے بڑے شعراء پر ایسے مقامات میں عیب چینی کی گئی ہے جہاں وہ اچھی عبارت نہیں لا سکے ہیں' یا جو دوسروں سے چوری کی ہوئی تھیں۔

اشراف عرب' کلام کے اسرار میں کمال مہارت اور اسلام سے شدت عداوت کے باوجود قرآن کی بلاغت اور اس کے حسن نظم میں کوئی گنجائش نہ پا سکے اور اس پر نکتہ چینی کی کوئی بات نہ لا سکے' بلکہ انہوں نے اعتراف کیا کہ یہ خطیبوں کے خطبے اور شاعروں کے شعر کی جنس سے نہیں ہے۔ چنانچہ اسے کبھی اس کی فصاحت اور حسن نظم سے تعجب کھا کر جادو کی طرف منسوب کر دیا اور کبھی کہا کہ یہ جھوٹ ہے جسے اس نے گھڑ لیا ہے' یا یہ پہلوں کا افسانہ ہے' اور پھر وہ بات کہی جو اللہ نے ان سے سورۂ حم السجدہ آیت ۲۶ میں ذکر کی ہے :

﴿ لَا تَسْمَعُوا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ ﴾

اس قرآن کو نہ سنو اور اس میں لغو گوئی کرو' تاکہ تم غالب ہو۔

اور یہ سارا طریقہ ہارے ہوئے بھونچکارہ جانے والے کا ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ قرآن اپنی فصاحت و بلاغت اور حسن نظم میں معجزہ ہے۔

پھر عرب کے فصحاء و بلغاء بہت تھے اور غایت عصبیت' جاہلی حمیت' مقابلے اور مفاخرت اور خاندانی وجاہت کے دفاع میں مرنے مٹنے کے لئے مشہور تھے' اس لئے یہ کیسے تصور کیا جا سکتا ہے کہ وہ سب سے آسان کام تو چھوڑ دیں گے' یعنی قرآن کی سب سے چھوٹی سورت کے مثل لے آنا' اور سب سے مشکل کام اختیار کریں گے یعنی لڑائی کرنا اور جان و مال صرف کرنا۔ حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں للکارتے اور چیلنج کرتے تھے' جیسا کہ سورۃ البقرہ آیت ۲۳'۲۴ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

﴿ وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۞ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ﴾

ہم نے اپنے بندے پر جو نازل کیا ہے اگر اس کے متعلق تم لوگ شک میں ہو تو اس جیسی ایک سورہ لاؤ اور اللہ کے سوا تمہارے جو شہداء ہیں انہیں بھی بلا لو' اگر تم لوگ سچے ہو' پس اگر ایسا نہیں کر سکتے اور ہر گز نہیں کر سکتے' تو اس آگ سے ڈرو جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں اور جو کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے۔

اور جیسا کہ سورۂ یونس آیت ۳۸ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

﴿ قُلْ فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّثْلِهِ وَادْعُوا مَنِ اسْتَطَعْتُم مِّن دُونِ اللَّهِ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ﴾

آپ کہہ دیں کہ اس کے مثل ایک سورہ لاؤ اور اللہ کے سوا جسے ہو سکے بلا لو' اگر تم لوگ سچے ہو۔

اور جیسا کہ سورۃ الاسراء' آیت ۸۸ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

﴿ قُل لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْإِنسُ وَالْجِنُّ عَلَىٰ أَن يَأْتُوا بِمِثْلِ هَٰذَا الْقُرْآنِ لَا يَأْتُونَ بِمِثْلِهِ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيرًا ﴾

آپ کہہ دیں اگر انسان اور جن اس بات پر جمع ہو جائیں کہ اس قرآن کا مثل لائیں تو اس کا مثل نہیں لا سکیں گے' اگرچہ ان کا بعض بعض کا مددگار ہو۔

اگر عرب یہ سمجھتے تھے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کی تالیف میں کسی دوسرے سے مدد لی ہے تو ان کے لئے بھی ممکن تھا کہ معارضے اور چیلنج کے لئے کسی دوسرے سے مدد لیں' کیونکہ یہ لوگ زبان دانی اور دوسرے سے مدد لینے میں قدرت پر آپ ہی کی طرح تھے' لیکن جب وہ یہ کام نہ کر سکے اور جنگ اور نیزہ زنی کو معارضے اور زبان گوئی پر ترجیح دی تو ثابت ہوا کہ قرآن کریم کی بلاغت ان کے نزدیک مسلم تھی اور وہ اس کے مقابلے سے عاجز تھے۔ غایت امر یہ کہ وہ لوگ دو گروہ میں بٹ گئے' کچھ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اور

آپ پر آپ کے رب کی طرف سے نازل کئے گئے قرآن کی تصدیق کی' اور کچھ قرآن کی نادر بلاغت سے دنگ رہ گئے اور عناد کیا' اس بارے میں ولید بن مغیرہ اور عتبہ بن ربیعہ وغیرہ سے جو خبریں منقول ہیں وہ اس کی تائید کرتی ہیں۔

تیسری بات : قرآن کریم آئندہ پیش آنے والے واقعات کی خبروں اور پیشینگوئیوں پر مشتمل ہے' اور یہ واقعات بعد کے دنوں میں ٹھیک اسی طرح پیش آئے جس طرح قرآن نے خبر دی تھی۔

۱-از انجملہ سورۃ الفتح' آیت ۲۷ میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے :

﴿ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ إِنْ شَاءَ اللَّهُ آمِنِينَ مُحَلِّقِينَ رُءُوسَكُمْ وَمُقَصِّرِينَ لَا تَخَافُونَ ﴾

تم لوگ ان شاء اللہ مامون رہتے ہوئے مسجد حرام میں ضرور داخل ہو گے' سر منڈاؤ گے اور بال کترواؤ گے' تمہیں کوئی خوف نہ ہوگا۔

اور وہی ہوا جس کی یہاں خبر دی گئی ہے۔

۲-اور از انجملہ سورۃ النور' آیت ۵۵ میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے :

﴿ وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا ﴾

تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال کئے اللہ نے ان سے وعدہ کیا ہے کہ انہیں ضرور زمین کا حاکم بنائے گا' جیسا کہ ان سے پہلے کے لوگوں کو حاکم بنایا' اور ان کے جس دین کو ان کے لئے پسند کیا ہے اسے جماؤ (یا قابو) عطا کرے گا اور انہیں ان

کے خوف کے بعد امن سے بدل دے گا' وہ میری عبادت کریں گے اور میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کریں گے۔

اللہ نے اپنا وعدہ وفا کیا' مسلمانوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں غلبہ و حکمرانی عطا فرمائی اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت میں اس غلبہ و حکمرانی کو اور بڑھایا' پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت میں وسیع فتوحات کے ذریعہ اس غلبہ و حکمرانی کو اور بڑھایا' ان کے بعد ذوالنورین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت میں اس غلبہ و حکمرانی کو اس طرح بڑھایا کہ مشرق و مغرب میں فتوحات نے خوب وسعت اختیار کی' چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر چوتھائی صدی بھی نہیں گذری کہ اللہ کا دین سارے ادیان پر غالب آگیا اور مسلمان پر امن اور بے خطر ہو کر اللہ کی عبادت کرنے لگے۔

۳- اور از انجملہ سورۃ الفتح' آیت ۱۶ میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے :

﴿ سَتُدْعَوْنَ إِلَىٰ قَوْمٍ أُولِي بَأْسٍ شَدِيدٍ تُقَاتِلُونَهُمْ أَوْ يُسْلِمُونَ ﴾

تم جلد ہی ایک سخت جنگجو قوم کی طرف بلائے جاؤ گے جن سے تم لڑو گے یا وہ مسلمان ہو جائیں گے۔

اور وہی ہوا جو اس میں بتلایا گیا ہے۔

۴- اور از انجملہ سورۃ النصر آیت ۱' ۲ میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے :

﴿ إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ ۞ وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللَّهِ أَفْوَاجًا ﴾

جب اللہ کی مدد اور فتح آجائے اور آپ لوگوں کو دیکھیں کہ وہ اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہو رہے ہیں۔

اور ویسا ہی ہوا جیسا کہ بتلایا گیا ہے' چنانچہ ۸ھ میں مکہ مکرمہ فتح ہوا اور لوگ اسلام میں فوج در فوج داخل ہوئے۔

۵-اور از انجملہ سورۃ المائدہ آیت ۶۷ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:

﴿ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ﴾

اور اللہ لوگوں سے آپ کو محفوظ رکھے گا۔

اور جیسا بتلایا تھا ویسا ہی ہوا' چنانچہ بہت سارے لوگوں نے آپ کو ضرر پہنچانا چاہا' مگر اللہ نے آپ کو ان سے محفوظ رکھا یہاں تک کہ آپ رفیق اعلیٰ سے جا ملے۔

۶-اور از انجملہ سورۃ الروم آیت ۲ تا ۶ میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:

﴿ غُلِبَتِ الرُّوْمُ ۞ فِيْٓ اَدْنَى الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ ۞ فِيْ بِضْعِ سِنِيْنَ ڛ لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْۢ بَعْدُ ۭ وَيَوْمَىِٕذٍ يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ ۞ بِنَصْرِ اللّٰهِ ۭ يَنْصُرُ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۞ وَعْدَ اللّٰهِ ۭ لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ وَعْدَهٗ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴾

روم قریب ترین زمین میں مغلوب ہو گئے' لیکن وہ اپنی مغلوبیت کے بعد چند سالوں میں غالب آجائیں گے' اللہ ہی کے لئے حکم ہے پہلے بھی اور بعد میں بھی' اور اس دن مومنین اللہ کی مدد سے خوش ہو جائیں گے' وہ جس کی چاہتا ہے مدد کرتا ہے' وہی غالب اور رحم کرنے والا ہے' یہ اللہ کا وعدہ ہے' اللہ اپنے وعدے کی خلاف ورزی نہیں کرتا' لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

اور وہی ہوا جس کی اللہ نے خبر دی ہے' چنانچہ رومی اپنی شکست کے سات سال بعد فارسیوں پر غالب آگئے۔

۷-اور ازانجملہ سورۃ الحجر آیت ۹ میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:

﴿ إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ﴾

ہم نے ہی اس ذکر (قرآن) کو اتارا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

یعنی اللہ تعالیٰ اسے تحریف اور کمی بیشی سے محفوظ رکھے گا' اور اس حقیقت کا آج بھی مشاہدہ کیا جا رہا ہے' اس نعمت پر اللہ کی حمد ہے۔

ایسا ہی سورہ حم السجدہ' آیت ۴۲ میں اللہ کا ارشاد ہے:

﴿ لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ تَنْزِيلٌ مِنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ ﴾

باطل نہ اس (قرآن) کے آگے سے آسکتا ہے نہ اس کے پیچھے سے' یہ باحکمت ستودہ صفات کی طرف سے اتارا ہوا ہے۔

۸-اور ازانجملہ یہود کے متعلق سورۃ البقرہ' آیت ۹۴' ۹۵ میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:

﴿ قُلْ إِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْآخِرَةُ عِنْدَ اللَّهِ خَالِصَةً مِنْ دُونِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ * وَلَنْ يَتَمَنَّوْهُ أَبَدًا بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ ﴾

آپ کہہ دیں کہ اگر دار آخرت اللہ کے پاس اور لوگوں کے بجائے خالص تمہارے لئے ہے تو اگر تم سچے ہو تو موت کی تمنا کرو' اور جو کچھ ان کے ہاتھ پیش کر چکے ہیں اس کی وجہ سے یہ موت کی تمنا ہرگز نہ کریں گے' اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے۔

اسی طرح سورۃ الجمعہ' آیت ۶' ۷ میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:

﴿ قُلْ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ هَادُوا إِنْ زَعَمْتُمْ أَنَّكُمْ أَوْلِيَاءُ لِلَّهِ مِنْ دُونِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ

إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ٭ وَلَا يَتَمَنَّوْنَهٗٓ أَبَدًاۢ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيْهِمْ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴾

آپ کہہ دیں کہ اے لوگو! جو یہودی ہوئے ہو اگر تم سمجھتے ہو کہ اور لوگوں کے بجائے تم اللہ کے ولی ہو تو اگر تم سچے ہو تو موت کی تمنا کرو' مگر ان کے ہاتھ جو کچھ پیش کر چکے ہیں اس کے سبب یہ موت کی تمنا ہرگز نہ کریں گے' اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے۔

اور کوئی شک نہیں کہ یہود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سخت ترین دشمن تھے اور آپ کی تکذیب کے سب سے زیادہ حریص تھے' مگر کوئی بھی اس بارے میں یہ کہہ کر آپ کی تکذیب کے لئے نہیں بڑھا کہ وہ موت کی تمنا کرتا ہے۔

۹- اور از انجملہ سورۃ البقرہ' آیت ۲۳' ۲۴ میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:

﴿ وَإِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَأْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ ۠ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ٭ فَإِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ۖ أُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ﴾

اور ہم نے اپنے بندے پر جو نازل کیا ہے اگر تم لوگ اس کے متعلق شبہہ میں ہو تو اسی جیسی ایک سورت لے آؤ اور اللہ کے سوا اپنے شہداء کو بھی بلا لو' اگر تم سچے ہو۔ پس اگر تم ایسا نہ کر سکو اور ہرگز نہ کر سکو گے' تو اس آگ سے ڈرو جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں اور جو کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے۔

اور وہی ہوا جو اس میں بتایا گیا ہے' چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد سے جبکہ مشرکین عرب کو آپ سے انتہائی عداوت تھی اور وہ آپ کی دعوت باطل کرنے کے انتہائی حریص تھے' ہمارے اس دور تک کوئی بھی قرآن کا معارضہ نہ کر سکا' چاہے اس جیسی سب

سے چھوٹی سورت ہی کے ذریعہ سہی' باوجودیکہ اس کے دواعی بکثرت رہے ہیں۔

تو یہ اور ان جیسی پیشینگوئیوں کی قرآن کریم میں موجودگی اس بات کی دلیل ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے' کیونکہ اللہ کی سنت یہ ہے کہ مدعی نبوت اگر اللہ پر جھوٹ بولے تو اس کی پیشینگوئی صحیح نہیں نکلتی' بلکہ اللہ اسے رسوا کر دیتا ہے اور اس کا جھوٹ لوگوں کے لئے ظاہر فرما دیتا ہے۔

چوتھی بات : قرآن کریم میں پچھلی قوموں اور ہلاک شدہ امتوں کا ذکر آیا ہے' اور معلوم ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم امی تھے' نہ لکھنا جانتے تھے نہ پڑھنا' نہ علماء کے ساتھ پڑھنے پڑھانے کا مشغلہ اختیار کیا' اور آپ ایسی قوم میں پلے بڑھے جو بت پوجتی تھی' کتاب نہ جانتی تھی اور ان کے پاس عقلی علوم میں سے بھی کچھ نہ تھا' پھر آپ اپنی قوم سے اتنا عرصہ غائب بھی نہ رہے کہ اس میں دوسروں سے کچھ سیکھ سکیں' حالانکہ جن مقامات میں قرآن کریم نے بعض قصوں اور حالات کے بیان میں اہل کتاب کی کتابوں کی مخالفت کی ہے وہ بالقصد مخالفت ہے' تاکہ جس حق سے اہل کتاب نے انحراف کیا ہے اسے بیان کر دیا جائے' کیونکہ انہوں نے اپنی کتابوں کے اصل نسخے گم کر دیئے ہیں اور جو ان کے پاس ہے اس کی متصل سند ناپید ہے اور وحی والہام کی صفت بھی ناپید ہے' چنانچہ اللہ تعالیٰ سورۃ النمل آیت ۷۶ میں فرماتا ہے :

﴿ إِنَّ هَٰذَا الْقُرْآنَ يَقُصُّ عَلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ أَكْثَرَ الَّذِي هُمْ فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ﴾

یقیناً یہ قرآن بنی اسرائیل پر بیشتر وہ باتیں بیان کرتا ہے جن میں وہ اختلاف کرتے ہیں۔

پانچویں بات : قرآن کریم میں منافقین کے راز کھولے گئے ہیں' وہ مکر وفریب کی بہت

سی قسم کی چالوں پر پس پردہ اتفاق کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ ان احوال پر اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو یکے بعد دیگرے مطلع کرتا رہتا تھا اور تفصیل کے ساتھ ان کی خبر دیتا رہتا تھا' اور ان کو ان سب میں سچائی کے سوا کچھ نہ ملتا تھا' چنانچہ وہ اپنے بارے میں قرآن کی خبر کا انکار نہ کر سکے۔ اسی طرح قرآن میں یہود کے احوال اور ان کی پس پردہ نیتوں کی پردہ دری ہے۔

چھٹی بات : قرآن کریم میں ایسے جزئی معارف اور کلی علوم ہیں جن سے عرب عموماً اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم خصوصاً آشنا نہ تھے' چنانچہ قرآن میں شرائع کا علم ہے' عقلی دلائل کے طریقوں پر آگاہی ہے' گمراہوں کا رد ہے اور اس میں سیرتیں ہیں' مواعظ ہیں' حکمتیں ہیں' امثال ہیں' دار آخرت کی خبریں ہیں اور آداب واخلاق کے محاسن ہیں' اور قرآن کریم سے بہت علوم پھوٹے ہیں' جن میں اہم عقائد و ادیان کا علم' فقہ واحکام کا علم اور سلوک و اخلاق کا علم ہے۔

ساتویں بات : یہ ہے کہ قرآن اختلاف و تفاوت سے بری ہے' حالانکہ وہ ایک بڑی کتاب ہے جو بہت سے قسم کے علوم پر مشتمل ہے' اس لئے اگر یہ قرآن غیر اللہ کے پاس سے ہوتا تو اس میں تناقض کلمات آجاتے' کیونکہ بڑی کتاب اس سے خالی نہیں ہوتی' اور جب قرآن میں ادنیٰ اختلاف بھی نہ پایا گیا تو ہمیں یقینی طور سے معلوم ہوا کہ وہ اللہ کے پاس سے ہے' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ النساء آیت ۸۲ میں فرمایا ہے :

﴿ اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۭ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا ﴾

وہ قرآن پر غور کیوں نہیں کرتے' اگر وہ غیر اللہ کے پاس سے ہوتا تو اس میں بہت سے اختلاف پاتے۔

ان مذکورہ سات باتوں کی طرف سورۃ الفرقان آیت ٦ میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد اشارہ کرتا ہے:

﴿ اَنْزَلَهُ الَّذِیْ یَعْلَمُ السِّرَّ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ﴾

اسے اس ذات نے اتارا ہے جو آسمان وزمین کے سربستہ راز جانتا ہے۔

کیونکہ اس کی بلاغت‘ اس کا عجیب اسلوب‘ اس کا غیب کی خبریں دینا‘ نوع بہ نوع علوم پر مشتمل ہونا اور ایک بڑی کتاب ہونے کے باوجود اختلاف و تفاوت سے بری ہونا اس علیم و خبیر ہی کی طرف سے ہو سکتا ہے جس کے علم سے آسمان و زمین کا ایک ذرہ بھی باہر نہیں ہے۔

آٹھویں بات: قرآن کریم ایک باقی رہنے والا معجزہ ہے‘ جس کی ہر جگہ تلاوت کی جاتی ہے‘ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کے حفظ کا ذمہ لیا ہے‘ بخلاف سابق انبیاء کے معجزات کے کہ وہ وقتی اور ان کی زندگی کے دوران تھے اور ان کے وفات پاتے ہی ختم ہو گئے۔ لیکن قرآن کریم کا معجزہ نزول کے وقت سے اب تک اپنی حالت پر باقی ہے اور اس کی حجت برابر قاہر ہے اور اس کا معارضہ محال ہے۔ دنیا کے ممالک ہر ملت و خیال کے ملحدین اور کٹر مخالفین سے بھرے پڑے ہیں‘ لیکن کسی کی تاب نہیں کہ قرآن کریم کی مختصر ترین سورت کے برابر لا سکے‘ اور یہ معجزہ جب تک دنیا اور اہل دنیا باقی ہیں ان شاء اللہ باقی رہے گا۔

نویں بات: قرآن پڑھنے والا اکتاتا نہیں اور سننے والا اوبتا نہیں‘ بلکہ اس کی تکرار اس کی محبت میں اور اضافہ کرتی ہے‘ جبکہ دوسرا کلام چاہے جتنا بھی بلیغ ہو اس کی تکرار سے کان میں اکتاہٹ اور طبیعت میں کراہت ہوتی ہے‘ بخلاف قرآن کریم کے کہ اس کی تلاوت کرنے والے پر ہیبت طاری ہوتی ہے اور سامعین کے دل کو خشیت لاحق ہوتی ہے‘ اور یہ ہیبت و خشیت ایسے لوگوں کو بھی ہوتی ہے جو اس کے معانی اور تفسیر نہیں سمجھتے‘ بلکہ ایسے

لوگوں کو بھی ہوتی ہے جو عربی زبان بھی نہیں جانتے۔

دسویں بات: قرآن کریم انتہائی آسانی سے یاد ہو جاتا ہے' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ القمر آیات ۱۷' ۲۲' ۳۲ اور ۴۰ میں فرمایا ہے:

﴿ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ ﴾

ہم نے قرآن کو ذکر (یاد اور نصیحت) کے لئے آسان کیا ہے۔

چنانچہ چھوٹے بچوں کے لئے تھوڑی مدت میں اسے حفظ کر لینا آسان ہے اور قرآن کریم کے حفاظ سارے ملکوں میں پھیلے ہوئے ہیں' جن میں سے ہر ایک کے حفظ سے اس طرح پورا قرآن کریم لکھ لینا ممکن ہے کہ الفاظ تو در کنار' اعراب میں بھی غلطی نہ ہو' جبکہ پورے عیسائی دیار میں ایک شخص بھی ایسا نہیں جسے انجیل حفظ ہو' عہد قدیم و جدید (بائبل) کی کتابیں حفظ کرنا تو دور کی بات رہی' اور یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت اور اس کی کتاب کی بدیہی خوبی ہے۔

تین سوالات اور ان کے جوابات:

پہلا سوال: کیا وجہ ہے کہ محمد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ بلاغت کی جنس سے ہے؟

جواب: ہر زمانے میں بعض معجزات اسی چیز کی جنس کے ظاہر ہوتے ہیں جو اس زمانے والوں پر غالب ہو' کیونکہ وہ لوگ اس میں بلند ترین درجے کو پہنچ چکے ہوتے ہیں اور اس حد پر ٹھہرے ہوتے ہیں جہاں تک انسان کی رسائی ممکن ہے' اس لئے جب وہ ایسی چیز دیکھتے ہیں جو حد مذکور سے باہر ہو تو جان جاتے ہیں کہ وہ اللہ کی طرف سے ہے' مثلاً جب موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں فرعون کے جادوگروں نے دیکھا کہ ان کا ڈنڈا سانپ بن کر ان کا جادو نگلتا جا رہا ہے تو انہیں معلوم ہو گیا کہ یہ کام فن جادوگری کی حد سے باہر ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے موسیٰ علیہ السلام کے لئے معجزہ ہے' لہٰذا وہ اللہ پر اور جسے اللہ نے

رسول بنایا تھا اس پر ایمان لے آئے۔

عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں علم طب آگے تھا' اس لئے اس دور کے لوگوں نے جب مردوں کو زندہ کرتے اور اندھے اور برص والے کو شفا دیتے دیکھا تو انہیں معلوم ہو گیا کہ یہ فن طب کی حد سے نہیں ہے بلکہ اللہ کی طرف سے عیسیٰ علیہ السلام کے لئے معجزہ ہے' تاکہ لوگ ان کی پیغمبری پر ایمان لائیں اور ان کی پیروی کریں۔

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بلاغت اپنے بلند ترین درجے کو پہنچ گئی تھی اور نثر و نظم میں یہی ان کا ذریعہ فخر تھا' اس لئے جب نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم یہ قرآن لے کر آئے جس نے سارے بلغاء کو عاجز کر دیا تو معلوم ہو گیا کہ یہ قطعاً اللہ کی طرف سے ہے اور جو اس پر ایمان نہیں لاتا وہ ضدی اور متکبر ہے۔

دوسرا سوال: مختلف اوقات میں تھوڑا تھوڑا کر کے قرآن نازل کرنے میں کیا حکمت ہے؟ یہ ایک ہی دفعہ کیوں نازل نہیں ہوا؟

جواب: قرآن کے تھوڑا تھوڑا نازل ہونے میں بہت سی حکمتیں ہیں' بعض یہ ہیں:

۱۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک ان پڑھ امت میں بھیجے گئے تھے جو لکھنا پڑھنا نہیں جانتی تھی اس لئے اگر یکبارگی پورا قرآن اتر آتا تو ان پر اس کا حفظ و ضبط مشکل ہو جاتا' وہ بسا اوقات سستی بھی کر سکتے تھے' اس لئے تھوڑا تھوڑا نازل کیا جانا ان کے لئے زیادہ مناسب تھا' اس طرح صحابہ اسے بتدریج حفظ و ضبط کرنے اور سیکھنے اور لکھنے پر قادر ہو سکے اور حفظ کی سنت آپ کی امت میں جاری رہی۔

۲۔ قرآن کریم کی بہت سی آیتیں معین واقعات و حادثات میں نازل ہوئی ہیں' جن میں کسی مشکل کا حل' کسی سوال کا جواب' یا کسی حکم کا بیان ہے۔ اگر آپ پر یکبارگی پورا قرآن نازل ہو جاتا تو اس کی مراد ہی واضح نہ ہوتی' لہٰذا اس کا متفرق اوقات میں واقعات و

حادثات سے لگ کر نازل ہونا نفوس میں زیادہ اثر انگیز اور فہم مراد کے لئے زیادہ واضح تھا۔

۳- اگر اللہ آپ پر کتاب یکبارگی نازل کرتا تو تکالیف' یعنی شرعی عملی احکام بھی مسلمانوں پر یکبارگی نازل ہوتے' اور اس صورت میں ان پر عمل کرنا بہت بوجھل ہوتا' خصوصاً ان میں ناسخ اور منسوخ بھی تھے' لیکن جب قرآن متفرق اوقات میں نازل ہوا تو تکالیف بھی بتدریج تھوڑی تھوڑی نازل ہوئیں' لہٰذا ان کا تحمل زیادہ آسان ہوا۔

۴- قرآن تھوڑا تھوڑا نازل ہونے کا ایک تقاضا یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت جبریل کو بار بار دیکھتے رہیں' اس سے ادائیگی رسالت پر آپ کا دل بھی مضبوط ہوتا تھا اور قوم کی ایذا رسانی پر آپ کو صبر بھی ہوتا تھا۔

۵- قرآن کریم کا ٹکڑے ٹکڑے ہو کر نازل ہونا ان کو عاجز کرنے میں زیادہ سخت تھا' کیونکہ مطلب یہ تھا کہ یہ لوگ انتہائی عاجز ہیں' اس قدر کہ تھوڑا تھوڑا متفرق طور پر بھی اس جیسا لانے پر قادر نہیں ہیں' اس لئے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ابتداء ہی میں چیلنج کر دیا تھا۔ تو گویا آپ نے انہیں قرآن کے ہر ہر جزو کے ذریعہ چیلنج کیا اور جب یہ لوگ اس کے مقابلے سے عاجز رہے تو کل کے مقابلے سے بدرجہ اولیٰ عاجز رہیں گے۔ اس سے ثابت ہوا کہ قوم معارضے سے مکمل طور پر ہر اعتبار سے عاجز ہے۔

تیسرا سوال: کیا وجہ ہے کہ توحید کا بیان' قیامت کا حال اور انبیاء کے قصے متعدد مقامات پر بار بار ذکر کئے گئے ہیں؟

جواب: قرآن میں اس تکرار کے کئی اسباب ہیں' جن میں سے کچھ یہ ہیں:

۱- تکرار' برقرار رکھنے اور مؤکد کرنے کا فائدہ دیتا ہے۔

۲- قرآن کریم کا اعجاز چونکہ بلاغت کے اعتبار سے ہے اور اسی اعتبار سے ان کو چیلنج بھی کیا گیا ہے اس لئے اختصار اور طول کے اعتبار سے مختلف عبارتوں میں' ہر مرحلے کے اندر

بلاغت کے بلند ترین درجے کی حفاظت کرتے ہوئے قصے وغیرہ بار بار آتے ہیں تاکہ یہ معلوم ہو کہ قرآن بشر کا کلام نہیں ہے' کیونکہ بلغاء جانتے ہیں کہ یہ بات انسانی قدرت سے باہر ہے۔

۳- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالفین کہہ سکتے تھے کہ جو فصیح الفاظ اس قصے کے مناسب تھے وہ تو آپ نے استعمال کر لئے اور دوسرے الفاظ اس کے مناسب ہیں نہیں' یا کہہ سکتے تھے کہ ہر بلیغ کا طریقہ دوسرے کے طریقہ کے مخالف ہوتا ہے' کوئی طول کے طریق پر قدرت رکھتا ہے اور کوئی اختصار کے طریق پر قدرت رکھتا ہے' لہٰذا ایک نوع پر قادر نہ ہونے سے مطلقاً قادر نہ ہونا لازم نہیں آتا' یا یہ کہہ سکتے تھے کہ قصوں کے بیان میں بلاغت کا دائرہ تنگ ہے اور ان میں سے جس کا بیان آپ سے صادر ہو گیا ہے وہ بخت واتفاق کی بات ہے' لیکن اختصار اور طول کے ساتھ قصوں کو بار بار دہرا کر ان کا سارا عذر کاٹ دیا گیا۔

۴- نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا سینہ قوم کی ایذا رسانی سے تنگ ہو جایا کرتا تھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الحجر' آیت ۹۷ میں فرمایا ہے :

﴿ وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّكَ يَضِيْقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُوْلُوْنَ ﴾

ہم جانتے ہیں کہ یہ لوگ جو کچھ کہتے ہیں اس سے آپ کا سینہ تنگ ہوتا ہے۔

لہٰذا اللہ تعالیٰ انبیاء سابقین میں سے کسی نبی کا قصہ' جو اس وقت کے مناسب حال ہوتا بیان فرما کر آپ کا دل ثابت رکھتا تھا' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ ہود' آیت ۱۲۰ میں فرمایا ہے :

﴿ وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ ۚ وَجَآءَكَ فِيْ هٰذِهِ الْحَقُّ وَمَوْعِظَةٌ وَّذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴾

اور رسولوں کی خبروں میں سے وہ سب ہم آپ پر بیان کرتے ہیں جس سے آپ کا دل ثابت رکھتے ہیں' اور اس بارے میں آپ کے پاس حق آگیا اور مومنوں کے لئے وعظ و نصیحت آگئی۔

۵- کچھ قومیں اسلام میں داخل ہوتی رہتی تھیں اور جو مسلمان ہوتے تھے کفار کے ہاتھوں ستائے جاتے تھے' لہٰذا اللہ تعالیٰ ان قصوں میں سے ہر موقع پر وہ قصہ نازل کرتا تھا جو اس موقع کے مناسب ہو' کیونکہ گذرے ہوئے لوگوں کا حال بعد والوں کے لئے عبرت ہوا کرتا ہے' اور کبھی کفار کو بھی تنبیہ کرنی مقصود ہوا کرتی تھی' کیونکہ ایک ہی قصہ ذکر کر کے کبھی بعض باتیں مقصود ہوتی ہیں اور بعض ضمناً سمجھی جاتی ہیں اور کبھی اسی کو ذکر کیا جاتا ہے لیکن مقاصد برعکس ہوتے ہیں۔

اب ذیل میں قرآن کریم پر عیسائیوں کے دو سب سے نمایاں شبہات ذکر کئے جاتے ہیں :

پہلا شبہہ : عیسائی کہتے ہیں کہ ہم یہ بات تسلیم نہیں کرتے کہ قرآن کریم کی عبارت بلاغت کے سب سے بلند درجے پر ہے جو عادت سے باہر ہے' اور اگر اسے تسلیم بھی کر لیں تو یہ اعجاز کی ناقص دلیل ہوگی' کیونکہ یہ چیز اسی شخص کے لئے ظاہر ہو سکتی ہے جسے لغت عرب کی پوری معرفت ہو اور اس سے یہ بھی لازم آئے گا کہ ساری بلیغ کتابیں جو دوسری زبانوں مثلاً یونانی' لاطینی وغیرہ میں ہیں وہ بھی اللہ کا کلام ہوں' اور یہ بات بھی ممکن ہے کہ باطل مطالب اور برے مضامین انتہا درجے کے فصیح الفاظ اور بلیغ عبارات میں ادا کئے جائیں۔

اس شبہے کا جواب یہ ہے کہ قرآن کریم کی عبارت کو انتہا درجے کی بلاغت پر تسلیم نہ کرنا محض مکابرہ ہے' اور اس کی وجہ پچھلی فصل کی پہلی اور دوسری بات میں گذر چکی ہے۔

باقی رہی ان کی یہ بات کہ یہ بلاغت اسی شخص کے لئے ظاہر ہو سکتی ہے جسے لغت عرب کی پوری معرفت ہو' تو یہ برحق ہے' لیکن یہ معجزہ چونکہ بلغاء اور فصحاء کو عاجز کرنے کے لئے ہے اور ان کا عاجز ہونا ثابت ہو چکا ہے اور انہوں نے معارضہ نہیں کیا ہے' بلکہ اس کا اعتراف کیا ہے اور تمام عربی زبان والوں نے اسے اپنے سلیقہ کے مطابق جان لیا ہے اور علماء نے فن بیان میں اپنی مہارت اور اسالیب کلام کے احاطے کی وجہ سے جان لیا ہے' اس لئے عوام کے لئے اتنا کافی ہے کہ علماء کو قرآن کے معارضے سے عاجزی کا اعتراف ہے اور اسی سے ان پر حجت قائم ہو جاتی ہے' اس لئے کہ علماء اور فصحاء کا عاجز ہونا دوسروں کے عاجز ہونے کو بدرجہ اولیٰ چاہتا ہے۔ پھر غیر عرب قوموں کے لئے اتنی بات کافی ہے کہ عرب جن کی زبان میں قرآن ہے انہیں اس کے معارضے سے عاجز ہونے کا اعتراف ہے' اس طرح ان غیر عرب قوموں پر بھی حجت قائم ہو جاتی ہے۔ اس کے ساتھ یہ بھی اضافہ کر لیں کہ ان قوموں میں بھی ایسے افراد پائے جاتے ہیں جو عربی بولتے ہیں اور اس کے علوم اچھی طرح جانتے ہیں۔ لہٰذا قرآن کریم کی بلاغت اور اس کے کلام اللہ ہونے پر ان کی شہادت ان باقی قوموں پر بھی حجت ہے' کیونکہ جو عربی زبان اور اس کے فنون بلاغت کو زیادہ جانتا ہو گا وہ قرآن کے اعجاز اور اس کے فنون بلاغت کو بھی زیادہ جانے گا' اور اس سے یقینی طور پر ثابت ہوتا ہے کہ قرآن کریم کی بلاغت ایک قاہر معجزہ ہے اور کامل دلیل ہے' ناقص نہیں' جیسا کہ عیسائیوں نے سمجھا ہے۔

پھر اہل اسلام کا یہ دعویٰ نہیں ہے کہ قرآن کا معجزہ صرف اس کی بلاغت میں منحصر ہے بلکہ وہ کہتے ہیں کہ قرآن کی بلاغت بہت سے اسباب میں سے ایک سبب ہے جو اس بات کا قطعی علم واجب کرتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور یہ معجزہ ظاہر ہے اور مخالفین کی عاجزی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے آج تک ثابت ہے۔

عیسائیوں کی یہ بات تسلیم نہیں کی جاسکتی کہ لازم آئے گا کہ ساری بلیغ کتابیں جو دوسری زبانوں مثلاً یونانی' لاطینی وغیرہ میں ہیں وہ بھی اللہ کا کلام ہوں۔ کیونکہ ان کتابوں کی انتہا درجہ کی بلاغت ان وجوہ سے ثابت نہیں ہے جن کا ذکر گزشتہ فصل کی پہلی اور دوسری بات میں گذر چکا ہے' اور اس لئے کہ ان کتابوں کے مصنفین نے ان کے اعجاز کا دعویٰ نہیں کیا ہے اور نہ ان کے جیسے فصحاء ان کے معارضے سے عاجز ہیں۔

لہٰذا پادری حضرات یہ دعویٰ کیسے کر سکتے ہیں جبکہ وہ دوسروں کی زبان میں عموماً مذکر مونث' مفرد' تثنیہ' جمع اور مرفوع' منصوب اور مجرور کی تمیز نہیں کر پاتے' چہ جائیکہ ابلغ اور بلیغ میں تمیز کر سکیں۔ اس پر یہ بات شاہد ہے کہ آٹھویں پوپ اربانوس نے شام کے مطران فادر سرکیس ہارونی کو حکم دیا کہ عربی ترجمہ جو اغلاط سے پر ہے اس کی اصلاح کے لئے وہ بہت سے پادریوں' راہبوں اور علماء کو جمع کرے جو عبرانی' عربی اور یونانی زبانوں میں اختصاص رکھتے ہوں۔ پھر ۱۶۲۵ء میں ان لوگوں نے اس مہم میں بھرپور جدوجہد کی' لیکن اس ترجمہ کی نصوص میں بھی جس کی اصلاح کی بھرپور کوشش کی گئی تھی بہت سی غلطیاں رہ گئیں' یعنی اتنی کہ اس ترجمے پر ان لوگوں نے جو مقدمہ لکھا اس میں بعض غلطیوں کے وقوع پر معذرت کرنے کے لئے مجبور ہوئے' مثلاً ایسے کلام کا وجود جو قوانین لغت کے موافق نہیں بلکہ منافی ہے' یا مونث کی جگہ مذکر اور جمع کی جگہ مفرد کا استعمال' یا اسم میں جر یا نصب کی جگہ اور فعل میں جزم کی جگہ رفع کی حرکت لگا دینا' اور معذرت کرتے ہوئے یہ کہا کہ روح القدس نے نہیں چاہا کہ الٰہی کلمہ کی وسعت نحوی فرائض کی مقرر کی ہوئی تنگ حدود میں مقید ہو' چنانچہ ہمارے لئے آسمانی اسرار بغیر فصاحت و بلاغت کے پیش کیا۔

رہی ان کی یہ بات کہ "یہ بھی ممکن ہے کہ باطل مطالب اور برے مضامین انتہا درجے کے فصیح الفاظ اور بلیغ عبارات میں ادا کئے جائیں" تو قرآن کریم کے حق میں اس کا ورود

نہیں' بلکہ وہ اول سے اخیر تک عالیشان فاضلانہ مطالب اور لائق تعریف مضامین سے پر ہے' مثلاً :

۱-اللہ کے لئے صفات کمال کا ذکر' اور صفات نقص مثلاً عجز' جہل اور ظلم وغیرہ سے اس کی تنزیہ۔

۲-اللہ کے لئے توحید خالص کی دعوت' اور ہر طرح کے شرک و کفر سے- جس کی ایک قسم تثلیث بھی ہے- بچنے کی تاکید۔

۳-انبیاء اور ان کی صفات کا ذکر' اور بت پرستی' کفر اور دوسرے معاصی سے ان کی پاکی' ان پر ایمان لانے والوں کی مدح اور ان کے دشمنوں کی مذمت' اور ان پر عموماً اور حضرت مسیح اور محمد علیہما السلام پر خصوصاً ایمان لانے کے وجوب کی تاکید۔

۴-انجام کار' کافروں پر اہل ایمان کے غلبے کا وعدہ۔

۵-قیامت' جنت' جہنم اور اعمال کی جزا کا ذکر' دنیا کی مذمت اور عقبیٰ کی تعریف۔

۶-حلال و حرام' اور اوامر و نواہی' کھانے' پینے' طہارت' عبادت' معاملات' شخصی احوال (پرسنل لاء) وغیرہ کے احکام کا بیان۔

۷-اللہ اور اس کے اولیاء کی محبت کی ترغیب اور فجار و فساق کی مصاحبت پر زجر و توبیخ۔

۸-ہر چیز میں اللہ کے لئے نیت خالص کرنے کی تاکید اور ریاکاری و شہرت پسندی پر وعید۔

۹-اخلاق جمیلہ کی تاکید و مدح اور برے اخلاق پر وعید اور اس کی مذمت اور اس سے تنفیر۔

۱۰-تقویٰ تک لے جانے والا وعظ اور اللہ کے ذکر و عبادت کی ترغیب۔

اور کوئی شک نہیں کہ ایسے فاضل مطالب عقلاً اور نقلاً محمود ہیں' اور ان مطالب عالیہ کی

تاکید و برقراری کیلئے ان کا ذکر قرآن کریم میں بار بار آیا ہے' اور اگر یہ مطالب و مضامین عالیہ قبیح ہوں تو ان کے بعد اور کون سا مضمون ہے جو اچھا ہو سکتا ہے ؟

ہاں ! قرآن کریم میں قبیح مضامین نہیں ہیں جیسا کہ عہد قدیم و جدید (بائبل) کی کتابوں میں ہیں' مثلاً :

۱- کتاب پیدائش' باب ۱۹' فقرہ ۳۰ تا ۳۸ میں آیا ہے کہ لوط علیہ السلام نے اپنی دونوں بیٹیوں سے زنا کیا اور اس زنا سے وہ دونوں حاملہ ہوئیں۔

۲- کتاب سموئیل دوم' باب ۱۱' فقرہ ۱ تا ۲۷ میں آیا ہے کہ داود علیہ السلام نے اوریا کی بیوی سے زنا کیا' پھر اوریا کو حیلے سے قتل کرا کر اس کی بیوی سے شادی کر لی۔

۳- کتاب خروج' باب ۳۲' فقرہ ۱ تا ۶ میں آیا ہے کہ ہارون علیہ السلام نے بنی اسرائیل کے لئے بچھڑا بنایا اور ان کے ساتھ اس کی پوجا کی۔

۴- کتاب سلاطین اول' باب ۱۱' فقرہ ۱ تا ۱۳ میں آیا ہے کہ سلیمان علیہ السلام آخر عمر میں مرتد ہو گئے' بتوں کی پوجا کی اور ان کے لئے بت خانے بنائے۔

۵- کتاب سلاطین اول' باب ۱۳' فقرہ ۱۱ تا ۳۰ میں آیا ہے کہ بیت ایل میں جو نبی تھے انہوں نے تبلیغ میں اللہ پر جھوٹ گھڑا اور جھوٹ بول کر دوسرے نبی کو دھوکہ دیا اور اسے اللہ کے غضب میں ڈال دیا۔

۶- کتاب پیدائش' باب ۳۸' فقرہ ۱۲ تا ۳۰ میں آیا ہے کہ یہوداہ بن یعقوب علیہ السلام نے اپنی بہو- یعنی اپنے بیٹے عیر کی بیوی- تمر سے زنا کیا' اور اس زنا سے اس نے فارص کو جنا' جس کی نسل سے داود اور سلیمان اور عیسیٰ علیہم السلام ہیں' اس لئے یہ سب کے سب حرامی کی اولاد ہیں۔

۷- کتاب پیدائش' باب ۳۵' فقرہ ۲۲ میں آیا ہے کہ روبین بن یعقوب علیہ السلام نے

اپنے باپ کی حرم بلہاہ سے زنا کیا اور جب ان دونوں (یہوداہ اور روبین) کی حرکت کا باپ یعقوب کو علم ہوا تو انہوں نے ان پر حد (سزا) نہیں قائم کی' بلکہ یہوداہ کے لئے مکمل برکت کی دعا کی۔

۸-کتاب سموئیل دوم' باب ۱۳' فقرہ ۱ تا ۳۹ میں آیا ہے کہ امنون بن داود علیہ السلام نے اپنی بہن تمر سے زنا کیا اور داود کو ان دونوں کی حرکت کا علم ہوا' لیکن ان پر حد (سزا) نہیں قائم کی۔

۹-اناجیل (متی باب ۲۶' فقرہ ۱۴ تا ۱۶' مرقس باب ۱۴' فقرہ ۱۰' ۱۱' لوقا باب ۲۲' فقرہ ۳ تا ۶' یوحنا باب ۱۸' فقرہ ۱ تا ۵) میں آیا ہے کہ یہوداالخریوطی جو بارہ حواریوں میں سے ایک تھا وہ تیس درہم کے بدلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہود کے حوالے کرنے پر راضی ہو گیا' جبکہ عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ حوارین سولی دیئے گئے الٰہ کے انبیاء اور پیغمبر ہیں۔

۱۰-اناجیل (متی باب ۲۶' فقرہ ۵۷ تا ۶۸' مرقس باب ۱۴' فقرہ ۵۳ تا ۶۵' لوقا باب ۲۲' فقرہ ۵۴ تا ۷۱' یوحنا باب ۱۸' فقرہ ۱۲ تا ۲۴) میں آیا ہے کہ سردار کاہن کائفا- جو یوحنا انجیلی کی شہادت کے مطابق نبی تھا- اس نے حضرت عیسیٰ کو جھٹلایا' انہیں کافر کہا' ان کی اہانت کی اور ان کے قتل کا فتویٰ دیا' جبکہ عیسیٰ علیہ السلام- عیسائیوں کے خیال میں- کائفا کے الٰہ ہیں' یعنی نبی نے اپنے الٰہ کو کافر کہا' اس کی توہین کی اور پھر اس کے قتل کا بھی فتویٰ دے دیا۔

تو یہ اور ان جیسے نہایت قبیح مضامین ان کی تحریف شدہ کتابوں میں پائے جاتے ہیں اور یہی پادریوں اور عیسائی گروں کے نزدیک مالوف ہیں اور انہیں کو وہ بلند اور عمدہ مطالب سمجھتے ہیں۔ لہٰذا اگر انہیں قرآن کریم بھی ان ہی جیسے مضامین پر مشتمل ملتا تو یہ اس کو اللہ کا

کلام تسلیم کر کے قبول کر لیتے'لیکن چونکہ انہیں قرآن کریم ایسے مضامین سے خالی ملا'اس لئے اس کا انکار کر دیا اور اس کی صحت میں طعنہ زنی کی۔

دوسرا شبہہ : عیسائی کہتے ہیں کہ قرآن متعدد مقامات میں عہد قدیم اور عہد جدید (بائبل) کے مخالف ہے'لہٰذا وہ اللہ کا کلام نہیں ہو سکتا۔

اس شبہے کا جواب یہ ہے کہ عہد قدیم و جدید کی کتابوں کی متصل سندان کے مصنفین تک ثابت نہیں ہے اور یہ بات ثابت ہے کہ یہ کتابیں معنوی اختلافات اور بہت سی غلطیوں سے بھری پڑی ہیں اور اس کے متن میں اضافہ یا کمی کر کے اور جملوں اور کلمات میں تبدیلی کر کے قصداً تحریف کیا جانا بھی ثابت ہے۔ لہٰذا متعدد مقامات میں قرآن نے ان کی کتابوں کی جو مخالفت کی ہے وہ بالقصد مخالفت ہے' سہواً نہیں ہے' اور اس تنبیہ کے لئے ہے کہ ان کتابوں میں جو بات قرآن کے خلاف ہے وہ غلط اور تحریف شدہ ہے'لہٰذا یہ مخالفت قرآن کو داغدار نہیں کرتی'بلکہ اس سے قرآن کی صحت اور ان کتابوں کی غلطی قطعی ہو جاتی ہے۔

پھر قرآن اور بائبل میں جو مخالفت ہے اسے ہم تین قسموں میں محصور کر سکتے ہیں :
پہلی قسم منسوخ احکام کے اعتبار سے' دوسری قسم ان بعض حالات کے اعتبار سے جن کا ذکر قرآن کریم میں ہے اور بائبل میں نہیں ہے' تیسری قسم اس اعتبار سے کہ جن بعض حالات کا بیان قرآن کریم میں آیا ہے وہ ان ہی حالات کے متعلق بائبل کے بیان کے خلاف ہے۔
اور ان تینوں قسموں کے اعتبار سے قرآن پر طعن کے لئے عیسائیوں کے پاس کوئی حجت نہیں' وجہ یہ ہے :

جہاں تک منسوخ احکام کے اعتبار سے مخالفت کا تعلق ہے تو اس میں طعن کی گنجائش اس لئے نہیں کہ پہلے باب میں یہ بات گزر چکی ہے کہ نسخ قرآن کریم کے ساتھ خاص نہیں' بلکہ گزشتہ شریعتوں میں بھی پایا گیا ہے۔ ڈاکٹر پادری فنڈر اور شیخ رحمت اللہ کے

درمیان جو عظیم مناظرہ ہوا تھا اس میں یہ پادری توریت وانجیل کے اندر نسخ واقع ہونے کا اقرار کرچکا ہے' جبکہ مناظرہ سے پہلے وہ اس کا شدت سے منکر تھا۔

اور جہاں تک اس مخالفت کا تعلق ان بعض حالات کے اعتبار سے ہے جن کے ذکر میں قرآن کریم منفرد ہے اور وہ بائبل میں مذکور نہیں ہوئے ہیں' تو یہ مخالفت اس بات کی نفی نہیں کرتی کہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا کلام ہے' کیونکہ کتب عہد جدید میں بھی ایسے حالات پائے جاتے ہیں جو عہد قدیم میں مذکور نہیں ہیں' مگر عہد جدید کا ان کے ذکر کے ساتھ منفرد ہونا ان عیسائیوں کی نظر میں معیوب نہیں ٹھہرا۔ ذیل میں اس کی بعض مثالیں دی جاتی ہیں :

۱- یہوداہ کے خط کے فقرہ ۹ میں ہے : "لیکن مقرب فرشتہ میکائیل نے موسیٰ کی لاش کی بابت ابلیس سے بحث و تکرار کرتے وقت لعن طعن کے ساتھ اس پہ نالش کرنے کی جرأت نہ کی"۔

ان دونوں کی یہ بحث و تکرار عہد قدیم کی کسی کتاب میں مذکور نہیں۔

۲- عبرانیوں کے نام خط' باب ۱۲' فقرہ ۲۱ میں ہے : "اور وہ نظارہ ایسا ڈراؤنا تھا کہ موسیٰ نے کہا میں نہایت ڈرتا اور کانپتا ہوں"۔

جبل سینا پر موسیٰ علیہ السلام کے چڑھنے اور پہاڑ کے نیچے قوم کے ٹھہرنے کا ذکر کتاب خروج' باب ۱۹' فقرہ ۷ تا ۲۵ میں بھی آیا ہے' مگر اس میں یا عہد قدیم کی دوسری کتابوں میں مذکورہ فقرہ نہیں ہے۔

۳- تیمتھیس کے نام پولس کے دوسرے خط کے باب ۳ فقرہ ۸ میں ہے : "اور جس طرح کہ ینیس اور یمبریس نے موسیٰ کی مخالفت کی تھی"۔

فرعون کے جادوگروں کا قصہ کتاب خروج کے ساتویں باب میں آیا ہے' لیکن اس میں

اور دوسری کتابوں میں یہ عبارت نہیں ہے اور عہد قدیم کی کسی بھی کتاب میں ان دونوں ناموں کا کوئی نام و نشان نہیں ہے۔

۴- گرنتھیوں کے نام پولس کے پہلے خط' باب ۱۵' فقرہ ۶ میں حضرت مسیح کے اٹھائے جانے کے بعد ان کے ظاہر ہونے کا ذکر کرتے ہوئے آیا ہے : "پھر پانچ سو سے زیادہ بھائیوں کو ایک ساتھ دکھائی دیا' جن میں سے اکثر اب تک موجود ہیں اور بعض سو گئے"۔

اس خبر کا کوئی نام و نشان نہ چاروں اناجیل میں ہے' نہ کتاب "رسولوں کے اعمال" میں ہے' حالانکہ لوقا اس قسم کی عجیب باتیں لکھنے کا سب سے زیادہ حریص تھا۔

۵- اناجیل میں قیامت' اعمال کی جزاء اور جنت و جہنم کا اجمالاً ذکر پایا جاتا ہے' مگر موسیٰ علیہ السلام کی پانچ کتابوں میں اس کا کوئی نام و نشان نہیں' بلکہ ان میں جو کچھ ہے وہ فرمانبرداروں کے لئے دنیاوی وعدے ہیں اور نافرمانوں کے لئے دنیاوی دھمکیاں۔

۶- انجیل متی باب ا' فقرہ ۱۳ تا ۱۵ میں مسیح علیہ السلام کے نسب نامہ میں رزبابل کے نام کے بعد نو نام مذکور ہیں' جبکہ عہد قدیم کی کتابوں میں ان ناموں کا کوئی ذکر نہیں۔

اسی طرح دوسرے بہت سے احوال ہیں جن کا حصر مشکل ہے' ان سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر بعد والی کتاب بعض ایسے حالات کے ذکر میں منفرد ہو جو پہلے والی کتاب میں مذکور نہیں تو اس سے یہ نہیں لازم آتا کہ بعد والی کتاب جھوٹی ہے' ورنہ لازم آئے گا کہ انجیل جھوٹی ہو' کیونکہ وہ ایسے حالات پر مشتمل ہے جو توریت میں اور عہد قدیم کی کسی بھی دوسری کتاب میں مذکور نہیں۔ حق یہ ہے کہ متقدم کتاب ضروری نہیں کہ متاخر کتاب میں مذکور تمام حالات پر مشتمل ہو۔

باقی رہا عیسائیوں کا یہ طعن کہ قرآن کریم میں بعض حالات کا بیان بائبل کے بیان سے مختلف ہے' تو اس میں بھی ان کے لئے کوئی حجت نہیں' کیونکہ نہایت فاش اختلافات خود

عہد قدیم کی کتابوں میں باہم موجود ہیں' اور عہد جدید کی کتابوں میں بھی باہم موجود ہیں' اور عہد قدیم اور عہد جدید کی کتابوں کے درمیان بھی موجود ہیں' جیساکہ پہلے باب میں گذر چکا ہے' اور توریت کے تینوں نسخوں یعنی عبرانی' سامری اور یونانی میں بھی آپس میں بڑا اختلاف ہے' اور چاروں اناجیل - متی' مرقس' لوقا اور یوحنا - میں بھی آپس میں بڑا اختلاف ہے' لیکن پادری حضرات اپنی کتابوں کے اختلافات سے آنکھیں موند لیتے ہیں اور قرآن کریم پر طعن کے لئے متوجہ ہو جاتے ہیں' تاکہ اس شبہے سے عام مسلمانوں کو غلطی میں ڈال سکیں' حالانکہ قرآن ان کی کتابوں کی مخالفت کرے تو اس سے اسے کوئی ضرر نہیں پہنچتا' کیونکہ قرآن ایک مستقل کتاب ہے' جو اللہ کی طرف سے بذریعہ وحی آئی ہے' بلکہ یہ مخالفت اس کے صدق کی اور عیسائیوں کی کتب میں تحریف واقع ہونے کی سب سے بڑی قطعی دلیل ہے۔

فصل دوم

احادیث نبویہ شریفہ پر پادریوں کے شبہات کے رد میں

پہلا شبہہ: پادری کہتے ہیں کہ احادیث کے راوی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں، آپ کے اقرباء اور آپ کے اصحاب ہیں، اور آپ کے حق میں ان کی شہادت کا اعتبار نہیں۔

جواب یہ ہے کہ یہ شبہہ پادریوں پر وارد کیا جا سکتا ہے اور کہا جا سکتا ہے کہ موجودہ اناجیل میں حضرت مسیح کے جو احوال و اقوال درج ہیں ان کے راوی حضرت مسیح کے اصحاب اور شاگرد ہیں اور آپ کے حق میں ان کی شہادت کا اعتبار نہیں، بالخصوص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے کسی نے بھی ویسا مبالغہ نہیں کیا ہے جیسا کہ چوتھے انجیلی نے اس انجیل کے آخر میں (یوحنا باب ۲۱، فقرہ ۲۵ میں) کیا ہے، چنانچہ کہا ہے: "اور بھی بہت سے کام ہیں جو یسوع نے کئے اگر وہ جدا جدا لکھے جاتے تو میں سمجھتا ہوں کہ جو کتابیں لکھی جاتیں ان کے لئے دنیا میں کوئی گنجائش نہ ہوتی"۔

کوئی شک نہیں کہ کلام نرا جھوٹ اور بدترین شاعرانہ مبالغہ ہے، اور یہ عقلاء کو ایمان کی طرف نہیں لے جا سکتا البتہ بیوقوف کو دھوکہ دے سکتا ہے۔

یہ بھی یاد رہے کہ شیعوں کا اثنا عشری فرقہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بارے میں جو بکواس کرتا ہے اس میں پادری حضرات کے لئے کوئی دلیل نہیں ہے، کیونکہ بعض عیسائی فرقے بھی ایسے پائے گئے ہیں کہ ان کے اقوال و اعتقادات کی وجہ سے پادری حضرات نے ان پر کفر اور بدعت کا حکم لگایا ہے، مثلاً وہ کہتے ہیں کہ خدا دو ہیں، ایک خیر کا خدا اور دوسرا شر کا خدا، اور شر کے خدا نے ہی موسیٰ علیہ السلام کو توریت دی، اور یہ کہ عیسیٰ علیہ السلام جہنم میں اترے اور ساری شریر روحوں کو باہر نکال لائے اور نیک لوگوں کی

روحیں اسی میں رہنے دیں' اور یہ کہ جس نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام کیا اور انبیاء یہود کو دھوکہ دیا وہ شیطان تھا' اور یہ کہ تمام انبیاء بنی اسرائیل چور اور ٹھگ تھے' اسی طرح اس بدعتی فرقہ کے اور دوسرے اقوال ہیں۔اور کوئی شک نہیں کہ عیسائی اس قسم کے کافرانہ اقوال و اعتقادات کا انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس فرقہ کے اقوال سے باقی عیسائیوں پر حجت قائم نہیں ہو سکتی' ہم بھی ان سے کہتے ہیں کہ جب اس فرقے کے اقوال تم پر حجت نہیں بن سکتے تو بعض اسلامی فرقوں کے اقوال جمہور اہل اسلام پر بھی حجت نہیں بن سکتے اور ان سے دلیل قائم نہیں ہو سکتی' خصوصاً اس صورت میں جبکہ یہ اقوال قرآن کریم کی نصوص اور بعض ائمہ اہل بیت کے اقوال کے مخالف ہوں اور قرآن کریم میں بہت سی آیات ہیں جو اس باب میں صریح ہیں کہ صحابہ سے کوئی ایسی بات صادر نہیں ہوئی جو ان کے کفر کی موجب ہو اور انہیں ایمان سے باہر کر دے' از انجملہ :

ا- سورۃ التوبہ' آیت ۱۰۰ میں اللہ کا ارشاد ہے :

﴿ وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ۙ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴾

اور مہاجرین وانصار میں سے پہلے پہل سبقت کرنے والے اور وہ لوگ جو اچھائی کے ساتھ ان کے پیرو ہوئے اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے اور اللہ نے ان کے لئے ایسی جنتیں تیار کی ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں' ان میں یہ ہمیشہ رہیں گے' یہی زبردست کامیابی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے سابقین اولین' مہاجرین وانصار کو اپنی رضامندی اور جنت میں ہیشگی کی خوشخبری دی ہے' اور کوئی شک نہیں کہ ابوبکر و عمر اور عثمان و علی رضی اللہ عنہم سابقین

اولین میں سے تھے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ انہیں اللہ کی رضا اور جنت کی بشارت ہے اور یہیں سے ان کی خلافت کی صحت بھی ثابت ہوئی، اور جس طرح حضرت علی پر طعن کرنے والے کی بات مردود ہے اسی طرح باقی تینوں پر طعن کرنے والے کی بات بھی مردود ہے، نہ ان میں طعن کی کوئی گنجائش ہے اور نہ دوسرے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین میں۔

۲-سورۃ التوبہ، آیت ۲۰ تا ۲۲ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ۞ يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَّجَنّٰتٍ لَّهُمْ فِيْهَا نَعِيْمٌ مُّقِيْمٌ ۞ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴾

جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں اپنے مال اور اپنی جان سے جہاد کیا وہ اللہ کے نزدیک بڑے عظیم درجے والے ہیں اور وہی لوگ کامیاب ہیں، ان کو ان کا پروردگار بشارت دیتا ہے اپنی رحمت کی اور رضوان کی، اور ایسی جنتوں کی جن میں ان کے لئے دائمی نعمت ہوگی، ان میں ہمیشہ رہیں گے، بیشک اللہ کے نزدیک بڑا اجر ہے۔

یہاں اللہ تعالیٰ اپنی راہ میں جہاد کرنے والے مومنین مہاجرین کے بارے میں فرمارہا ہے کہ اللہ کے نزدیک ان کے بڑے درجے ہیں اور وہ لوگ کامیاب ہیں، اللہ کی طرف سے ان کے لئے رحمت اور جنتوں میں ابدی خلود کی بشارت ہے، اور اسے یوں موکد کیا ہے کہ وہ ہمیشہ قائم رہنے والی نعمت ہے۔ اور کوئی شک نہیں کہ خلفائے اربعہ اپنی جان و مال کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے مومنین مہاجرین مین سے ہیں، لہٰذا ان کی کامیابی بھی ثابت ہے، ان کیلئے بشارت بھی ثابت ہے اور ان کی خلافت کی صحت بھی ثابت ہے، اور

ان میں اور دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین میں طعن کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

۳- سورۃ التوبہ، آیت ۸۸، ۸۹ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

﴿ لٰكِنِ الرَّسُولُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ جٰهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ ۚ وَأُولٰئِكَ لَهُمُ الْخَيْرَاتُ ۖ وَأُولٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۞ أَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خٰلِدِينَ فِيهَا ۚ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴾

لیکن رسول اور جو لوگ ان کے ساتھ ایمان لائے انہوں نے اپنے مال اور اپنی جان کے ساتھ جہاد کیا، یہ وہ لوگ ہیں کہ ان کے لئے بھلائیاں ہیں، اور یہی لوگ ہیں جو کامیاب ہیں، اللہ نے ان کے لئے جنتیں تیار کر رکھی ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، یہ لوگ اس میں ہمیشہ رہیں گے اور یہی بڑی کامیابی ہے۔

اللہ نے یہاں مومنین و مجاہدین صحابہ کو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے بشارت دی ہے کہ ان کیلئے بھلائیاں ہیں، کامیابی ہے اور جنت میں ہمیشگی ہے، اور کوئی شک نہیں کہ خلفائے اربعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد کرنے والے مومنین میں سے تھے، لہٰذا ان کے لئے کامیابی، بھلائیاں اور جنت کی ہمیشگی ثابت ہے اور یہیں سے ان کی خلافت کی صحت بھی ثابت ہوتی ہے اور ان میں اور دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین میں طعن کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

۴- سورۃ الحج، آیت ۴۱ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

﴿ الَّذِينَ إِن مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَآتَوُا الزَّكٰوةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنكَرِ ۗ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ ﴾

وہ لوگ کہ اگر ہم انہیں زمین میں غلبہ دے دیں تو وہ نماز قائم کریں گے، زکوٰۃ ادا

کریں گے' بھلائی کا حکم دیں گے اور برائی سے روکیں گے اور سارے معاملات کا انجام اللہ کے لئے ہے۔

یہ ان مہاجرین کے اوصاف ہیں جو اپنے گھروں سے ناحق نکال دیئے گئے تھے' جو اس سے پہلے کی آیت (۴۰) میں مذکور ہیں۔ یہاں اللہ نے ان مہاجرین کا وصف بیان کیا ہے کہ اگر اللہ ان کو زمین میں غلبہ و حکمرانی عطا کر دے تو وہ چار کام کریں گے : نماز قائم کرنا' زکوۃ دینا' بھلائی کا حکم کرنا اور برائی سے روکنا۔ اس میں کوئی شک نہیں کر سکتا کہ اللہ تعالیٰ نے خلفاء اربعہ کو زمین میں حکمرانی عطا کی اور ان کے زمانہ میں اسلام کا رقبہ خاصا وسیع ہوا' اس لئے ثابت ہوا کہ انہوں نے چاروں کام کئے' اور یہ بھی ثابت ہوا کہ وہ خود بھی اور ان کے پیروکار صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی حق پر اور اللہ کے پسندیدہ راستے پر تھے۔

۵- سورۃ النور' آیت ۵۵ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

﴿ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْئًا وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴾

تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال کئے اللہ نے ان سے وعدہ کیا ہے کہ انہیں ضرور زمین کا خلیفہ بنائے گا جیسا کہ ان سے پہلے کے لوگوں کو خلیفہ بنایا' اور ان کے جس دین کو ان کے لئے پسند کیا ہے اسے غلبہ (یا قابو) عطا کرے گا اور انہیں ضرور ان کے خوف کے بعد امن سے بدل دے گا' وہ میری عبادت کریں گے' میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں گے' اور جس نے اس کے بعد کفر کیا تو ایسے ہی

لوگ فاسق ہیں۔

اور کوئی شک نہیں کہ اس آیت کے مخاطب وہی مومنین ہیں جو اس کے نزول کے وقت موجود تھے' اور لفظ استخلاف (خلیفہ اور جانشین بنانا) دلالت کرتا ہے کہ اس وعدے کا حصول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہو گا' اور معلوم ہے کہ آپ خاتم الانبیاء ہیں' آپ کے بعد کوئی نبی نہیں۔ اس لئے اس استخلاف سے مراد' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ائمہ و خلفاء ہیں' اور ساری ضمیریں جو ان لوگوں کی طرف پلٹ رہی ہیں وہ سب کی سب جمع کے صیغہ پر ہیں' اور جمع حقیقی تین سے کم پر محمول نہیں ہوتا' لہذا ثابت ہوا کہ یہ ائمہ اور خلفاء جن سے یہ وعدہ کیا گیا ہے تین سے کم نہیں ہوں گے۔

اور اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد : ﴿ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ ﴾ "ان کو غلبہ یا قابو عطا کرے گا" اس بات کا وعدہ ہے کہ ان کو دنیا میں شوکت و قوت اور نفوذ حاصل ہو گا۔ اور کوئی بھی شک نہیں کر سکتا کہ خلفائے ثلاثہ ابو بکر' عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کو یہ وعدہ حاصل ہوا۔

اور اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد : ﴿ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ ﴾ "جس دین کو ان کے لئے پسند کیا" اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ جو دین ان کے عہد میں ظاہر و غالب ہوا وہی اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ دین ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد : ﴿ وَلَيُبَدِّلَنَّهُم مِّن بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا ﴾ "ان کو ضرور ان کے خوف کے بعد امن سے بدل دے گا" اس بات کا وعدہ ہے کہ وہ لوگ اپنے عہد خلافت میں مامون ہوں گے' خوفزدہ نہیں ہوں گے۔ کوئی شک نہیں کہ خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے عہد میں یہ وعدہ حاصل ہوا۔

اور اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد : ﴿ يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا ﴾ "میری عبادت کریں گے' میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کریں گے" دلالت کرتا ہے کہ وہ لوگ اپنے

عہد خلافت میں مومن ہوں گے، مشرک نہ ہوں گے۔

لہذا یہ آیت چاروں خلفاء رضی اللہ عنہم کی امامت (حکمرانی) کے صحیح ہونے پر دلالت کرتی ہے، بالخصوص ان میں سے پہلے تین یعنی ابوبکر صدیق، عمر فاروق اور عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہم کے عہد میں۔ کیونکہ عظیم فتوحات، مکمل غلبہ، دین کا ظہور اور امن جیسا ان کے دور میں حاصل ہوا ویسا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عہد میں حاصل نہیں ہوا۔ اس سے ثابت ہوا کہ خلفائے ثلاثہ اور ان کے پیروکار باقی صحابہ رضی اللہ عنہم کے حق میں شیعہ جو بکواس کرتے ہیں اور حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے حق میں خوارج جو بکواس کرتے ہیں وہ قرآن کریم کی نص سے باطل ہے۔ لہذا ان کی بات کی طرف التفات نہیں کیا جا سکتا اور نہ ان کے اقوال سے جمہور اہل اسلام پر حجت قائم کی جا سکتی ہے۔

۶- سورۃ الفتح، آیت ۲۶ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ إِذْ جَعَلَ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي قُلُوبِهِمُ الْحَمِيَّةَ حَمِيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ فَأَنزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَىٰ رَسُولِهِ وَعَلَى الْمُؤْمِنِينَ وَأَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوَىٰ وَكَانُوا أَحَقَّ بِهَا وَأَهْلَهَا ۚ وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا ﴾

جب کافروں نے اپنے دلوں میں حمیت کو (وہ بھی) حمیت جاہلیت کو جگہ دی تو اللہ نے اپنے رسول اور مومنین پر اپنی سکینت نازل کی اور انہیں تقویٰ کی بات پر جمائے رکھا اور وہی اس کے زیادہ مستحق اور اہل تھے اور اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔

اور سورۃ الفتح ہی کی آیت ۲۹ میں اللہ کا ارشاد ہے:

﴿ مُّحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ ۚ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ ۖ تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا ۖ سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِم مِّنْ أَثَرِ السُّجُودِ ﴾

محمد اللہ کے رسول ہیں' اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں کافروں پر سخت ہیں' آپس میں رحم دل ہیں' تم انہیں دیکھو گے کہ رکوع اور سجدے کر رہے ہیں' اللہ کے فضل اور رضامندی کی جستجو میں ہیں' ان کا نشان ان کے چہروں پر سجدوں کے اثر سے ہے۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کے حق میں ارشاد فرمایا ہے کہ وہ مومن ہیں اور سکینت کے نزول میں رسول کے شریک ہیں' تقویٰ کی بات کے زیادہ مستحق اور اہل ہیں' اور یہ تقویٰ ان کے لئے لازم ہے' ان سے جدا نہیں ہو سکتا' اور ان کی مدح فرمائی ہے کہ وہ کفار پر سخت اور آپس میں رحمدل ہیں' وہ رکوع اور سجدے کرتے ہیں' اللہ کا فضل اور رضامندی چاہتے ہیں۔ اور کوئی شک نہیں کہ خلفائے اربعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے تھے' لہٰذا وہ اس وصف و مدح میں داخل ہیں' اور جو ان کے حق میں اور ان کے پیروکار صحابہ کے حق میں اس کے بجائے کوئی اور اعتقاد رکھتا ہے وہ خطاکار ہے' اس کا عقیدہ باطل ہے اور قرآن کریم کی نص کے مخالف ہے۔

۷- سورۃ الحجرات' آیت ۷ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ حَبَّبَ إِلَيْكُمُ الْإِيمَانَ وَزَيَّنَهُ فِي قُلُوبِكُمْ وَكَرَّهَ إِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوقَ وَالْعِصْيَانَ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الرَّاشِدُونَ ﴾

لیکن اللہ نے ایمان کو تمہارے لئے محبوب بنا دیا اور اسے تمہارے دلوں میں مزین کر دیا اور کفر اور بدکاری اور نافرمانی کو تمہارے لئے ناگوار ٹھہرایا' یہی لوگ راہ یافتہ ہیں۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ ایمان سے محبت رکھتے تھے اور کفر و فسق اور نافرمانی کو گوارا نہ کرتے تھے اور ہدایت یافتہ تھے۔ لہٰذا ان کے

حق میں اس کے برعکس اعتقاد رکھنا خطا ہے' اور قرآن کریم کی نص کے مخالف ہے۔

۸- سورۃ الحشر آیت ۸'۹ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

﴿ لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِیْنَ الَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ یَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَّیَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۝ وَالَّذِیْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِیْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ یُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَیْهِمْ وَلَا یَجِدُوْنَ فِیْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَیُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ؕ۟ وَمَنْ یُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴾

(فے کا مال) ان مہاجر فقیروں کے لئے ہے جو اپنے گھروں سے اور اپنے مالوں سے نکال دیئے گئے ہیں' وہ اللہ کا فضل اور اس کی رضا مندی چاہتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں۔ یہی لوگ راستباز ہیں' اور (یہ مال فے) ان کے لئے ہے جنہوں نے اس گھر میں (یعنی مدینہ میں) اور ایمان میں ان سے پہلے جگہ بنائی ہے' اپنی طرف ہجرت کر کے آنے والوں سے محبت کرتے ہیں اور جو کچھ ان کو دیدیا جائے اس سے وہ اپنے دلوں میں کوئی دغدغہ نہیں رکھتے اور اپنے اوپر انہیں ترجیح دیتے ہیں' گو خود کتنی ہی سخت حاجت ہو' اور جو اپنے نفس کے حرص سے بچالیا گیا وہی کامیاب ہے۔

اس میں اللہ نے مہاجرین کی مدح کی ہے کہ ان کی ہجرت دنیا کے لئے نہیں ہے' بلکہ اللہ کی رضامندی حاصل کرنے کے لئے اور اللہ اور اس کے رسول کے دین کی نصرت کے لئے ہے' اور وہ قول و فعل دونوں میں سچے ہیں' اور اللہ تعالیٰ نے انصار کی بھی مدح کی ہے کہ جو لوگ ان کے پاس ہجرت کر کے آئے ہیں ان سے محبت رکھتے ہیں اور ان مہاجرین کو

جب کوئی خیر حاصل ہوتا ہے تو ان انصار کو خوشی ہوتی ہے اور یہ مہاجرین کو خود محتاج ہوتے ہوئے بھی اپنے آپ پر ترجیح دیتے اور مقدم رکھتے ہیں۔

اور کوئی شک نہیں کہ اس قسم کے اوصاف کمال ایمان پر دلالت کرتے ہیں' پھر اللہ نے ان کے سچے ہونے کی شہادت دی ہے' اور چونکہ یہ لوگ ابو بکر رضی اللہ عنہ کو "یا خلیفۃ رسول اللہ" کہتے تھے' لہٰذا ضروری ہے کہ وہ اس قول میں سچے ہوں اور ضروری ہے کہ ان کی امامت و خلافت کی صحت کا یقین کیا جائے۔ لہٰذا جو شخص حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے حق میں یا مہاجرین و انصار کے حق میں اس کے علاوہ کوئی اور اعتقاد رکھتا ہے وہ خطاکار ہے' اس کا عقیدہ باطل ہے اور نص قرآن کے مخالف ہے۔

۹- سورۃ آل عمران' آیت ۱۱۰ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

﴿ كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللهِ ﴾

تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لئے نکالی گئی ہے' بھلائی کا حکم دیتے ہو' برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

اس میں اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی مدح کی ہے کہ وہ بہترین امت ہیں' بھلائی کا حکم دیتے ہیں' برائی سے روکتے ہیں اور اللہ پر ایمان رکھنے والے ہیں۔ اور کوئی شک نہیں کہ خلفائے اربعہ اسی امت محمودہ سے تھے' اور جو شخص ان کے بارے میں اس کے سوا کوئی اور اعتقاد رکھے وہ خطاکار ہے اور قرآن کریم کے صریح مخالف ہے۔

اب ذیل میں ائمہ اہل بیت کے بعض اقوال پیش خدمت ہیں :

۱- کتاب نہج البلاغہ میں جو شیعوں کے نزدیک مقبول کتاب ہے' حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے : "اللہ کے لئے ہے فلاں کی خوبی (اور ایک روایت میں ہے فلاں کی

آزمائش) کہ اس نے (۱) کجی سیدھی کی (۲) بیماری کا علاج کیا (۳) سنت قائم کی (۴) بدعت کو پیچھے پھینکا (۵) پاکدامن اور (۶) بے عیب گذر گیا (۷) دنیا کا خیر پایا (۸) اور اس کے شر سے پہلے گذر گیا (۹) اللہ کی اطاعت کی (۱۰) اور اس کے حق کے مطابق اس کا تقویٰ اختیار کیا۔

اکثر شارحین کے نزدیک (جن میں فقیہ کمال الدین بحرانی شیعی متوفی ۶۸۱ھ-۱۲۸۲ء بھی ہے) فلاں سے مراد ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں' جبکہ بعض شارحین نے یہ اختیار کیا ہے کہ وہ عمر فاروق رضی عنہ ہیں۔ بہر حال اس قول میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو بکر یا حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے دس اوصاف ذکر کئے ہیں' اور جب ان کے یہ اوصاف ان کی وفات کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اقرار کے مطابق ثابت ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ان کی خلافت کی صحت میں کوئی شک باقی نہیں رہتا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بعض مکاتیب میں شارحین نہج البلاغہ کی نقل کے مطابق حضرت ابو بکرو عمر رضی اللہ عنہما کے حق میں ان کا یہ قول آیا ہے : "میری عمر کی قسم! اسلام میں ان کا درجہ عظیم ہے اور ان کی وفات کی مصیبت اسلام کے لئے ایک سخت زخم ہے' اللہ ان دونوں پر رحم کرے اور ان کے نہایت اچھے اعمال کی ان کو جزا دے"۔

۲- کتاب کشف الغمہ جسے ایک معتمد اثنا عشری شیعہ ' علی بن عیسیٰ اردبیلی' متوفی ۶۹۲ھ / ۱۲۹۳ء نے تصنیف کیا ہے' اس میں یہ مصنف ذکر کرتا ہے کہ : "امام ابو جعفر (محمد الباقر) علیہ السلام سے تلوار کی زینت کاری کے بارے میں پوچھا گیا کہ کیا یہ جائز ہے؟ انہوں نے کہا : ہاں' ابو بکر صدیق نے اپنی تلوار کی زینت کاری کی۔ راوی نے کہا : آپ یوں کہہ رہے ہیں؟ اس پر حضرت امام اپنی جگہ سے اچھل پڑے اور فرمایا : ہاں

صدیق! ہاں صدیق! ہاں صدیق! اور جو ان کو صدیق نہ کہے اللہ اس کی بات دنیا اور آخرت میں سچی نہ کرے"۔

اور کتاب "الفصول المہمہ" کا مصنف محمد بن حسن الحر عاملی' جو اثنا عشری شیعوں کے کبار علماء میں سے ہے اس نے نقل کیا ہے کہ ایک جماعت ابو بکر' عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کی نکتہ چینی کر رہی تھی تو ان سے ابو جعفر محمد باقر نے کہا کہ ذرا مجھے یہ بتاؤ کہ تم لوگ "ان مہاجرین میں سے ہو جنہیں ان کے گھروں اور مالوں سے نکال دیا گیا تھا' جو اللہ کا فضل اور اس کی رضا مندی چاہتے تھے اور اللہ اور اس کے رسول کی مدد کرتے تھے"؟ انہوں نے کہا نہیں۔ امام نے کہا: اچھا تو تم ان لوگوں میں سے ہو" جنہوں نے اس گھر (مدینہ) میں اور ایمان میں ان سے پہلے جگہ بنائی تھی اور جو اپنے پاس ہجرت کر کے آنے والوں سے محبت کرتے تھے"؟ انہوں نے کہا نہیں۔ امام نے کہا: اچھا تو تم لوگ ان دونوں میں سے کسی بھی ایک گروہ سے ہونے سے بری ہو اور میں شہادت دیتا ہوں کہ تم لوگ ان میں سے بھی نہیں ہو جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ وَالَّذِينَ جَاءُوا مِن بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِّلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ﴾

اور جو لوگ ان کے بعد آئے جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہمیں بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی جو ایمان کے ساتھ ہم سے پہلے گذر چکے ہیں اور ہمارے دلوں میں ان کے لئے کینہ نہ بنا جو ایمان لائے' اے ہمارے رب! بیشک تو مہربان و رحیم ہے۔

تو ابو جعفر محمد باقر رحمہ اللہ کے اقرار سے ثابت ہوا کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ صدیق

برحق ہیں' ان کا منکر دنیا اور آخرت میں جھوٹا ہے' اور صدیق' فاروق اور ذوالنورین رضی اللہ عنہم پر نکتہ چینی کرنے والا مسلمانوں کی جماعت سے خارج ہے جس کی اللہ نے تعریف کی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے حق میں سوء اعتقاد سے بچائے اور ان کی محبت پر ہمارا خاتمہ کرے' آمین۔

دوسرا شبہہ :

پادری کہتے ہیں کہ کتب حدیث کے مؤلفین نے رسول کو نہیں دیکھا' نہ ان کے معجزات کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا' نہ ان سے بلاواسطہ ان کے فرمودات سنے' بلکہ ان کی وفات کے سو یا دو سو سال کے بعد تسلسل سے سنا' پھر انہیں اکٹھا کیا اور ان کی آدھی مقدار نا قابل اعتبار ہونے کی وجہ سے ساقط کر دی۔

جواب یہ ہے کہ جمہور اہل کتاب اگلوں سے پچھلوں تک زبانی روایات کو لکھی ہوئی روایات کے ہم پلہ مانتے تھے' بلکہ جمہور یہود ان کو لکھی ہوئی سے عمدہ اور زیادہ قابل اعتبار سمجھتے تھے' کیتھولک فرقہ ان زبانی روایات کو لکھی ہوئی کے برابر مانتا ہے اور عقیدہ رکھتا ہے کہ دونوں ہی واجب التسلیم اور ایمان کی اصل ہیں۔

زبانی روایات کے بارے میں یہود کا موقف :

یہود اپنے قانون کی دو قسمیں کرتے ہیں' ایک لکھا ہوا جسے وہ توریت کہتے ہیں' دوسرا نہ لکھا ہوا' اور اسے وہ زبانی روایات کہتے ہیں جو ان تک مشائخ کے واسطے سے پہنچی ہیں۔ ان کا دعویٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو جبل طور پر دونوں قسم کے قوانین دیئے تھے' ایک ان تک کتاب کے ذریعہ پہنچا اور دوسرا مشائخ کے ذریعہ پہنچا' جسے انہوں نے زبانی طور پر نسلاً بعد نسل ایک دوسرے سے نقل کیا۔ ان کا عقیدہ ہے کہ یہ دونوں مرتبے میں مساوی ہیں۔ اللہ کی طرف سے ہیں اور انہیں قبول کرنا ضروری ہے' بلکہ وہ زبانی روایات کو

لکھی ہوئی روایات پر ترجیح دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ لکھا ہوا قانون ناقص ہے اور بہت سے مقامات پر مغلق ہے' اور زبانی روایات کا اعتبار کئے بغیر پورے طور سے ایمان کی اصل نہیں ہو سکتا ہے' کیونکہ زبانی روایات زیادہ واضح اور کامل ہیں اور لکھے ہوئے قانون کی شرح اور تکمیل کرتی ہیں' اسی لئے اگر لکھے ہوئے قانون (توریت) کے معانی زبانی روایات کے مخالف ہوں تو اس لکھے ہوئے قانون کو رد کر دیتے ہیں۔

ان کے درمیان مشہور ہے کہ بنی اسرائیل سے جو عہد لیا گیا تھا وہ اس لکھے ہوئے قانون کے لئے نہ تھا' بلکہ ان زبانی روایات کے لئے تھا۔ گویا انہوں نے اس حیلے سے لکھا ہوا قانون پھینک مارا اور زبانی روایات کو اپنے دین اور ایمان کی بنیاد بنالیا۔ چنانچہ وہ انہی روایات کے مطابق اللہ کے کلام کی تفسیر کرتے ہیں' اگرچہ یہ روایتی معنیٰ بہت سے مقامات پر اللہ کے لکھے ہوئے کلام کے مخالف ہو۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں یہود کا یہ حال افراط کی حد کو پہنچ گیا تھا' یہاں تک کہ وہ ان روایات کی تعظیم لکھے ہوئے قانون سے زیادہ کرنے لگے تھے اور انہیں عیسیٰ علیہ السلام نے اس معاملے میں ڈانٹ پلائی تھی کہ وہ اپنی سنت کے لئے اللہ کا کلام باطل کرتے ہیں۔ ان کی کتابوں میں یہ بات موجود ہے کہ مشائخ کے زبانی الفاظ توریت سے زیادہ محبوب ہیں اور توریت کے الفاظ بعض اچھے ہیں اور بعض اچھے نہیں ہیں۔ لیکن مشائخ کے الفاظ سب کے سب اچھے ہیں اور انبیاء کے الفاظ سے بہت ہی زیادہ عمدہ ہیں۔

اسی طرح ان کے دوسرے اقوال بھی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ لوگ زبانی روایات کی تعظیم لکھے ہوئے قانون سے زیادہ کرتے ہیں اور لکھے ہوئے قانون کو زبانی روایات کی شرح کی روشنی میں سمجھتے ہیں۔ گویا لکھا ہوا قانون ان کے نزدیک مردہ جسم کے درجے میں ہے اور زبانی روایات روح کے درجے میں ہیں جس سے زندگی ہے۔

وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو توریت دی اور اسے لکھنے کا حکم دیا۔ (پس یہ لکھا ہوا قانون ہے) اور انہیں توریت کے معانی بھی دیئے اور بغیر لکھے ہوئے ان کی تبلیغ کا حکم فرمایا (اور یہ زبانی قانون ہے) یہ دونوں قانون موسیٰ علیہ السلام پہاڑ سے لے کر آئے اور لکھا ہوا اور زبانی دونوں قانون حضرت ہارون کو' ان کے دونوں صاحبزادوں کو' اور ستر مشائخ کو پہنچایا' اور ان لوگوں نے باقی بنی اسرائیل کو ان کی خبر دی۔ پھر یہ زبانی روایات زبان در زبان نقل ہوتی رہیں' یہاں تک کہ انہیں ربی یہوداہ حق دوش "یوضاس" نے تقریباً ۱۵۰ء میں جمع کیا اور انہیں جمع کرنے میں بڑی جانفشانی کے ساتھ چالیس برس لگا رہا' پھر انہیں ایک کتاب میں مدون کیا اور اس کا نام مشنا رکھا۔ یہ مشنا ان زبانی روایات پر مشتمل ہے جنہیں موسیٰ علیہ السلام کے بعد تقریباً سترہ صدیوں تک مشائخ زبانی نقل کرتے رہے۔ یہود کا عقیدہ ہے کہ جو کچھ اس کتاب میں ہے وہ سب لکھے ہوئے قانون کی طرح اللہ کے پاس سے ہے اور اسی کی طرح اس کو بھی تسلیم اور قبول کرنا ضروری ہے۔

علمائے یہود نے کتاب مشنا کی دو شرحیں لکھیں۔ ایک تیسری (اور کہا جاتا ہے کہ پانچویں) صدی عیسوی میں یروشلیم (قدس) کے اندر' اور دوسری چھٹی صدی عیسوی کے شروع میں بابل کے اندر۔ ان شرحوں کا نام "کمرا" یعنی کمال رکھا گیا ہے' کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ مشنا کی متن کی مکمل توضیح انہی دونوں شرحوں میں ہوئی ہے' اور جب اس متن اور شرح (مشنا + کمرا) کو یکجا کریں تو یہی مجموعہ "تلمود" کہلاتا ہے۔ البتہ دونوں میں فرق کے لئے "تلمود یروشلیم" اور "تلمود بابل" کہا جاتا ہے۔ یہ شرح "کمرا" واہیات حکایتوں سے بھری ہوئی ہے' لیکن یہود کے نزدیک قابل تعظیم ہے' وہ اسے پڑھتے پڑھاتے ہیں اور ہر مشکل میں یہ یقین کرتے ہوئے اس کی طرف رجوع کرتے ہیں کہ یہ ان کی مرشد ہے۔ چنانچہ اب یہود کا مذہب اور ان کا عقیدہ ان ہی دو تلمودوں سے لیا جاتا ہے جو توریت اور بقیہ

کتب انبیاء سے بعید ہیں' پھر یہ تلمود بابل کو تلمود یروشلیم پر مقدم کرتے ہیں۔

تو جب یہود' زبانی روایات سترہ صدیوں تک ایک دوسرے سے نقل کرتے رہے اور اس کے باوجود انہیں توریت پر مقدم کرتے ہیں' حالانکہ معلوم ہے کہ وہ لوگ اس مدت کے دوران بڑی بڑی آفتوں اور زبردست بلاؤں سے دوچار ہوئے' جن کے سبب ان کی لکھی ہوئی کتابیں ضائع ہوگئیں اور ان کی اسناد اور اس کا تواتر (تسلسل) ختم ہوگیا' اس کے باوجود وہ زبانی روایات کو اپنے ایمان کی بنیاد اور اپنے عقائد کی اصل شمار کرتے ہیں تو احادیث شریف جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صدی یا دو صدی بعد لکھی گئی ہیں ان پر طعن کس طرح جائز ہے؟

زبانی روایات کے بارے میں جمہور قدمائے نصاریٰ کا موقف :

یوسی بیس نے اپنی تاریخ میں ذکر کیا ہے کہ کلیمنس نے جب یعقوب حواری کا حال بیان کیا تو ایسی حکایات نقل کیں جو اسے آباء و اجداد سے زبانی روایات کے ذریعہ ملی تھیں' اور یوحنا حواری کے بارے میں بھی ایسی حکایات نقل کیں جنہیں سینہ بہ سینہ لیا تھا' اور کلیمنس نے اس کا بھی اعتراف کیا ہے کہ وہ زبانی روایات متعدد شیوخ سے نقل کرتا تھا جن میں ایک سریانی تھا جو یونان کے اندر تھا' دوسرا آشوری تھا جو مشرق میں تھا' تیسرا عبرانی تھا جو فلسطین میں تھا۔ لیکن وہ شیخ جس سے اس نے زبانی روایات نقل کیں اور وہ سارے مشائخ سے افضل تھا اور اس کے بعد اس نے پھر کسی شیخ کو تلاش نہیں کیا' وہ ایک ایسا شیخ تھا جو مصر کے اندر روپوش تھا۔

یوسی بیس نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ ارینیوس نے وہ زبانی روایات تحریر کی ہیں جو پولیکارپ سے اس کو ملی تھیں اور کلیسا پولیکارپ سے لی ہوئی زبانی روایات کے ذریعہ تبلیغ کرتا تھا اور ارینیوس فخر کیا کرتا تھا کہ وہ کاپی میں نہیں لکھتا بلکہ قدیم زمانے سے اپنے سینے

میں باتیں یادرکھنے کا عادی ہے۔ اس نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ اکنا تھیس کا گذر جب ایشیائے کوچک سے ہوا تو اس نے مختلف کلیسوں کو تقویت دی اور انہیں وصیت کی کہ زبانی روایات کے ساتھ مضبوطی سے چمٹے رہیں' اور یہ کہ بیس نے وہ ساری چیزیں تحریر کرلیں جو اسے مشائخ اور ان کے پیروکاروں سے ملی تھیں' کیونکہ جو فائدہ اسے زندوں کی زبانی حاصل ہوا' وہ کتابوں سے حاصل نہ ہوا' اور یہ کہ مشہور مورخ ہجیسی بوس نے سہل عبارت میں پانچ کتابوں کے اندر حواریوں کے وہ مسائل تحریر کئے جو اسے زبانی روایات سے ملے تھے' اور یہ کہ بہت سے پادریوں نے عید فصح کے بارے میں بہت سی زبانی روایات جو بعض اشخاص نے انہیں پیش کی تھیں قبول کیں اور انہیں کتاب کے اندر لکھ کر کنیسوں کو ان کی نقول روانہ کیں' تاکہ لوگوں پر انہیں لازم قرار دیا جائے' اور یہ کہ کلیمنس اسکندریانوس جو حواریوں کے پیروکاروں کا پیروکار تھا اس نے ان احباب کی خواہش پر لبیک کہتے ہوئے عید فصح کے بیان میں ایک کتاب تحریر کی جنہوں نے اس سے طلب کیا تھا کہ پادریوں کی زبانی سنی ہوئی روایات کی تدوین کر دے۔

کیتھولک جان ملز نے جیمس براؤن کو جو دسواں خط لکھا تھا اس میں ذکر کیا ہے کہ کیتھولک کے ایمان کی بنیاد صرف اللہ کا لکھا ہوا کلام نہیں ہے بلکہ وہ عام ہے کہ لکھا ہوا ہو' یا لکھا ہوا نہ ہو۔ یعنی کتب مقدسہ (بائبل) اور زبانی روایات - جو کیتھولک کلیسا کی شرح کے مطابق ہوں -وہ دونوں ہی (ان کے ایمان کی بنیاد) ہیں۔ کیونکہ ارینیوس نے بیان کیا ہے کہ طالب حق کے لئے سب سے آسان طریقہ یہ ہے کہ وہ زبانی روایات تلاش کرے' اس لئے کہ قوموں کی زبانیں اگرچہ مختلف ہیں لیکن زبانی روایات کی حقیقت ایک ہے' اور زبانی روایات جو حواریوں سے نسلاً بعد نسلٍ منقول ہیں وہ سب کے سب رومن کیتھولک کلیسا میں محفوظ ہیں' کیونکہ حواریوں نے انہیں لوگوں کے حوالے کر دیا تھا اور لوگوں نے انہیں

کیتھولک کلیسا کے حوالے کر دیا۔

ملز نے اسی خط میں یہ بھی ذکر کیا ہے کہ ٹرٹولین نے کہا ہے کہ اہل بدعت کی عادت یہ ہے کہ وہ کتاب مقدس سے تمسک کرتے ہیں اور زبانی روایات چھوڑ دیتے ہیں تاکہ کمزوروں کو اپنے جال میں پھانس سکیں اور اوسط درجے کے لوگوں کو شک میں ڈال دیں' اسی لئے ہم ان لوگوں کو اجازت نہیں دیتے کہ اپنے مناظروں میں کتب مقدسہ (بائبل) سے استدلال کریں' کیونکہ جو مباحثہ کتب مقدسہ (بائبل) سے استناد کرتے ہوئے ہوگا اس سے دردِ سر اور دردِ شکم کے سوا کوئی فائدہ نہ ہوگا' اور اگر کچھ حاصل بھی ہوا تو ناقص ہوگا' کیونکہ دین مسیحی کے سارے احکام وعقائد جن کی وجہ سے ہم مسیحی ہوئے ہیں وہ زبانی روایات کے ذریعہ منقول ہیں۔

ملز نے اوریجن سے اس کی یہ بات نقل کی ہے کہ ہمارے لئے یہ زیبا نہیں ہے کہ جو لوگ کتب مقدسہ (بائبل) سے نقل کرتے ہیں ان کی تصدیق کریں اور ان زبانی روایات کو چھوڑ دیں جو ہمیں اللہ کا کلیسا پہنچاتا ہے۔

اور اس نے باسلیوس سے ذکر کیا ہے کہ بہت سے مسائل جو کلیسا میں وعظ کے لئے محفوظ ہیں ان میں سے بعض کتب مقدسہ (بائبل) سے اور بعض زبانی روایات سے لئے گئے ہیں اور دین میں ان دونوں کی قوت مساوی ہے۔

اور ابیفانس سے ذکر کیا ہے کہ اس نے بدعتیوں کا رد کرتے ہوئے زبانی روایات کے استعمال کی ترغیب دی ہے' کیونکہ ساری چیزیں کتب مقدسہ (بائبل) میں نہیں پائی جاتیں۔

اور گریزاتھم سے ذکر کیا ہے کہ حواریوں نے ہر چیز کی تبلیغ لکھ کر نہیں کی تھی' بلکہ بہت ساری چیزوں کی تبلیغ زبانی روایات کے ذریعہ کی تھی' اور یہ دونوں اعتبار میں برابر ہیں'

کیونکہ زبانی روایات ہی ایمان کی بنیاد ہیں' اور جب کوئی چیز زبانی روایات سے ثابت ہو تو ہم کوئی دوسری دلیل طلب نہیں کریں گے۔

اور آگستاین سے ذکر کیا ہے کہ بعض مسائل کی تحریری سند نہیں ہے' بلکہ وہ زبانی روایات سے لئے جاتے ہیں' کیونکہ بہت ساری چیزیں کلیسا عوام کے حوالے کرتا ہے' حالانکہ وہ لکھی ہوئی نہیں ہوتیں۔

ربی موسیٰ قدسی نے بہت سے شواہد پیش کئے ہیں کہ کتاب مقدس (بائبل) بغیر زبانی روایات کے سمجھی نہیں جاسکتی۔

عیسائیوں کے سارے عقائد کا یہی حال ہے' ان میں سے کچھ بھی انجیل سے ثابت نہیں ہیں' بلکہ وہ اسے زبانی روایات کی بناء پر قبول کرتے ہیں' مثلاً یہ بات کہ جوہر میں بیٹاباپ کے مساوی ہے۔ روح القدس' باپ اور بیٹے سے پھوٹ کر نکلا ہے۔ مسیح میں دو طبیعت اور ایک اقنوم ہے اور ان کے دو ارادے ہیں : ایک الٰہی اور ایک انسانی۔ اور وہ مرنے کے بعد جہنم میں اترے۔ اور اسی طرح کے دوسرے بہت سے عقائد۔

ڈاکٹر برایٹ نے ذکر کیا ہے کہ جن چیزوں کا نجات میں دخل ہے وہ سب لکھی ہوئی نہیں ہیں' کیونکہ حواریوں نے بہت سی باتوں کی تبلیغ لکھ کر کی اور دوسری بہت سی باتوں کی تبلیغ زبانی روایات کے ذریعہ کی' اور ان لوگوں کے لئے بربادی ہے جو دونوں کو نہیں لیتے' کیونکہ زبانی روایات ایمان کے معاملے میں تحریری ہی کی طرح سند ہیں۔

پادری مونیک نے ذکر کیا ہے کہ زبانی تقریر کا درجہ تحریری سے بڑھ کر ہے۔

جلنگ ورتھ نے ذکر کیا ہے کہ یہ نزاع کہ کیا چیز قانونی ہے زبانی روایات سے ختم ہو جاتی ہے' کہ یہی ہر نزاع کے لئے انصاف کی بنیاد ہے۔

پادری مانی سیک نے شہادت دی ہے کہ چھ سو باتیں ایسی ہیں جو دین میں مقرر ہیں اور

کلیسا ان کا حکم دیتا ہے‘لیکن کتاب مقدس نے کسی بھی جگہ اسے بیان نہیں کیا ہے بلکہ انہیں زبانی روایات کی بنیاد پر قبول کیا گیا ہے۔

ولیم میور کہتا ہے کہ ایمان کے جن عقائد کا اعتقاد رکھنا نجات کے لئے ضروری ہے ان میں سے کوئی بھی عقیدہ قدیم عیسائیوں کے یہاں لکھا ہوا نہ تھا‘ بلکہ بچوں کو اور جو لوگ ملت مسیحیہ میں داخل ہوتے تھے ان کو زبانی طور پر سکھایا جاتا تھا۔

جب ہمیں یہود و نصاریٰ کا حال‘ زبانی روایات کو تحریری سے زیادہ معتبر سمجھنے کے سلسلے میں معلوم ہو گیا تو اب احادیث نبویہ پر طعن کیوں؟ جبکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"اتقوا الحديث عنّي إلا ما علمتم‘ فمن كذب عَلَيَّ متعمداً فليتبوّأ مقعده من النار"

مجھ سے حدیث بیان کرنے سے بچو‘ مگر وہ جو تمہیں معلوم ہو‘ کیونکہ جو مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ بولے وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنائے۔

یہ حدیث متواتر ہے‘ اسے باسٹھ (٦٢) صحابہ نے روایت کیا ہے۔

اسی لئے قرن اول ہی سے مسلمانوں نے قرآن کریم اور احادیث نبویہ کے حفظ کا جو اہتمام کیا ہے وہ بائبل کے حفظ کے لئے عیسائیوں کے کئے ہوئے اہتمام سے بڑھ کر رہا ہے‘ البتہ صحابہ نے بعض اعذار کی وجہ سے اپنے زمانہ میں احادیث کی تدوین نہ کی‘ جن میں سے ایک اس بات کی مکمل احتیاط تھی کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام‘ اللہ کے کلام کے ساتھ خلط ملط نہ ہو جائے‘لیکن صحابہ کے پیروکاروں (تابعین) نے ابواب فقہ کی ترتیب کے بغیر ان کی تدوین شروع کر دی‘ اور چونکہ یہ ترتیب عمدہ تھی اس لئے اتباع تابعین نے بھی اس ترتیب پر ان کو ضبط کیا‘ پھر احادیث کے سلسلے میں ان کی کوشش اور چھان پھٹک

نہایت زبردست تھی' یہاں تک کہ اسماء الرجال کے سلسلے میں ایک عظیم الشان فن کی تصنیف عمل میں آگئی' تاکہ حدیث کے راویوں میں سے ہر راوی کا حال دیانت اور حفظ کے اعتبار سے معلوم ہو سکے۔ اس کے علاوہ اصحاب صحاح میں سے ہر ایک نے احادیث کو اپنے آپ سے لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک اسناد کے ساتھ روایت کیا' جن میں سے بعض احادیث ثلاثی بھی ہیں' یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک صرف تین واسطوں سے پہنچتی ہیں۔ نیز احادیث کو تین قسموں میں تقسیم کیا گیا: متواتر' مشہور اور آحاد۔

اور طاعن کا یہ قول کہ "ان احادیث کی آدھی مقدار نا قابل اعتبار ہونے کی وجہ سے ساقط کر دی" غلط ہے۔ کیونکہ حدیث کے راویوں نے صرف ضعیف احادیث ساقط کی ہیں جن کی سندیں کامل نہ تھیں' اور ایسی احادیث چھوڑنا مضر نہیں' جبکہ سارے کے سارے اہل اسلام صحیح احادیث کو جو معتبر کتب حدیث میں مروی ہیں' قبول کرتے ہیں۔ البتہ جو احادیث غیر معتبر کتب حدیث میں مروی ہیں اسے اہل اسلام قبول نہیں کرتے اور وہ صحیح احادیث کے معارض بھی نہیں ہو سکتیں۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اہل اسلام جو اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث قبول کرتے ہیں تو اس پر کسی کے لئے طعن کی گنجائش نہیں ہے۔

اس مقام پر عیسائیوں کا حال بیان کرنے کے لئے اس حکایت کا ذکر مناسب رہے گا جسے جان ملز نے اپنی کتاب مطبوعہ ۱۸۳۸ء میں ذکر کیا ہے' وہ حکایت یہ ہے کہ فرانسیسی قدسیہ جان ڈارک' جسے "عذرا اورلیان" کہا جاتا ہے اور جو ۱۴۱۲ء میں پیدا ہوئی اس نے سولہ برس کی عمر میں شعبدہ بازی شروع کر دی اور اس کے کچھ پیرو کار ہو گئے' پھر اس نے دعویٰ کیا کہ وہ وہی عورت ہے جس کے حق میں کتاب "یوحنا کا مکاشفہ" باب ۱۲' فقرہ ۱' ۲

میں حسب ذیل بات آئی ہے: "پھر آسمان پر ایک بڑا نشان دکھائی دیا' یعنی ایک عورت نظر آئی جو آفتاب کو اوڑھے ہوئے تھی اور چاند اس کے پاؤں کے نیچے تھا اور بارہ ستاروں کا تاج اس کے سر پر' وہ حاملہ تھی اور دردزہ میں چلاتی تھی اور بچہ جننے کی تکلیف میں تھی"۔

اس (فرانسیسی عورت) نے دعویٰ کیا کہ وہ حاملہ ہے اور حمل میں عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔ چنانچہ بہت سے عیسائی اس کے پیروکار ہو گئے اور اس حمل سے بہت ہی خوش ہوئے اور اس خدائی مولود کے استقبال کے لئے سونے اور چاندی کی تھالیاں تیار کیں۔

شیخ رحمت اللہ اس قصہ پر حاشیہ آرائی کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "اس نیک بخت بچے کو اپنے باپ کی طرح الوہیت کا رتبہ حاصل ہوا یا نہیں؟ اور حاصل ہونے کی صورت میں تثلیث کا اعتقاد تربیع (چار خداؤں کے اعتقاد) سے بدلا یا نہیں؟ اور کیا اللہ کا لقب "باپ" سے "دادا" میں تبدیل ہوا یا نہیں؟

اب ذرا پادریوں کی صنف کی اولاد کو دیکھو کہ ان کی عقلوں سے کس طرح کھیل کیا جاتا ہے؟ اور جس کا اپنا یہ حال اور یہ عقل ہو اس کے لئے کیا گنجائش ہے کہ دین اسلام پر اور اس کی کتاب اور اس کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر طعن کرے۔

یا اللہ! ہمیں ایمان اور ہدایت کی توفیق دے اور گمراہی اور ہلاکت سے محفوظ رکھ۔

چوتھا باب

ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے اثبات میں

اس باب میں چھ مسالک اور چار بشارتیں ہیں

پہلا مسلک :

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر بہت سے معجزات کا ظہور۔

ان معجزات کی دو قسمیں ہیں :

قسم اول : ماضی اور مستقبل کے غیبی واقعات کی خبریں۔

ماضی کی غیب کی باتیں بہت سی ہیں' مثلاً انبیاء کے واقعات اور ناپید قوموں کے قصے' جنہیں آپ نے نہ کسی سے سنا تھا اور نہ کسی کتاب سے لیا تھا۔ اسی معنی کی طرف سورہ ہود' آیت ۴۹ میں اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے اندر اشارہ کیا گیا ہے :

﴿ تِلْكَ مِنْ أَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهَا إِلَيْكَ ۖ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَا أَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هَٰذَا ﴾

یہ غیب کی خبریں ہیں جن کی وحی ہم آپ کے پاس کرتے ہیں' انہیں اس سے پہلے نہ آپ جانتے تھے نہ آپ کی قوم۔

قرآن کریم اور اہل کتاب کی بعض کتابوں کے درمیان بعض واقعات کے بیان میں جو مخالفت ہے وہ بالقصد مخالفت ہے اور اس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ یہ کتابیں تحریف شدہ ہیں اور قرآن کریم حق لے کر آیا ہے' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ النمل' آیت ۷۶ میں فرمایا ہے :

﴿ إِنَّ هَٰذَا الْقُرْآنَ يَقُصُّ عَلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ أَكْثَرَ الَّذِي هُمْ فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ﴾

بیشک یہ قرآن بنی اسرائیل پر بیشتر ایسی بات بیان کرتا ہے جس میں وہ اختلاف کرتے ہیں۔

باقی رہے مستقبل کے غیبی واقعات تو وہ بھی بکثرت احادیث میں آئے ہیں' مثلاً :

۱-رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو مکہ' بیت المقدس' یمن' شام اور عراق کی فتوحات کی خبر دی اور بتلایا کہ ایسا امن ظاہر ہوگا کہ عورت حیرہ سے مکہ جائے گی اور اسے اللہ کے سوا کسی کا ڈر نہ ہوگا' اور یہ کہ خیبر حضرت علی کے ہاتھ کل صبح فتح ہوگا' اور یہ کہ مسلمان فارس اور روم کے خزانے تقسیم کریں گے اور فارس کی بیٹیاں ان کی خدمت کریں گی' اور فارس ختم ہو جائے گا' اس کے بعد کوئی فارس نہ ہوگا' اور روم کئی طبقوں والا ہوگا' جب ایک طبقہ ہلاک ہوگا تو دوسرا طبقہ اس کی جگہ لے گا۔ روم سے مراد فرنگ اور سارے عیسائی ہیں۔ اور یہ ساری باتیں صحابہ رضی اللہ عنہم کے زمانے میں ٹھیک ویسے ہی پیش آئیں جیسے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی تھی۔

۲-رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی بتلایا تھا کہ جب تک عمر رضی اللہ عنہ زندہ رہیں گے فتنے ظاہر نہ ہوں گے' اور وہی ہوا جو آپ نے بتایا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فتنے کا دروازہ بند کئے رکھا۔

۳-رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی بتلایا تھا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ قرآن پڑھتے ہوئے قتل کئے جائیں گے' اور پچھلوں میں سب سے بدبخت وہ ہوگا جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو قتل کرے گا' اور حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو باغی جماعت قتل کرے گی۔ چنانچہ یہ تینوں صحابہ اسی طرح شہید کئے گئے جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی تھی۔

۴-رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی بتلایا تھا کہ قبیلہ ثقیف میں ایک کذاب (نبوت کا جھوٹا مدعی) اور ایک سخت ہلاک کنندہ ظاہر ہوگا۔ پھر جیسے آپ نے خبر دی تھی' ٹھیک اسی کے مطابق دونوں ظاہر ہوئے۔ مختار ثقفی نے نبوت کا دعویٰ کیا اور اسے امیر بصرہ حضرت مصعب بن زبیر نے جنگ کرکے ۶۷ھ / ۶۸۷ء میں کوفہ کے اندر قتل کیا اور سخت ہلاک کنندہ حجاج ثقفی تھا' جس نے ۹۵ھ / ۷۱۴ء میں وفات پائی۔

۵-رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی خبر دی تھی کہ بیت المقدس کی فتح کے بعد وباء ہوگی' پھر جیسے آپ نے خبر دی تھی ویسے ہی ہوا۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں بیت المقدس کی فتح کے تین سال بعد عمواس نام کی آبادی میں جو قدس سے تقریباً ۲۰ کیلو میٹر ہے یہ وبا پھوٹی اور وہیں فوج کا اجتماع تھا' یہ اسلام میں پہلا طاعون تھا اور اس میں ستر ہزار آدمیوں نے وفات پائی۔

۶-رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ام حرام بنت ملحان نجاریہ انصاریہ کو خبر دی تھی کہ وہ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے کچھ اور لوگ اللہ کی راہ میں غزوہ کرتے ہوئے سمندر پر سوار ہوں گے۔ چنانچہ وہ اپنے شوہر عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہما کے ساتھ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد میں امیر شام حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں جزیرۂ قبرص فتح کرنے کے لئے سمندر پر سوار ہوئیں' جب سمندر سے باہر نکلیں اور گھوڑا سواری کے لئے پیش کیا گیا تو اس نے گرا دیا' جس سے وہ وفات پا گئیں اور وہیں دفن کر دی گئیں۔ یہ ۲۷ھ / ۶۴۷ء کا واقعہ ہے' یہ پہلی خاتون ہیں جن کی وفات مسلمانوں کے سمندری غزوہ میں ہوئی۔

۷-رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو خبر دی تھی کہ وہ آپ کے اہل میں سب سے پہلے آپ سے جا ملیں گی۔ چنانچہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے چھ مہینے بعد رمضان ۱۱ھ / ۶۳۲ء میں انتقال کر گئیں۔

۸-اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی بتلایا تھا کہ حسن بن علی رضی اللہ عنہما سردار ہوں گے اور اللہ ان کے ذریعہ دو بڑے گروہوں میں صلح کرائے گا۔ اور وہی ہوا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلایا تھا' کیونکہ ۴۰ھ میں ان کے والد کی شہادت کے بعد ان کے لئے خلافت کی بیعت کی گئی اور سات مہینے ان کی خلافت قائم رہی' لیکن انہوں نے مسلمانوں کی

باہمی جنگ گوارا نہ کی اور جمادی الاولیٰ ۴۱ھ میں معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں دستبردار ہو گئے۔ یوں اللہ نے ان کے ذریعہ اہل عراق اور اہل شام میں صلح کرادی اور اس سال کا نام عام الجماعت (جماعت یا اجتماع کا سال) رکھا گیا۔

۹- اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی خبر دی تھی کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہما (طف) میں قتل کئے جائیں گے (یہ کوفہ کے اطراف میں دریائے فرات کے کنارے ایک جگہ ہے جو اب کربلا کے نام سے جانی جاتی ہے) اور وہی ہوا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلایا تھا۔

۱۰- اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سراقہ بن مالک بن جعشم کو بتلایا تھا کہ وہ کسریٰ کے کنگن پہنیں گے' چنانچہ جب یہ کنگن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ان کے عہد خلافت میں لائے گئے تو انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وعدے کی تنفیذ کرتے ہوئے انہیں سراقہ کو پہنایا اور فرمایا: اللہ کی حمد ہے جس نے انہیں کسریٰ سے چھینا اور سراقہ کو پہنایا۔

۱۱- آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد بن ولید کو والی دومۃ الجندل اکیدر بن عبدالملک کندی کے پاس روانہ کرتے ہوئے خبر دی تھی کہ وہ اسے گائے کا شکار کرتے ہوئے پائیں گے' چنانچہ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلایا تھا وہی ہوا۔

۱۲- آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی بتایا تھا کہ سرزمین حجاز سے ایک آگ نکلے گی' جس سے بصریٰ (شام) کے اندر اونٹوں کی گردنیں روشن ہو جائیں گی۔ یہ زبردست آگ مدینہ منورہ کے قریب جمادی الآخرہ ۶۵۴ھ میں نمودار ہوئی اور اس نے ایسی شدت اختیار کی کہ زمین اپنے باشندوں سمیت مضطرب ہو گئی' پروردگار سے فریاد کے لئے آوازیں بلند ہوئیں' اہل مدینہ کو ہلاکت کا یقین ہو گیا اور لوگوں میں سخت زلزلہ برپا رہا۔ بالآخر ۲۷/رجب کو یہ آگ بجھ گئی۔ اس کی خبریں تاریخ کی کتابوں میں مدون ہیں اور اس

بارے میں مستقل کتابیں بھی لکھی گئی ہیں۔اس آگ کی پیشینگوئی والی حدیث امام بخاری اور امام مسلم نے اپنی صحیحین میں اس آگ کے ظہور سے تقریباً چار سو برس پہلے ذکر کی ہے۔

معجزات کی دوسری قسم: ان افعال سے تعلق رکھتی ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے خلاف عادت ظاہر ہوئے۔ علماء نے ایسے معجزات کا احصاء کیا ہے تو ان کی تعداد ایک ہزار سے زیادہ ہے' مثلاً:

۱-اسراء اور معراج:

اللہ تعالیٰ سورۃ الاسراء' آیت ۱ میں فرماتا ہے:

﴿ سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنْ اٰیٰتِنَا ﴾

پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے کو راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک سیر کرائی جس کے اطراف ہم نے برکت رکھی ہے' تاکہ اسے ہم اپنی بعض نشانیاں دکھائیں۔

اور کوئی شک نہیں کہ اسراء اور معراج حالت بیداری میں روح اور جسم کے ساتھ ہوئی تھی' کیونکہ لفظ عبد (بندہ) دونوں پر ایک ساتھ بولا جاتا ہے' اسی لئے کفار نے اس بات کو بعید جانا اور انکار کیا' اور اگر جسم کے ساتھ اور حالت بیداری میں نہ ہوتی تو استبعاد وانکار کی کوئی وجہ نہ ہوتی' کیونکہ خواب میں اس طرح کی بات ہونا بعید اور منکر نہیں ہے۔ کیا آپ یہ نہیں دیکھتے کہ اگر کوئی شخص یہ دعویٰ کرے کہ وہ خواب کے اندر مشرق ومغرب میں اڑا' لیکن وہ اپنی جگہ سے نہیں ٹلا اور اس کی پہلی حالت تبدیل نہیں ہوئی' تو اس پر کوئی نکیر نہ کرے گا۔

اور یہ اسراء اور معراج جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو روح اور جسم دونوں کے ساتھ حالت

بیداری میں حاصل ہوئی اس میں نہ عقلاً کوئی استحالہ ہے نہ نقلاً۔

عقلاً اس لئے نہیں کہ اللہ تعالیٰ دنیا کا خالق ہے' وہ ہر شے پر قدرت رکھتا ہے' اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم میں انتہائی تیز حرکت کا حاصل ہونا اللہ تعالیٰ کے لئے بالکل معمولی بات ہے' زیادہ سے زیادہ جو کچھ ہے وہ یہ ہے کہ یہ خلاف عادت ہے' تو معجزات تو سارے کے سارے ہی خلاف عادت ہوتے ہیں۔

نقلاً اس لئے نہیں کہ جسم کا آسمانوں تک چڑھنا اہل کتاب کے نزدیک محال نہیں ہے' دلیل یہ ہے :

الف : کتاب پیدائش' باب ۵' فقرہ ۲۴ میں ہے : "اور حنوک خدا کے ساتھ ساتھ چلتا رہا' اور غائب ہو گیا' کیونکہ خدا نے اسے اٹھا لیا"۔

یہ نص ہے کہ حنوک نبی (ادریس علیہ السلام) زندہ آسمان پر اٹھا لئے گئے اور اپنے جسم سمیت آسمان کی بادشاہی میں داخل ہو گئے۔

ب : کتاب سلاطین' باب ۲' فقرہ ۱ اور ۱۱ میں ہے : "(۱) اور جب خداوند ایلیاہ کو بگولے میں آسمان پر اٹھا لینے کو تھا تو ایسا ہوا کہ ایلیاہ الیشع کو ساتھ لے کر جلجال سے چلا۔ (۱۱) اور وہ آگے چلتے اور باتیں کرتے جاتے تھے کہ دیکھو ایک آتشی رتھ اور آتشی گھوڑوں نے ان دونوں کو جدا کر دیا اور ایلیاہ بگولے میں آسمان پر چلا گیا۔

یہ نص ہے کہ ایلیاہ نبی اپنے جسم سمیت زندہ آسمان پر اٹھا لئے گئے۔

اور یہ دونوں نصوص پادریوں کے نزدیک مسلم ہیں اور ان کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ مسیح علیہ السلام مرنے اور قبر میں دفن کئے جانے کے بعد جی اٹھے اور اپنے جسم سمیت آسمان پر جا چڑھے اور اپنے باپ کے داہنے بیٹھ گئے۔ لہٰذا ان کے لئے کوئی گنجائش نہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج پر عقلاً یا نقلاً اعتراض کریں۔

۲-انشقاق قمر :

سورۃ القمر' آیت ۱'۲ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

﴿ اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ * وَاِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا وَيَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ﴾

قیامت قریب آگئی اور چاند پھٹ گیا' اور اگر یہ لوگ کوئی نشانی دیکھتے ہیں تو منہ پھیر لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ چلتا ہوا جادو ہے۔

اور صحیح احادیث دلالت کرتی ہیں کہ چاند پھٹنے کا واقعہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے پیش آیا تھا۔ لہٰذا یہ متواتر حادثہ ہے' جو قرآن کریم میں بھی منصوص ہے اور صحیحین وغیرہ میں بھی مروی ہے۔ پادریوں کا سب سے قوی شبہہ یہ ہے کہ اگر یہ واقعہ پیش آیا ہوتا تو سارے زمین والوں پر پوشیدہ نہ رہتا اور دنیا کے مؤرخین اسے نقل کرتے۔ لیکن یہ ہمارے نزدیک سب سے زیادہ کمزور شبہہ ہے اور اس کی وجہ یہ ہے :

الف : طوفان نوح کا قصہ انتہائی زبردست واقعہ ہے' جو ساری روئے زمین پر پیش آیا تھا اور کتاب پیدائش کے ساتویں اور آٹھویں باب میں مذکور ہے' لیکن ہندوستان کے مشرکین' اہل فارس' کلدانی اور باشندگان چین اس واقعہ کا پرزور انکار کرتے ہیں۔ رہے مغرب کے ملحد عیسائی تو وہ نہ صرف اس کا مذاق اڑاتے اور انکار کرتے ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے نبی حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ گستاخی میں حد سے تجاوز کر جاتے ہیں۔ تو کیا پادری حضرات' مشرقی اقوام کی طرف سے طوفان کے واقعہ کے انکار کو اور اپنی قوم کے ملاحدہ کے مذاق کو پسند کریں گے ؟

ب : کتاب یشوع' باب ۱۰' فقرہ ۱۲' ۱۳ میں یشوع (یوشع بن نون) کے لئے پورے ایک دن سورج رو کے جانے کا واقعہ مذکور ہے اور اہل کتاب مؤرخین و مفسرین نے ذکر کیا

ہے کہ وہ چوبیس گھنٹے ٹھہرا رہا۔ تو یہ عظیم واقعہ جو ۱۴۵ ق م میں پیش آیا ضروری ہے کہ زمین کے سارے باشندوں نے اسے دیکھا ہو' کیونکہ جن علاقوں میں اس وقت دن تھا وہاں گاڑھا بادل بھی اس کے جاننے میں رکاوٹ نہیں بن سکتا تھا' اور جن علاقوں میں اس وقت رات تھی ضروری ہے کہ وہاں کے لوگوں کو بھی اس کا علم ہو' کیونکہ ان کی رات مزید چوبیس گھنٹے لمبی ہوگئی تھی' لیکن ہندوستان کے مشرکین' اہل فارس اور باشندگان چین اس کا انکار کرتے ہیں اور ان کی تاریخوں میں اس کا ذکر نہیں ہے' اور یورپ کے ملحدین اس کا بھی مذاق اڑاتے اور اس پر اعتراضات کرتے ہیں' تو کیا پادری حضرات مشرقی اقوام کی طرف سے اس واقعہ کے انکار کو اور اپنے ہم جنس ملحدین کے اعتراضات کو قبول کریں گے ؟

ج : متی نے اپنی انجیل' باب ۲۷' فقرہ ۵۱ تا ۵۳ میں کئی ایک عظیم حادثات ذکر کئے ہیں جو صلیب کے حادثے کے متصلا بعد پیش آئے' اور یہ حادثات ہیں ہیکل کے پردے کا اوپر سے نیچے تک پھٹ جانا' زمین میں زلزلہ برپا ہو جانا' چٹانوں کا چیخ جانا' قبروں کا کھل جانا' بہت سے مردہ مقدسوں کے اجسام کا اٹھ کھڑا ہونا' قبروں سے نکلنا' قدس میں داخل ہونا اور بہت سے لوگوں کے لئے ظاہر ہونا۔ یہ واقعات یقیناً جھوٹے ہیں' لیکن ہم کہتے ہیں کہ یہ عظیم حوادث رومیوں کی کتابوں میں اور یہود کی کتابوں میں مذکور نہیں ہیں' بلکہ اسے انجیل یوحنا نے بھی ذکر نہیں کیا ہے اور انجیل مرقس اور انجیل لوقا نے صرف ہیکل کا پردہ پھٹنے کا ذکر کیا ہے۔ باقی بڑی بڑی باتیں ذکر نہیں کی ہیں' جبکہ یہ معلوم ہے کہ ان کا ذکر' مصلوب کے چیخنے اور دوسرے بے قیمت امور کے ذکر سے۔ جن کے ذکر پر یہ دونوں متفق ہیں۔ زیادہ اہم تھا۔ اور یہ بھی معلوم ہے کہ بعض امور کا اثر ان کے وقوع کے بعد بھی باقی رہتا ہے' جیسے چٹانوں کا تڑکنا اور قبروں کا کھلنا۔ نیز تعجب ہے کہ متی نے یہ ذکر نہیں کیا کہ یہ مقدس قبروں سے زندہ ہو کر نکلنے کے بعد کیا ہوئے ؟ کیا زندہ باقی رہے یا اپنی قبروں میں واپس چلے

گئے ؟ اس لئے بعض نے اس بدترین مبالغہ آرائی کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا ہے کہ شاید متی نے انہیں خواب میں دیکھا تھا۔ اور انجیل لوقا کی عبارت سے سمجھا تا ہے کہ ہیکل کا پردہ پھٹنے کا واقعہ مصلوب کی وفات سے پہلے کا ہے' جبکہ متی اور مرقس کی عبارت سے سمجھا جاتا ہے کہ یہ واقعہ مصلوب کی وفات کے بعد کا ہے۔ تو پادری حضرات ان کٹھنا ئیوں کا کیا علاج کرتے ہیں ؟

د : انجیل متی' باب ۳' فقرہ ۱۶' ۱۷۔ انجیل مرقس' باب ۱' فقرہ ۱۰' ۱۱ اور انجیل لوقا' باب ۳' فقرہ ۲۱' ۲۲ میں آیا ہے کہ یحیٰ علیہ السلام نے عیسیٰ علیہ السلام کو دریائے اردن میں بپتسمہ دیا اور جب عیسیٰ علیہ السلام پانی سے اوپر گئے تو آسمان پھٹ کر کھل گیا اور ان پر خدا کی روح جسمانی ہیئت میں کبوتر کی شکل میں نازل ہوئی اور آسمان سے ایک آواز آئی کہ یہ میرا پیارا بیٹا ہے جس سے میں خوش ہوں۔

چونکہ آسمان کا پھٹنا دن کے وقت پیش آیا تھا' اس لئے ضروری ہے کہ دنیا کے اکثر لوگوں نے اسے دیکھا ہو' اسی طرح مجسم کبوتر کو دیکھنا اور آسمانی آواز سننا بھی حاضرین میں سے سب لوگوں کو چھوڑ کر کسی ایک کے ساتھ مختص نہیں ہونا چاہئے' مگر تین انجیلوں کو چھوڑ کر یہ واقعہ اس زمانے کے کسی مؤرخ نے نہیں لکھا ہے' اسی لئے یہ یورپ کے ملحدین کے استہزاء کا سبب بنا ہوا ہے' چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں متی نے ان دروازوں کے علم سے کیوں محروم رکھا جو آسمان میں کھلے تھے کہ آیا وہ بڑے دروازے تھے یا در میانی یا چھوٹے ؟ اور آسمان کے کس جانب یہ دروازے تھے ؟ ہمارے پادری بیچارے اس کی تعیین میں حیرت سے سر ٹکراتے ہیں' پھر ہمیں متی نے کبوتر کے بارے میں کیوں نہیں بتایا کہ آیا اسے کسی نے پکڑ کر پنجرے میں بند کر دیا یا لوگوں نے اسے آسمان کی طرف واپس جاتے دیکھا ؟ اور اگر وہ آسمان کی طرف پلٹی تو کیا اس کے دروازے اس مدت تک کھلے ہوئے باقی رہے ؟

اور کیا انہوں نے آسمان کا اندرونی حصہ اچھی طرح دیکھا؟ پادری حضرات ان سوالات کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ لہٰذا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے چاند پھٹنے کے معجزے پر اعتراض ایک باطل اعتراض ہے جس کی کوئی قیمت نہیں۔

۳- تھوڑے پانی کو زیادہ کرنے کا معجزہ :

یہ معجزہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے متعدد مقامات پر ظاہر ہوا۔ انس رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے کہ وہ مدینہ کے بازار کے پاس مقام زوراء میں تھے کہ عصر کی نماز کا وقت ہو گیا' لوگوں نے وضو کے لئے پانی تلاش کیا لیکن نہ ملا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ ایک برتن میں' جس کے اندر تھوڑا پانی تھا' رکھ دیا' پانی آپ کی انگلیوں کے درمیان جوش مارنے لگا' یہاں تک کہ سارے کے سارے لوگوں نے وضو کر لیا۔

جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ لوگ حدیبیہ کے روز پیاسے ہوئے اور ان کے پاس پانی نہ تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک چھوٹا سا برتن تھا' جس میں تھوڑا سا پانی تھا' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ پانی میں رکھ دیا' اس پر پانی آپ کی انگلیوں کے درمیان سے چشموں کی طرح جوش مارنے لگا اور لوگ ایک ہزار چار سو (۱۴۰۰) تھے۔

حضرت جابر ہی سے یہ بھی روایت ہے کہ غزوۂ بواط میں لوگوں کو پانی نہ ملا' حضرت جابر ایک لگن لائے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں اپنا ہاتھ رکھ دیا اور حضرت جابر نے اس پر تھوڑا سا پانی انڈیلا' لگن گردش میں آکر گھوم گئی' یہاں تک کہ بھر گئی۔ آپ نے لوگوں کو حکم دیا کہ وضو کریں اور پینے کے لئے بھی پانی رکھ لیں' یہاں تک کہ ان میں سے کسی کو بھی پانی کی ضرورت نہ رہ گئی' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لگن سے اپنا ہاتھ ہٹایا اور وہ بھری کی بھری تھی۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ لوگ غزوۂ تبوک میں چشمہ پر

اترے تو اسے تسمے کی طرح پایا' یعنی کمزور چپل کی پٹی جیسا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس چشمے میں اپنا چہرہ اور ہاتھ دھلا' اس کے بعد وہ کثیر پانی کے ساتھ جاری ہو گیا' جس کی یوں آواز تھی جیسے بجلی کی آواز ہو۔ چنانچہ سارے لوگوں نے پینے کے لئے پانی بھر لیا' پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: معاذ! اگر تمہاری زندگی طویل ہوئی تو قریب ہے کہ یہاں جو کچھ ہے تم دیکھو گے کہ باغات سے بھرا ہوا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ لوگوں کو تنگی کے لشکر (تبوک) میں پیاس سے واسطہ پڑا' یہاں تک کہ آدمی اپنا اونٹ ذبح کر کے اس کے معدے کی لید نچوڑتا اور اسے پیتا۔ اس پر ابو بکر رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دعا کرنے کی خواہش کی' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھادیئے اور ابھی واپس بھی نہیں کئے تھے کہ آسمان برسنے لگا اور لوگوں نے اپنے برتن بھر لئے' یہ بارش لشکر سے باہر نہ ہوئی۔

عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ بعض سفر میں پیاس سے دوچار ہوئے' آپ نے فلاں جگہ دو آدمی بھیجے' اور انہیں بتلادیا کہ وہاں وہ ایک عورت پائیں گے' جس کے ساتھ اونٹ ہوگا اور اس پر دو مشکیزے ہوں گے' وہ دونوں گئے اور اس عورت کو لے آئے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب سے دعا کی' پھر لوگوں کو حکم دیا اور انہوں نے اپنے اپنے برتن بھر لئے' کوئی بھی برتن نہ چھوڑا مگر اسے بھر لیا۔ لیکن دونوں مشکیزوں میں کوئی کمی نہ آئی' پھر عورت کے لئے توشہ جمع کیا' یہاں تک کہ اسکا کپڑا بھر دیا' پھر فرمایا کہ جاؤ' ہم نے تمہارے پانی سے کچھ نہیں لیا' لیکن اللہ نے ہمیں پانی عطا فرمایا۔

۴۔ تھوڑے کھانے کو زیادہ کرنے کا معجزہ:

یہ بھی کئی بار پیش آیا' حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے نبی

صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر کھانے کی چیز طلب کی' آپ نے اسے آدھا وسق (تیس صاع یعنی تقریباً ۷۵ کیلو) جو دیا۔ اسے وہ اور اس کی بیوی اور اس کے مہمان مسلسل کھاتے رہے یہاں تک کہ اسے ناپ دیا' پھر آکر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم اسے نہ ناپتے تو کھاتے رہتے اور وہ تمہارے لئے موجود و برقرار رہتا۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے خندق کے موقع پر ایک صاع (تقریباً ڈھائی کیلو) جَو کا آٹا گوندھا اور ایک بکری کا بچہ پکایا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور ہانڈی پر تھتکارا اور برکت کی دعا فرمائی۔ تو اس روز اسی ایک صاع آٹے اور بکری کے بچے سے ایک ہزار آدمیوں کو کھلایا۔

جابر رضی اللہ عنہ ہی سے یہ بھی روایت ہے کہ ان کے والد انتقال کر گئے اور ان پر قرض تھا' ان کے والد کے قرض خواہ آگئے اور پھل ان کے قرض کی ادائیگی کے لئے کافی نہیں ہو سکتا تھا' حضرت جابر نے اپنا اصل مال پیش کیا' لیکن انہوں نے قبول نہ کیا۔ حضرت جابر نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر کی' آپ نے حکم دیا کہ پھل توڑ کر ان کے ڈھیر لگالو' پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان ڈھیروں کے درمیان چلے اور دعا فرمائی۔ چنانچہ حضرت جابر نے اپنے والد کے قرض خواہوں کا قرض ادا کر دیا اور ہر سال جتنا پھل توڑتے تھے اتنا باقی بھی بچا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اپنی بغل کے نیچے جو کی چند روٹیاں دبا کر لائے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے اسی (۸۰) آدمیوں کو کھلا دیا۔

انہی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب

حضرت زینب سے شادی کی تو ایک قوم کو نامزد کر کے حضرت انس کو حکم دیا کہ انہیں بلا لاؤ (اور جو راستہ میں مل جائے اسے بھی بلا لو) چنانچہ کمرہ اور آنگن سب بھر گیا' آپ نے انہیں ایک چھوٹا سا برتن پیش کیا' جس میں ایک مد (تقریباً ڈھائی پاؤ) کھجور تھی' جسے (گھی میں سان کر) حلوہ بنادیا گیا تھا' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے رکھ کر اس میں اپنی تین انگلیاں داخل فرمادیں' پھر اسی کو لوگ کھاتے گئے اور نکلتے گئے اور برتن جیسے کا تیسا رہا۔

ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر رضی اللہ عنہ کے لئے کھانا بنایا' جو ان ہی دونوں کے لئے کافی ہو سکتا تھا' مگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حکم دیا کہ انصار کے تیس (۳۰) اشراف کو بھی بلالیں' چنانچہ انہیں بلایا اور وہ سب کھا کر چلے گئے' اس کے بعد حکم دیا کہ ساٹھ (۶۰) کو بلالیں' انہیں بھی بلایا اور وہ بھی کھا کر چلے گئے' پھر حکم دیا کہ ستر (۷۰) کو بلالیں' انہیں بھی بلایا اور وہ بھی کھا کر چلے گئے۔ ابو ایوب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس طرح میرے اس کھانے سے ایک سو اسی (۱۸۰) آدمیوں نے کھایا۔

سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک سینی لائی گئی جس میں گوشت تھا' لوگوں نے اسے صبح سے رات تک یکے بعد دیگرے کھایا' ایک جماعت اٹھتی تھی اور دوسری بیٹھتی تھی۔

عبد الرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ وہ لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک سو تیس (۱۳۰) آدمی تھے' ایک صاع (تقریباً ڈھائی کیلو) آٹا گوندھا گیا اور ایک بکری بنائی گئی۔ آپ نے اس کے شکم کے سواد کو (یعنی کلیجی کو' اور کہا جاتا ہے کہ اندرون شکم جو ہوتا ہے سب کو) بھونا۔ پھر ایک سو تیس میں سے ہر ایک نے اس گوشت کا ایک ایک ٹکڑا لیا اور باقی دو سینیوں میں رکھا گیا' یہاں تک کہ سب نے کھایا اور جو باقی بچا عبد الرحمن

نے اسے اونٹ پر لادلیا۔

سلمہ بن اکوع ابوہریرہ اور عمر بن خطاب رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بعض غزوات (اور بعض روایات میں ہے کہ غزوۂ تبوک) میں لوگوں کو بھوک سے واسطہ پڑا آپ نے بچا کھچا توشہ طلب کیا لوگوں کے پاس جو کچھ کھانے کی چیز تھی لے آئے سب سے برتر وہ ہوتا جو ایک صاع (تقریباً ڈھائی کیلو) کھجور لاتا ان سب کو ایک بساط پر جمع کیا گیا تو اتنا ہوا کہ جیسے بیٹھی ہوئی بکری ہو اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو دعوت دی کہ اپنے اپنے برتن بھریں تو لشکر میں کوئی برتن نہ تھا مگر لوگوں نے اسے بھر لیا اور اس توشہ سے پھر بھی بچارہ گیا۔

۵-درخت اور پتھر کی گفتگو اور آپ کی نبوت کے لئے ان کی گواہی :

ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اعرابی کو اپنی رسالت پر ایمان لانے کی دعوت دی۔ اعرابی نے کہا : آپ جو بات کہتے ہیں اس پر آپ کا گواہ کون ہے ؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : یہ ببول کا درخت۔ وہ درخت وادی کے کنارے تھا زمین چیرتا ہوا آیا اور آپ کے سامنے کھڑا ہو گیا آپ نے اس سے تین بار گواہی طلب کی اور تینوں بار اس نے گواہی دی کہ آپ جیسا کہتے ہیں ویسے ہی ہیں اس کے بعد اپنی جگہ واپس چلا گیا۔

جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم قضائے حاجت کے لئے تشریف لے گئے کوئی چیز دکھائی نہ دی جس سے پردہ کریں پھر کیا دیکھتے ہیں کہ وادی کے کنارے دو درخت ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک کے پاس گئے اور اس کی ایک ڈالی پکڑ کر فرمایا : اللہ کے اذن سے میری پیچھے پیچھے چل۔ چنانچہ وہ آپ کے ساتھ یوں چل پڑا جیسے نکیل لگا ہوا اونٹ جو اپنے لے چلنے والے کی ڈگر پر چلتا ہے۔ پھر آپ نے دوسرے

درخت کے ساتھ بھی ایسا ہی کیا' یہاں تک کہ جب آپ دونوں کے بیچ میں ہو گئے تو فرمایا کہ تم دونوں مجھ پر اللہ کے اذن سے سمٹ جاؤ' چنانچہ وہ دونوں سمٹ گئے' جب آپ نے قضائے حاجت کر لی تو دونوں جدا ہو گئے اور اپنی اپنی جگہ واپس چلے گئے اور تنے پر کھڑے ہو گئے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اعرابی سے فرمایا: یہ بتاؤ کہ اگر میں کھجور کے اس پھلدار درخت کو بلا دوں تو تم گواہی دو گے کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟ اس نے کہا: ہاں۔ اس پر وہ درخت اچھلتا ہوا آپ کے پاس آ گیا پھر آپ نے فرمایا کہ واپس جاؤ تو واپس چلا گیا۔

بریدہ بن حصیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک اعرابی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کی نبوت پر کوئی نشان طلب کیا۔ آپ نے اعرابی سے فرمایا: اس درخت سے کہو کہ اللہ کے رسول تمہیں بلا رہے ہیں۔ اس نے کہا' اس پر درخت دائیں اور بائیں جھکا' جس سے جڑیں کٹ گئیں اور وہ زمین کو چیرتا ہوا آ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ٹھہر گیا اور کہا: السلام علیک یا رسول اللہ! اے اللہ کے رسول آپ پر سلام۔ اعرابی نے کہا اچھا اسے حکم دیں یہ اپنی جگہ چلا جائے' چنانچہ وہ اپنی جگہ چلا گیا۔ اعرابی نے کہا: مجھے اجازت دیں کہ آپ کو سجدہ کروں' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کے سوا کسی کے لئے سجدہ درست نہیں۔ اس نے کہا: اچھا مجھے اپنا ہاتھ پاؤں چومنے کی اجازت دیں' آپ نے اسے اس کی اجازت دیدی۔

دس سے زیادہ صحابہ نے روایت کی ہے کہ مسجد نبوی کھجور کے تنوں پر چھت ڈال کر بنی ہوئی تھی' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب خطبہ دیتے تو ان میں سے ایک تنے کے پاس کھڑے ہوتے تھے' پھر جب آپ کے لئے منبر بن گیا اور آپ اس پر تشریف لے

گئے تو لوگوں نے اس تنے کے رونے کی آواز سنی جیسے اونٹنی کی آواز ہوا کرتی ہے' یہاں تک کہ تنا شق ہو گیا اور سخت رونے کی آواز سے مسجد گونج اٹھی اور لوگ کثرت سے روئے۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آکر اس پر اپنا ہاتھ رکھا تو وہ خاموش ہو گیا اور فرمایا کہ یہ اس لئے رویا کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے محروم ہو گیا' اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر اس کو میں نہ چمٹاتا تو قیامت تک اسی طرح رہتا' پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے متعلق حکم دیا اور اسے منبر کے نیچے دفن کر دیا گیا۔

اس تنے کے رونے اور نالہ کرنے کی یہ خبر اپنے مبنی کے اعتبار سے سلف اور خلف کے نزدیک مشہور ہے اور اپنے معنی کے اعتبار سے متواتر ہے اور علم یقینی کا فائدہ دیتی ہے۔

ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کھانے کی تسبیح سنتے تھے' جبکہ آپ اسے تناول فرما رہے ہوتے۔

٦-بتوں کا گرنا:

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ خانہ کعبہ کے گرد تین سو ساٹھ (٣٦٠) بت تھے' جو پتھروں میں سیسے سے پیوست کئے ہوئے تھے' جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے سال مسجد حرام میں داخل ہوئے تو ایک چھڑی سے جو آپ کے ہاتھ میں تھی ان کی طرف اشارہ فرماتے جا رہے تھے اور کہتے جا رہے تھے: ﴿ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ﴾ حق آگیا اور باطل چلا گیا' بیشک باطل جانے ہی والا ہے۔ تو آپ نے جس بت کے چہرے کی طرف اشارہ فرمایا وہ گدی کے بل گر گیا' اور جس بت کی گدی کی طرف اشارہ فرمایا وہ چہرے کے بل گر گیا' یہاں تک کہ کوئی بت باقی نہ بچا' پھر آپ نے ان کو نکلوا دیا۔

٧-آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لعاب اور دست مبارک سے بیماریوں سے شفا:

سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ غزوۂ احد کے روز حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ کی آنکھ کو چوٹ لگی اور وہ ان کے رخسار پر آرہی' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے پلٹا دیا اور وہ دونوں آنکھوں میں زیادہ خوبصورت ہو گئی۔

عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک نابینا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوا اور عرض کی کہ آپ اللہ سے دعا کریں میری نگاہ کھول دے۔ اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کرنے کے لئے کچھ دعائیں سکھائیں تو وہ اس حالت میں پلٹا کہ اللہ نے اس کی نگاہ کھول دی تھی۔

ملاعب الاسنہ کے بیٹے کو استسقاء کی بیماری ہو گئی' اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک آدمی بھیجا' آپ نے زمین سے ایک چلو اٹھایا اور اس پر تھتکار کر اس آدمی کو دیدیا' وہ آدمی اسے لے کر پہنچا تو بیمار مرنے کے قریب تھا' لیکن اسے پیا تو اللہ تعالیٰ نے شفا دے دی۔

حبیب بن فدیک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان کے والد کی دونوں آنکھیں سفید ہو گئیں اور انہیں کچھ بھی سجھائی نہ دیتا تھا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی آنکھ میں پھونک مار دی اور وہ دیکھنے لگے' چنانچہ اسی (۸۰) سال کی عمر میں سوئی کے اندر دھاگا ڈال لیتے تھے۔

اور خیبر کے روز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی آنکھ میں تھتکارا' ان کی آنکھ آئی ہوئی تھی' لیکن انہیں اس طرح شفا ہو گئی کہ گویا کوئی تکلیف تھی ہی نہیں۔

اور خیبر ہی کے روز حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کی پنڈلی پر ایک چوٹ آئی' آپ نے اس پر تھتکارا تو وہ شفایاب ہو گئی۔

اور قبیلہ خثعم کی ایک عورت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئی' اس کے ساتھ ایک بچہ تھا' اسے ایسی بلاء تھی کہ بول نہیں سکتا تھا۔ آپ کے پاس پانی لایا گیا' آپ نے منہ سے کلی کی اور دونوں ہاتھ دھوئے' پھر وہ پانی اس عورت کو دے دیا' اس نے بچے کو پلایا اور اسی پانی سے اس کی پونچھائی بھی کی' وہ شفایاب ہو گیا اور ایسا عقلمند ہوا کہ اس کی عقل لوگوں کی عقل سے عمدہ تھی۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک عورت اپنا ایک بیٹا لے کر آئی جسے جنون تھا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے سینے پر ہاتھ پھیرا' اس نے قے کی' شکم سے کالے پلے (کتے کے بچے) جیسا نکلا اور وہ شفا پا گیا۔

محمد بن حاطب بچے تھے' ان کے دستے پر ہانڈی الٹ گئی' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر ہاتھ پھیرا اور تھتکارا' ان کا دستہ اسی وقت شفایاب ہو گیا۔

شرجیل جعفی کی ہتھیلی میں ایک غدود ابھر آیا' جو تلوار اور گھوڑے کی لگام پکڑنے میں رکاوٹ ہوا کرتا تھا' انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی شکایت کی' آپ نے اپنی ہتھیلی سے اسے پیسنا (رگڑنا) شروع کیا اور جب ہتھیلی کو اٹھایا تو اس کا نام و نشان نہ تھا۔

۸- آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاء کی قبولیت :

انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے دعا کی' فرمایا: یا اللہ اس کا مال اور اس کی اولاد زیادہ کر اور جو کچھ اسے دے اس میں برکت عطا فرما۔ حضرت انس کہتے ہیں کہ واللہ میرا مال بہت ہے اور میری اولاد اور اولاد کی اولاد کا شمار آج تقریباً ایک سو ہے۔

اور جب کسریٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی کتاب پھاڑ دی تو آپ نے بددعا فرمائی کہ اللہ اس کا ملک پھاڑ دے۔ چنانچہ اس کا کوئی بقیہ نہ بچا اور دنیا کے سارے ملکوں میں فارس کی

کوئی ریاست نہ بچی۔

اور نابغہ جعدی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ اشعار پڑھے' آپ نے اس سے کہا: اللہ تیرا منہ نہ پھوڑے۔ چنانچہ اس کا کوئی دانت نہ گرا اور وہ سب سے عمدہ دانتوں والا رہا' حالانکہ وہ ایک سو بیس سال جیتا رہا' کہا جاتا ہے کہ جب اس کا کوئی دانت گرتا تھا تو اس کی جگہ دوسرا دانت اگ آتا تھا۔

انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک اعرابی جمعہ کے روز مسجد نبوی میں داخل ہوا' اس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دے رہے تھے' اس نے قحط کی شکایت کی' آپ نے اللہ سے دعا کی اور ایسی بارش ہوئی کہ لوگوں نے اگلے جمعہ تک سورج نہ دیکھا' یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر پھر اعرابی داخل ہوا اور آپ خطبہ دے رہے تھے' اب اس نے بارش کی کثرت کی شکایت کی' آپ نے پھر دعا فرمائی اور بادل چھٹ گیا۔

عتیبہ بن ابی لہب' نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیتا اور بہت ایذا پہنچاتا تھا' آپ نے اللہ سے بددعا کی کہ اس پر اپنے درندوں میں سے کوئی درندہ مسلط فرما دے۔ اس کے بعد وہ ایک قافلے میں ملک شام کو نکلا' ایک جگہ پڑاؤ ڈالا تو کہنے لگا کہ مجھے محمد کی بددعا کا ڈر ہے' چنانچہ لوگوں نے اپنا سامان اس کے گرداگرد رکھ دیا اور پہرے کے طور پر اپنے گھیرے میں لے کر سوئے' مگر شیر نے آکر ساتھیوں کے درمیان سے اسے دبوچ لیا اور لے گیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے محلم بن جثامہ پر بددعا کی اور وہ مر گیا' لوگوں نے دفن کیا' مگر زمین نے اسے پھینک دیا' پھر لوگوں نے کئی بار دفن کیا مگر ہر بار زمین نے اسے پھینک دیا' چنانچہ اسے ویسے ہی چھوڑ دیا۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی سے جو بائیں ہاتھ سے کھا رہا تھا' فرمایا کہ داہنے ہاتھ سے کھاؤ' اس نے کہا میں قدرت نہیں رکھتا۔ محض تکبر نے اسے بات ماننے سے روکا

تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے کہا: تم قدرت نہ رکھو۔ چنانچہ وہ شخص ہاتھ اپنے منہ تک نہ اٹھا سکا۔

میں انہی مذکورہ معجزات پر اکتفا کرتا ہوں' کیونکہ اس قسم کے معجزات جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر جاری ہوئے بہت ہیں' ہزار سے زیادہ ہیں' اور ان میں سے ہر معجزہ اگرچہ متواتر نہیں ہے لیکن ان کے درمیان جو قدر مشترک ہے وہ- حضرت علی کی شجاعت اور حاتم کی سخاوت کی طرح- بلاشبہ متواتر ہے اور یہی متواتر قدر مشترک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر متنوع معجزات ثابت کرنے اور اس کا انکار کرنے والے کی تردید کے لئے کافی ہے۔

دوسرا مسلک:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم میں ایسے عظیم اخلاق' جلیل اوصاف' عملی اور علمی کمالات اور نفس وبدن اور نسب ووطن سے تعلق رکھنے والے محاسن جمع تھے کہ عقل یقین کرتی ہے کہ یہ سب کسی غیر نبی میں جمع نہیں ہو سکتے' کیونکہ ان میں سے ایک ایک محاسن اگرچہ غیر نبی میں بھی پائے جاتے ہیں مگر یہ سب کے سب مجموعی طور پر انبیاء ہی کو حاصل ہو سکتے ہیں' لہٰذا ان سب کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں جمع ہو جانا آپ کی نبوت کے دلائل میں سے ہے' اور مخالفین نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں ان محاسن اور اخلاق عظیمہ کے وجود کا اقرار کیا ہے۔

تیسرا مسلک:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت' عقائد' عبادات' معاملات' سیاست' آداب اور حکمتوں پر بوجہ اتم مشتمل ہے' اور جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے اس شمول وکمال کو دیکھے گا اسے یقینی طور سے معلوم ہو جائے گا کہ یہ اللہ کی بنائی ہوئی اور آسمانی وحی کے

ذریعہ ہے' اور جو اسے دے کر بھیجا گیا ہے وہ اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا نبی ہے' اور اس پر محض ضد اور کٹھ حجتی کے علاوہ اعتراض کی کوئی گنجائش اور اساس نہیں ہے۔

چوتھا مسلک :

آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایسی قوم میں ظاہر ہوئے جن کے پاس نہ کوئی کتاب تھی اور نہ کوئی حکمت تھی' آپ ان کے پاس روشن کتاب اور چکاچوند کر دینے والی حکمت لے کر آئے' انہیں ایمان اور عمل صالح پر ابھارا اور اپنی کمزوری اور فقر اور مددگار کی قلت کے باوجود سارے اہل ارض کے خلاف کھڑے ہو گئے' افراد کے بھی' معاشرے کے بھی اور سلاطین و جبابرہ کے بھی' اور ان سب کی رائے کو گمراہ ٹھہرایا' سوجھ بوجھ کو احمق بتلایا' ان کی ملتوں کو باطل قرار دیا' ان کی حکمتوں کو گرا ڈالا اور تھوڑی مدت میں آپ کا دین باقی تمام دینوں پر شرقاً غرباً غالب آگیا' اور زمانہ گذرنے کے ساتھ مزید غالب آتا گیا' اور آپ کے دشمن نوع بہ نوع ہونے' تعداد و سامان میں زیادہ ہونے' شوکت و شکیمت میں سخت ہونے' تعصب و حمیت میں غالی ہونے اور اپنی انتہائی جد و جہد صرف کرنے کے باوجود آپ کے دین کا نور بجھانے اور آپ کے مذہب کے آثار مٹانے پر قادر نہ ہو سکے' تو کیا یہ الٰہی مدد اور آسمانی تائید کے بغیر ہو سکتا ہے ؟

اہل کتاب کی کتابیں خود محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی کی شہادت دیتی ہیں' چنانچہ کتاب زبور کے مزمور ا' فقرہ ٦ میں ہے : "کیونکہ خداوند صادقوں کی راہ جانتا ہے' پر شریروں کی راہ نابود ہو جائے گی"۔

اور مزمور ۵' فقرہ ٦ میں ہے : "تو ان کو جو جھوٹ بولتے ہیں ہلاک کرے گا۔ خداوند کو خونخوار اور دغاباز آدمی سے کراہیت ہے"۔

اور مزمور ۳۴ فقرہ ١٦ میں ہے : "خداوند کا چہرہ بدکاروں کے خلاف ہے' تاکہ ان کی

یا دزمین پر سے مٹادے"۔

اور مزمور ۳۷ فقرہ ۱۷ اور ۲۰ میں ہے : "(۱۷) کیونکہ شریروں کے بازو توڑے جائیں گے' لیکن خداوند صادقوں کو سنبھالتا ہے۔ (۲۰) لیکن شریر ہلاک ہوں گے' خداوند کے دشمن چراگاہوں کی سرسبزی کی مانند ہوں گے وہ فنا ہو جائیں گے وہ دھوئیں کی طرح جاتے رہیں گے"۔

اور کتاب "رسولوں کے اعمال" باب ۵ فقرہ ۳۵ تا ۳۹ میں گملی ایل کی بات اس طرح ہے : "پھر ان سے کہا کہ اے اسرائیلیو! ان آدمیوں کے ساتھ جو کچھ کیا چاہتے ہو ہوشیاری سے کرنا' کیونکہ ان دنوں سے پہلے تھیوداس نے اٹھ کر دعویٰ کیا تھا کہ میں بھی کچھ ہوں' اور تخمیناً چار سو آدمی اس کے ساتھ ہو گئے تھے' مگر وہ مارا گیا' اور جتنے اس کے ماننے والے تھے سب پراگندہ ہوئے اور مٹ گئے۔ اس شخص کے بعد یہوداہ گلیلی اسم نویسی کے دنوں میں اٹھا اور اس نے کچھ لوگ اپنی طرف کر لئے' وہ بھی ہلاک ہوا' اور جتنے اس کے ماننے والے تھے سب پراگندہ ہو گئے۔ پس اب میں تم سے کہتا ہوں کہ ان آدمیوں سے کنارہ کرو اور ان سے کچھ کام نہ رکھو' کہیں ایسا نہ ہو کہ خدا سے بھی لڑنے والے ٹھہرو' کیونکہ یہ تدبیر یا کام اگر آدمیوں کی طرف سے ہے تو آپ برباد ہو جائے گا' لیکن اگر خدا کی طرف سے ہے تو تم ان لوگوں کو مغلوب نہ کر سکو گے"۔

ان فقرات کی نص کے مطابق اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ پر جھوٹ بولنے والے ہوتے اور سچے نبی نہ ہوتے تو رب نے ان کو ہلاک کر دیا ہوتا اور زمین سے ان کا ذکر کاٹ دئے ہوتا' آپ کا بازو توڑ دئے ہوتا' آپ کو دھوئیں کی طرف فنا کر دئے ہوتا' آپ کو اور آپ کے پیروکاروں کو بکھیر اور پراگندہ کر دئے ہوتا' اور آپ کے قول و عمل کو توڑ دئے ہوتا' لیکن اللہ تعالیٰ نے ان میں سے کچھ نہ کیا' بلکہ زمین میں آپ کا ذکر پھیلایا' آپ کی تائید

ونصرت کی' اور آپ کے قول وعمل کی تصدیق کی۔ لہٰذا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت اور نبوت ورسالت اس طرح ثابت ہو گئی کہ شک کے لئے کوئی گنجائش باقی نہ رہی' اور ثابت ہو گیا کہ یہود ونصاریٰ جو آپ کی تکذیب کر رہے ہیں وہ اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کر رہے ہیں' اور اللہ تعالیٰ نے سورۃ الشعراء' آیت ۲۲۷ میں فرمایا ہے :

﴿ وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنقَلَبٍ يَنقَلِبُونَ ﴾

ظالم لوگ بہت جلد جان لیں گے کہ وہ کون سی کروٹ پلٹتے ہیں۔

اور سورۃ الصف آیت ۸ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے :

﴿ يُرِيدُونَ لِيُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَاللَّهُ مُتِمُّ نُورِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ ﴾

وہ چاہتے ہیں کہ اللہ کا نور اپنے منہ سے بجھا دیں' حالانکہ اللہ اپنا نور پورا کر کے رہے گا' اگرچہ کافروں کو ناگوار ہو۔

پانچواں مسلک :

آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایسے وقت میں ظاہر ہوئے جب لوگوں کو حاجت تھی کہ کوئی صراط مستقیم کی طرف ان کی رہنمائی کرے اور دین قویم کی دعوت دے' کیونکہ عرب بت پرست تھے' فارسی دو خداؤں کا عقیدہ رکھتے تھے' ہندوستانی گائے اور درخت پوجتے تھے' یہود تشبیہ وانکار پر اور اللہ اور اس کے انبیاء پر گھڑے ہوئے جھوٹ کی ترویج پر قائم تھے' نصاریٰ تثلیث اور مقدسوں کی عبادت میں لگے ہوئے تھے' اور اسی طرح دنیا کے بقیہ اطراف بھی گمراہی کی وادیوں میں تھے' لہٰذا اللہ علیم وحکیم کی حکمت کا تقاضا تھا کہ اس وقت کسی رسول کو دنیا کے لئے رحمت بنا کر بھیجے' اور سوائے محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کوئی بھی اس عظیم کام کے لئے ظاہر نہ ہوا' اور نہ کسی اور نے اس درست ترین کام کی

بنیاد رکھی۔ آپ نے البتہ شرک' تثلیث' دوئیت اور تشبیہ کی ظلمت مٹائی اور توحید کا سورج زمین پر طلوع ہوا۔ اسی جانب اللہ تعالیٰ نے سورۃ المائدہ آیت ۱۹ میں اپنے اس ارشاد سے اشارہ فرمایا ہے :

﴿ يَاأَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَآءَنَا مِنْۢ بَشِيْرٍ وَّلَا نَذِيْرٍ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَشِيْرٌ وَّنَذِيْرٌ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴾

اے اہل کتاب ! تمہارے پاس ہمارا رسول' رسولوں کی آمد کی ایک وقفے کے بعد آگیا' وہ کھول کھول کر بیان کر رہا ہے' تاکہ تم یہ نہ کہہ سکو کہ ہمارے پاس کوئی خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا آیا ہی نہیں' تو اب تو تمہارے پاس خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا آگیا اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

چھٹا مسلک :

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے متعلق گزشتہ انبیاء کی پیشینگوئیاں' یعنی سابقہ آسمانی کتابوں میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بشارتیں۔

اور ذیل میں ان بشارات کے ذکر سے پہلے بعض امور پر تنبیہ :

۱۔ بنی اسرائیل کے انبیاء نے آنے والے واقعات کی پیشینگوئیاں کی تھیں' جیسے بختنصر' قورش' اسکندر اور اس کے خلفاء کے واقعات' اور سرزمین ادوم' مصر' نینوی اور بابل کے حوادث' اس لئے یہ بات بالکل بعید ہے کہ ان میں سے کوئی بھی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کی خبر نہ دے' جو اپنے ظہور کے وقت چھوٹے سے پودے کے مانند تھے' پھر عظیم درخت ہو گئے جس کی ڈالیوں میں آسمان کی چڑیاں بسیرا کرتی ہیں' چنانچہ آپ نے جباروں اور خسروؤں کو توڑا اور آپ کا دین انبیاء بنی اسرائیل کے اصلی اوطان میں

بھرپور طریقے سے پھیل گیا اور مختصر مدت کے اندر مشرق و مغرب تک پہنچ گیا اور سارے دینوں پر غالب آگیا' اور اس وقت سے اب تک پھیلتا اور وسعت پذیر ہو تا جارہا ہے۔ تو یہ واقعہ ان تمام واقعات سے زبردست ہے جن کی بنی اسرائیل کے انبیاء نے پیشینگوئیاں کی تھیں۔ لہٰذا عقل سلیم یہ کیسے روا رکھ سکتی ہے کہ یہ لوگ ان کمزور واقعات کی پیشینگوئیاں تو کردیں' لیکن اس نہایت عظیم واقعہ کی کوئی خبر نہ دیں۔

۲- جب پہلا نبی بعد میں آنے والے نبی کی پیشینگوئی کرے تو ضروری نہیں کہ ساری تفصیل بتائے' بلکہ عموماً یہ پیشینگوئی مجمل ہوتی ہے' لہٰذا عوام کے نزدیک خفی ہوتی ہے' البتہ علماء کے نزدیک قرائن کے واسطے سے روشن ہوتی ہے اور کبھی علماء کے نزدیک بھی خفی ہوتی ہے' لیکن جب نبی ظاہر ہو جاتا ہے اور معجزات اور علامات نبوت کے ذریعہ اس کی تصدیق ہو جاتی ہے تو وہ ان کے نزدیک کسی شک کے بغیر روشن ہو جاتا ہے۔ اسی لئے حضرت مسیح علیہ السلام نے علماء یہود کو یہ کہہ کر عتاب کیا' جو انجیل لوقا' باب ۱۱' فقرہ ۵۲ میں مذکور ہے کہ : "اے شرع کے عالمو! تم پر افسوس کہ تم نے معرفت کی کنجی چھین لی' تم آپ بھی داخل نہ ہوئے اور داخل ہونے والوں کو بھی روکا"۔

علمائے اسلام نے کہا ہے کہ آسمان سے اتری ہوئی کوئی بھی کتاب محمد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر سے خالی نہیں رہی' لیکن اشاروں اشاروں میں۔ اور اگر عوام کے لئے یہ ذکر روشن ہوتا تو علماء کو اس کے چھپانے پر عتاب نہ کیا جاتا۔ پھر ایک زبان سے دوسری زبان میں نقل ہونے کی وجہ سے اس کی پوشیدگی میں اور اضافہ ہو گیا۔

۳- اہل کتاب مسیح کے علاوہ ایک اور نبی کا انتظار کر رہے تھے' چنانچہ انجیل یوحنا' باب ۱' فقرہ ۱۹ تا ۲۵ میں مذکور ہے کہ علماء یہود نے یحیٰ علیہ السلام سے پوچھا : کیا تم "مسیح" ہو؟ انہوں نے نفی میں جواب دیا' تو پوچھا : کیا تم "ایلیاہ" ہو؟ انہوں نے اس کا بھی انکار کیا' تو

پوچھا: کیا تم "وہ نبی" ہو؟ یعنی وہ نبی معہود جن کی موسیٰ علیہ السلام نے خبر دی تھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ محمد نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی حضرت مسیح کی طرح منتظر تھے اور ان کے نزدیک اس قدر مشہور تھے کہ نام لئے جانے کے محتاج نہ تھے' بلکہ آپ کی جانب صرف اشارہ کافی تھا' اسی لئے انہوں نے حضرت مسیح سے آپ کا تقابل کیا' چنانچہ انجیل یوحنا' باب ۷' فقرہ ۴۰' ۴۱ میں ہے: "پس بھیڑ میں سے بعض نے[1] یہ باتیں سن کر کہا بیشک یہی "وہ نبی" ہے' اوروں نے کہا یہ مسیح ہے"۔

اور چونکہ اس نبی معہود کا حضرت مسیح سے پہلے آنا ثابت نہ ہوا' اس لئے قطعاً ثابت ہوا کہ وہ مسیح کے بعد ہوں گے اور وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

باقی رہا انجیل متی' باب ۷' فقرہ ۱۵ میں حضرت مسیح علیہ السلام کا یہ ارشاد کہ: "جھوٹے نبیوں سے خبردار رہو جو تمہارے پاس بھیڑوں کے بھیس میں آتے ہیں' مگر باطن میں پھاڑنے والے بھیڑئے ہیں"۔ تو اس نص سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی نفی کے لئے تمسک کرنا قطعاً باطل ہے' کیونکہ مسیح علیہ السلام نے سچے نبی سے ہوشیار رہنے کا حکم نہیں دیا ہے' نہ مطلقاً ہر نبی سے جو آپ کے بعد آئے ہوشیار رہنے کا حکم دیا ہے' بلکہ صرف جھوٹے نبیوں سے ہوشیار رہنے کا حکم دیا ہے' اور عیسائی کتابوں کے اندر مسیح علیہ السلام کے اٹھائے جانے کے بعد حواریوں کے عہد میں طبقہ اولیٰ کے اندر بہت سے جھوٹے انبیاء کا ظہور ثابت ہے' پس مسیح علیہ السلام کا مقصود ان جھوٹے انبیاء سے ہوشیار کرنا تھا' اس سچے نبی سے نہیں جس کی سچائی پر بہت سی علامتیں دلالت کرتی ہیں۔ اسی لئے حضرت مسیح نے اس کے فوراً بعد۔ انجیل متی' باب ۷' فقرہ ۱۶' ۱۷' ۲۰ میں۔ فرمایا ہے: "(۱۶) ان کے پھلوں سے تم ان کو پہچان لو گے۔ کیا جھاڑیوں سے انگور' یا اونٹ

---

(۱) عربی ایڈیشن کے اندر ہے کہ "بکثرت لوگوں نے" (مترجم)

کٹاروں سے انجیر توڑتے ہیں۔ (۱۷) اسی طرح ہر ایک اچھا درخت اچھا پھل لاتا ہے اور برا درخت برا پھل لاتا ہے۔ (۲۰) پس ان کے پھلوں سے تم ان کو پہچان لو گے"۔

اور کوئی شک نہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سچے انبیاء میں سے ہیں' جیسا کہ آپ کا اور آپ کی دعوت کا پھل اس پر دلالت کرتا ہے' اور آپ کے منکرین کے طعن کی کوئی قیمت نہیں' کیونکہ یہود نے عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا انکار کیا اور انہیں کافر کہا' بلکہ ابتدائے عالم سے ان کے ظہور تک کوئی آدمی یہود کے نزدیک ان سے برا نہ تھا۔ اسی طرح یورپ کے ملحدین نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے وجود کا انکار کیا اور ان کا مذاق اڑایا اور اس بارے میں بہت سی کتابیں لکھیں اور ان کی یہ کتابیں اطراف عالم میں پھیلیں اور دیار یورپ میں ان کے پیروکار روز بروز زیادہ ہو رہے ہیں۔ لیکن جس طرح یہود اور ملحدین یورپ کی طرف سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا انکار عیسائیوں کے نزدیک اور خود ہمارے نزدیک بھی غیر مقبول ہے' اسی طرح اہل تثلیث کی طرف سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار بھی ہمارے نزدیک غیر مقبول ہے۔

۴۔ اگلوں سے پچھلوں تک اہل کتاب کی عادت یہ ہے کہ وہ عموماً ترجموں کے اندر ناموں کا بھی ترجمہ کر دیتے ہیں اور ناموں کے بدلے ان کے معانی لاتے ہیں اور جس کلام کو وہ اللہ کا کلام سمجھتے ہیں بعض دفعہ اس کے متن میں تفسیر کے طور پر کوئی چیز بڑھا دیتے ہیں' یہ دونوں بات ان کے نزدیک طبعی امور میں سے ہے' چنانچہ مختلف زبانوں میں ان کے متداول تراجم کے اندر جو غور کرے گا اسے اس کے بکثرت شواہد ملیں گے۔ لہٰذا اگر انہوں نے بشارات محمدیہ کے نصوص کے اندر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ناموں میں سے کوئی نام بدل دیا ہو' یا کوئی غامض چیز بڑھا دی ہو تو ان سے کچھ بعید نہیں' کیونکہ ان کی عادت کے مطابق یہ حرکت ان سے صادر ہوتی رہتی ہے' اسی لئے ان سے یہ توقع نہیں کی

جا سکتی کہ وہ اپنی کتابوں میں محمد یا احمد نام کی یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے القاب میں سے کسی لقب کی محافظت کریں گے' کیونکہ یہ ان کی فطری عادت بن چکی ہے کہ وہ اپنی کتابوں میں اس طرح تغییر و تبدیل کرتے رہتے ہیں کہ بظاہر استدلال میں خلل پڑ جائے' اور ایسا یا تو کسی مقبول مسئلہ کی تائید کے لئے کرتے ہیں یا کسی پڑنے والے اعتراض کے دفعیہ کے لئے' ان کے فرقوں نے اس کام میں ایک دوسرے کے مقابل کوتاہی نہیں کی' اور کوئی شک نہیں کہ مسلمانوں کے مقابل اس قسم کی حرکت کے لئے ان کا اہتمام زیادہ ہی ٹھوس اور قوی ہوگا' اسی لئے ہمیں یہ بات ملتی ہے کہ محمدی بشارات کی نصوص جنہیں قدیم علمائے مسلمین نے اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے وہ بہت سے الفاظ میں موجود مشہور تراجم کے موافق نہیں ہیں' اور وجہ یہی ہے کہ انہوں نے اہل کتاب کی ان کتابوں سے نقل کیا تھا جو ان کے زمانے میں مشہور تھیں' پھر ان کے بعد الفاظ میں تبدیلی واقع ہوگئی' اور کبھی ترجموں کا اختلاف بھی اس کا سبب ہو سکتا ہے' لیکن پہلی بات راجح ہے' کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ ان کے ترجموں اور کتابوں میں تغییر کی یہ عادت اب تک چلی آرہی ہے۔

اور اب اہل کتاب کی کتابوں سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق چند بشارتیں درج ذیل ہیں :

پہلی بشارت :

کتاب استثناء' باب ۱۸' فقرہ ۱۷ تا ۲۲ میں ہے : "اور خداوند نے مجھ سے کہا کہ وہ جو کچھ کہتے ہیں سو ٹھیک کہتے ہیں' میں ان کے لئے ان ہی کے بھائیوں میں سے تیری مانند ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا اور جو کچھ میں اسے حکم دوں گا وہی وہ ان سے کہے گا' اور جو کوئی میری ان باتوں کو جن کو وہ میرا نام لے کر کہے گا نہ سنے تو میں ان کا حساب اس سے لوں گا' لیکن جو نبی گستاخ بن کر کوئی ایسی بات میرے نام سے کہے جس کے کہنے کا میں نے اس کو حکم نہیں دیا' یا اور معبودوں کے نام سے کچھ کہے تو وہ نبی قتل کیا جائے' اور اگر تو اپنے دل میں کہے کہ جو بات خداوند نے نہیں کہی اسے ہم کیوں کر پہچانیں' تو پہچان یہ ہے کہ جب وہ نبی خداوند کے نام سے کچھ کہے اور اس کے کہے کے مطابق کچھ واقع یا پورا نہ ہو تو وہ بات خداوند کی کہی ہوئی نہیں' بلکہ اس نبی نے وہ بات خود گستاخ بن کر کہی ہے' تو اس سے خوف نہ کرنا"۔

اس نبی سے مقصود حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں' حضرت یوشع بن نون نہیں' جیسا کہ یہود نے سمجھا ہے' اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی نہیں' جیسا کہ نصاریٰ نے سمجھا ہے' وجہ یہ ہے :

۱- عیسیٰ علیہ السلام کے معاصر یہود ایک دوسرے نبی کا انتظار کر رہے تھے' جن کی بشارت دی جا چکی تھی' لہٰذا یہ انتظار قطعی دلیل ہے کہ جن کی بشارت دی گئی تھی وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معاصر یوشع کے بجائے کوئی اور ہیں۔ پھر وہ حضرت عیسیٰ کے بھی علاوہ ہیں' جو ان کے ساتھ حاضر تھے۔

۲- اس بشارت میں "تیری مانند" کا لفظ واقع ہوا ہے اور یوشع اور عیسیٰ' موسیٰ علیہم السلام کی مانند نہیں تھے' کیونکہ یہ دونوں بنی اسرائیل سے تھے' اور کتاب استثناء' باب

۳۴' فقرہ ۱۰ کی نص کے مطابق بنی اسرائیل میں موسیٰ جیسا کوئی نبی برپا نہیں ہوا' جن سے اللہ نے کلام کیا تھا اور مستقل کتاب اور نئی شریعت دے کر بھیجا تھا' جو اوامر' نواہی' حدود اور حلال و حرام اور غسل و طہارت وغیرہ کے احکام پر مشتمل تھی' جبکہ یوشع اور عیسیٰ ان کی شریعت کے تابع تھے' پھر موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کے اطاعت کردہ سردار تھے' حدود نافذ کرتے تھے اور ان پر مسلط تھے' جبکہ عیسیٰ علیہ السلام ایسے نہ تھے' کیونکہ ان کی کتاب انجیل احکام و تشریعات سے خالی ہے اور ان کی قوم میں ان کی اطاعت بھی نہیں کی جاتی تھی' بلکہ عیسائیوں کے خیال میں انہیں یہود کے ہاتھوں - کافر کہے جانے اور توہین کیے جانے کے بعد - سولی دے کر قتل کر دیا گیا۔ لہٰذا ان میں اور موسیٰ علیہ السلام میں پوری مماثلت نہیں پائی جاتی۔

۳- اس بشارت میں "ان ہی کے بھائیوں میں سے" کا لفظ آیا ہے' اور کوئی شک نہیں کہ بارہوں اسباط اس وقت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ موجود تھے۔ اس لئے یہاں جس نبی کی بشارت دی گئی ہے اگر وہ بنی اسرائیل سے ہوتے تو یوں کہا جاتا کہ "ان میں سے" یا ان کے درمیان سے" یا "خود ان کے اندر سے" یا "ان کے خلف سے"۔ اور چونکہ یوشع اور عیسیٰ علیہما السلام کا نسب حضرت یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہم السلام سے ملتا ہے اس لئے یہ دونوں بنی اسرائیل سے ہیں اور ان پر یہ بشارت صادق نہیں آتی۔ بلکہ صحیح یہ ہے کہ یہاں بھائیوں سے مراد حضرت اسماعیل بن ابراہیم علیہ السلام کی نسل ہے' اور توریت میں بھائیوں کے لفظ کا اطلاق اسماعیل علیہ السلام کی نسل اور اسحاق علیہ السلام کی نسل پر ہوا ہے' اور اسماعیل علیہ السلام کے متعلق کتاب پیدائش' باب ۱۶' فقرہ ۱۲ میں ہے:

"اور وہ اپنے سب بھائیوں کے سامنے بسا رہے گا"۔

اسی طرح کتاب پیدائش' باب ۲۵' فقرہ ۱۸ میں ہے: "یہ لوگ اپنے سب بھائیوں کے

سامنے بسے ہوئے تھے"۔

اور چونکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم حضرت اسماعیل کی نسل سے ہیں جو بنی اسرائیل کے بھائی ہیں' اس لئے آپ پر یہ بشارت خوب کھل کر صادق آتی ہے۔

۴-یہ بشارت استقبال کے صیغے سے آئی ہے' لفظ "برپا کروں گا" وغیرہ آئندہ زمانہ کے لئے ہے' لہٰذا یہ لفظ موسیٰ کے خادم یوشع پر صادق نہیں آسکتا جو اس وقت موجود تھے اور موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ساتھ تھے اور قوم بنی اسرائیل میں داخل تھے۔

۵-اس بشارت میں یہ لفظ بھی آیا ہے کہ "اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا" یہ اشارہ ہے کہ اس خوش خبری والے نبی پر کتاب نازل ہو گی اور وہ امی ہو گا' لکھی ہوئی سطریں پڑھنا نہ جانتا ہو گا' بلکہ وہ اللہ کا وہ کلام بولے گا جو اس پر نازل ہو کر اس کے سینے میں محفوظ ہو گا' اور یہ بات یوشع پر صادق نہیں آتی جن پر سرے سے کوئی کتاب ہی نہیں اتری' بلکہ وہ توریت کو لکھی ہوئی سطروں سے پڑھتے تھے اپنے حفظ سے نہیں۔

۶-اس بشارت میں یہ بھی آیا ہے کہ "جو کوئی میری ان باتوں کو جن کو وہ میرا نام لے کر کہے گا نہ سنے تو میں ان کا حساب اس سے لوں گا"۔ اور ایک روایت یوں ہے : "جو کوئی اس کی ان باتوں کی جن کو وہ میرا نام لے کر کہے گا' اطاعت نہ کرے گا تو میں اس سے اس کا انتقام لوں گا"۔ اور چونکہ یہ انتقام اس بشارت دیئے گئے نبی کے لئے دوسرے انبیاء سے امتیاز کا ذریعہ ہو گا اس لئے جائز نہیں کہ اس نبی کے منکر سے لئے جانے والے اس انتقام سے مراد آزمائشوں کے ذریعہ لیا جانے والا دنیوی انتقام ہو' یا جہنم میں لیا جانے والا اخروی انتقام ہو' کیونکہ اس قسم کا دنیوی یا اخروی انتقام کسی نبی کے ساتھ خاص نہیں ہے جو دوسرے نبی کے تعلق سے نہ ہو' بلکہ یہ سارے نبیوں کے تعلق سے عام ہے۔ اس لئے صحیح بات یہ ہے کہ یہاں انتقام سے مراد تشریعی انتقام ہے' جس کی صورت یہ ہے کہ یہ خوشخبری والا نبی اللہ

کی طرف سے مامور ہوگا کہ اپنے منکرین سے انتقام لے‘ان سے بذریعہ تلوار جنگ کرے‘ ان کا خون اور مال حلال سمجھے‘اور ان کی ذریت کو گرفتار کرے‘اور یہ بات مکمل طور سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر صادق آتی ہے‘لیکن عیسیٰ علیہ السلام پر صادق نہیں آتی‘کیونکہ وہ اپنے منکرین سے قتال کرنے پر مامور نہ تھے‘اور ان کی انجیل حدود و قصاص اور تعزیر و جہاد کے احکام سے خالی ہے۔

۷-۱۸۴۴ء کے ایڈیشن میں اس بشارت کا ایک فقرہ اس طرح ہے : "لیکن جو نبی تکبر کے ساتھ جرأت کر کے کوئی ایسی بات میرے نام سے کہے جس کے کہنے کا میں نے اس کو حکم نہیں دیا‘یا اور معبودوں کے نام سے کچھ کہے تو وہ نبی قتل کیا جائے "(۱)۔

یہ نص صریح ہے کہ جھوٹا نبی جو اللہ کی طرف کوئی ایسی بات منسوب کرے جس کا اللہ نے اسے حکم نہیں دیا ہے وہ قتل کیا جائے گا‘اور یہ سورۃ الحاقہ آیت ۴۴ تا ۴۶ میں اللہ کے اس ارشاد کے مطابق ہے :

﴿ وَلَوْتَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْأَقَاوِيلِ ۞ لَأَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِينِ ۞ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِينَ ﴾

اگر یہ پیغمبر ہم پر بعض باتیں بنا کر کہتا تو ہم اسے داہنے ہاتھ سے پکڑ لیتے‘ پھر اس کی رگِ گردن کاٹ دیتے۔

لہٰذا اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم سچے نبی نہ ہوتے تو قتل کر دیئے جاتے‘اور معلوم ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دشمنوں سے لڑائیاں کیں اور بہت سی جگہ بنفس نفیس ان کے مقابل ڈٹے رہے‘لیکن کوئی آپ کو قتل نہ کر سکا اور اللہ نے آپ کو دشمنوں سے محفوظ رکھا

---

(۱) اردو ایڈیشن میں پچھلی جگہ بھی قتل کیے جانے ہی کا لفظ ہے‘مگر عربی میں وہاں مرنے کا لفظ ہے‘اس لئے مصنف کو قتل کے لئے ۱۸۴۴ء کے ایڈیشن کا حوالہ دینا پڑا (مترجم)

اور آپ جیتے رہے' یہاں تک کہ طبعی موت کے ذریعہ رفیق اعلیٰ سے جا ملے۔ اور سورۃ المائدہ آیت ۶۷ میں اللہ کے اس ارشاد کی تصدیق ہو گئی :

﴿ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ﴾

اللہ آپ کو لوگوں سے محفوظ رکھے گا۔

رہے عیسیٰ علیہ السلام' تو اہل کتاب کا خیال ہے کہ وہ سولی دے کر قتل کر دئے گئے' لہٰذا یہ بشارت اگر ان کے حق میں ہوتی تو لازم آتا کہ وہ جھوٹے نبی تھے' جیسا کہ یہود کہتے ہیں۔ والعیاذ باللہ۔

تنبیہ : چونکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو طبعی موت آئی اور قتل نہیں کئے گئے' اس لئے آپ پر یہ بشارت کھلے طور سے صادق آتی ہے' لہٰذا جب اہل کتاب کو اس کا پتہ چلا تو انہوں نے پرانے ایڈیشنوں کے اس لفظ کو کہ "وہ نبی قتل کیا جائے" بدل کر اس کی جگہ ۱۸۶۵ء اور اس کے بعد کے ایڈیشنوں میں یہ لفظ رکھ دیا کہ "وہ نبی مر جائے گا" انہوں نے ایسا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب پر اصرار کے طور پر کیا' اس لئے کہ موت قتل سے عام ہے اور سچے اور جھوٹے دونوں طرح کے نبی مرتے ہیں' لیکن بشارت کی نص میں یہ تحریف بھی اس کی دلالت کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے پھیرنے میں کار آمد نہ ہو سکی' وجہ یہ ہے کہ :

۸۔ فقرہ ۲۲ جو اس بشارت کا آخری فقرہ ہے اس نے یہ بیان کر دیا ہے کہ جھوٹے نبی کی علامت یہ ہے کہ آئندہ کے غیبی واقعات کے متعلق اس کی پیشینگوئی سچی نہ ہو گی' کیونکہ اللہ اسے رسوا کرے گا اور اس کا جھوٹ ظاہر کرے گا' اور چونکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے آئندہ کے بہت زیادہ حوادث کی پیشینگوئی کی اور سب میں آپ کی سچائی ظاہر ہوئی' لہٰذا آپ سچے' برحق اور اللہ کی طرف سے بھیجے ہوئے نبی تھے۔

۹۔ اور اس لئے کہ آپ کے ہم زمانہ علمائے یہود نے تسلیم کیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

ہی توریت کی بشارت والے پیغمبر ہیں' اور ان میں سے بعض اسلام بھی لے آئے' مثلاً مخیریق' عبداللہ بن سلام اور کعب احبار۔ اور بعض نے آپ کی نبوت تسلیم کی' مگر اسلام نہیں لائے' مثلاً عبداللہ بن صوریا' حیي بن اخطب اور اس کا بھائی ابویاسر بن اخطب' اور اس میں کوئی حیرت نہیں' کیونکہ جو علمائے یہود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہم زمانہ تھے انہوں نے آپ کی نبوت اور معجزات تسلیم کئے' لیکن آپ کے کفر و قتل کا فتویٰ بھی دیا' جیسا کہ انجیل یوحنا' باب ۱۱' فقرہ ۴۵ تا ۵۷' اور باب ۱۸' فقرہ ۱ تا ۲۴ میں صراحت کے ساتھ موجود ہے۔

ایک اعتراض: بنی اسرائیل کے بھائی صرف بنی اسماعیل میں منحصر نہیں ہیں' کیونکہ بنی عیسو بن اسحاق بھی ان کے بھائی ہیں۔

جواب: بنی عیسو بن اسحاق میں کوئی ایسا نبی ظاہر نہ ہوا جس پر اس بشارت میں مذکور باتیں منطبق ہوتی ہوں' اور اللہ کی طرف سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس عیسو بن اسحاق کے حق میں کوئی وعدہ نہیں آیا۔ لیکن حضرت ابراہیم و ہاجر علیہما السلام کے لئے ان کے بیٹے اسماعیل اور ان کی نسل کے حق میں توریت کے بہت سے مقامات پر اللہ کا وعدہ آیا ہے۔

دوسرا اعتراض: بعض ایڈیشنوں کے اندر اس بشارت میں یہ لفظ آیا ہے: "تمہارا خداوند' تمہارے درمیان سے تمہارے ہی بھائیوں میں سے "الخ' تو لفظ "تمہارے درمیان سے" صریح ہے کہ اس خوشخبری والا نبی' بنی اسرائیل سے ہوگا۔

جواب: اگر ہم اس لفظ کو تسلیم بھی کرلیں تو یہ ہمارے مقصود کے منافی نہیں' کیونکہ یہ لفظ کہ "تمہارے ہی بھائیوں میں سے" یا تو بدل اشتمال ہے یا بدل اضراب ہے' اور دونوں میں سے جو بھی مانیں بہرحال مبدل منہ غیر مقصود ہوگا اور اصل مقصود یہی لفظ ہوگا کہ

" تمہارے ہی بھائیوں میں سے "۔ پھر جب محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ ہجرت کی اور وہیں آپ کا کام پورا ہوا اور وہاں مدینہ اور اس کے اطراف میں متعدد یہودی قبائل تھے' مثلاً خیبر' بنی نضیر' بنی قینقاع' بنی قریظہ' تو گویا آپ بیک وقت ان کے درمیان سے بھی برپا ہوئے اور ان کے بھائیوں کے درمیان سے بھی برپا ہوئے۔

فائدہ : ذیل میں موسیٰ علیہ السلام اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان مماثلت کی بعض وجہیں پیش کی جارہی ہیں اور وہ یہ ہیں کہ دونوں ہی :

(۱) اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔ (۲) دونوں کے والدین تھے۔ (۳) دونوں نے نکاح کیا اور اولاد ہوئی۔ (۴) دونوں جہاد اور بت پرست مشرکین کے قتل پر مامور تھے۔ (۵) زنا کی حد قائم کرنے پر مامور تھے۔ (۶) حدود نافذ کرنے پر قادر تھے۔ (۷) سردار تھے اور قوم میں ان کی اطاعت کی جاتی تھی۔ (۸) دونوں کی شریعتکیعبادت کے لئے کپڑے اور بدن کی طہارت کی اور جنبی' حائضہ اور نفساء کے لئے غسل کی شرط لگائی ہے۔ (۹) دونوں کی شریعت غیر مذبوح جانور کو اور بتوں کے لئے کی گئی قربانیوں اور نذروں کو حرام قرار دیتی ہے۔ (۱۰) دونوں کی شریعت میں قصاص' حدود اور تعزیرات کی تعیین ہے۔ (۱۱) سود حرام ہے۔ (۱۲) دونوں کی موت بستر پر ہوئی اور دفن کئے گئے۔

اسی طرح دوسرے معاملات پر بھی غور کرنے سے مماثلث ظاہر ہوگی۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے سورۃ المزمل آیت ۱۵ میں فرمایا ہے :

﴿ إِنَّآ أَرْسَلْنَآ إِلَيْكُمْ رَسُولًا شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَآ أَرْسَلْنَآ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ رَسُولًا ﴾

ہم نے تمہاری طرف ایک رسول بھیجا جو تم پر شاہد ہے جیسا کہ ہم نے فرعون کی طرف ایک رسول بھیجا تھا۔

دوسری بشارت :

کتاب استثناء' باب ۳۳' فقرہ ۱'۲ میں ہے : "اور مرد خدا موسیٰ نے جو دعائے خیر دے کر اپنی وفات سے پہلے بنی اسرائیل کو برکت دی وہ یہ ہے اور اس نے کہا : خداوند سینا سے آیا اور شعیر سے ان پر آشکارا ہوا' وہ کوہ فاران سے جلوہ گر ہوا اور لاکھوں قدوسیوں میں سے آیا' اس کے داہنے ہاتھ پر ان کے لئے آتشی شریعت تھی"۔

۱۸۴۴ء کے ایڈیشن میں حسب ذیل عبارت ہے : "وہ فاران سے ظاہر ہوا' اس کے ساتھ ہزاروں پاکیزہ لوگ ہیں اور اس کے ساتھ ایک آتشین سنت ہے"۔

سینا سے رب کی آمد یہ ہے کہ اس نے موسیٰ علیہ السلام کو توریت عطا کی۔ شعیر سے اس کا آشکارا ہونا یہ ہے کہ اس نے عیسیٰ علیہ السلام کو انجیل عطا کی' کیونکہ شعیر فلسطین کے پہاڑوں کا نام ہے اور ناصرہ کی بستیوں میں سے ایک بستی کا بھی نام ہے۔ باقی رہا کوہ فاران سے اس کا جلوہ گر ہونا تو وہ یہ ہے کہ اس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن کریم نازل کیا' کیونکہ فاران مکہ مکرمہ ہے' اور اس کی دلیل یہ ہے کہ کتاب پیدائش' باب ۲۱' فقرہ ۲۰'۲۱ میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کے متعلق ہے کہ : "اور خدا اس لڑکے کے ساتھ تھا اور وہ بڑا ہوا اور بیابان میں رہنے لگا اور تیر انداز بنا اور وہ فاران کے بیابان میں رہتا تھا اور اس کی ماں نے ملک مصر سے اس کے لئے بیوی لی"۔

اور سامری توریت مطبوعہ ۱۸۵۱ء میں فاران کی تحدید کی گئی ہے کہ وہ حجاز میں ہے' اس کی عبارت یوں ہے : "وہ حجاز کے اندر فاران کے بیابان میں رہتا تھا"۔

اور کوئی شک نہیں کہ اسماعیل علیہ السلام کا مسکن مکہ مکرمہ تھا' اور اس میں ان کے حفید محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کوئی نبی ظاہر نہ ہوا۔ اس لئے کھلی ہوئی بات ہے کہ کوہ فاران سے اللہ کے جلوہ گر ہونے سے مقصود مکہ مکرمہ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کا

نزول ہے' کیونکہ یہ نہیں کہا جائے گا کہ اللہ فلاں مقام سے آیا مگر اسی وقت جب کہ اس مقام میں اللہ کی طرف سے وحی نازل ہوئی ہو' اور چونکہ توریت کی وحی سینا میں نازل ہوئی اور انجیل کی وحی شعیر (فلسطین) میں نازل ہوئی' اس لئے ضروری ہے کہ یہاں پر مقصود مکہ مکرمہ میں قرآن کریم کی وحی کا نزول ہو' اور پہلے پہل جو قرآن کریم نازل ہوا وہ غار حراء میں نازل ہوا جو فاران کے سب سے اونچے پہاڑوں میں ہے۔

۱۸۴۴ء کے ایڈیشن کی یہ عبارت کہ "اور اس کے ساتھ ہزاروں پاکیزہ لوگ ہیں"۔ اور بعض قدیم نسخوں کی یہ عبارت کہ : "اس کے ساتھ ہزاروں صالحین ہیں اور اس کے ساتھ ایک آتشین کتاب ہے"۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام پر دلالت کرنے میں صریح ہے جنہوں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کی اور جن کی پیروی اور جہاد سے دین کو عزت حاصل ہوئی۔

اب اگر سوجھ بوجھ رکھنے والا انصاف پسند آدمی غور کرے کہ وہ کون سا نبی ہے جو فاران سے بھیجا گیا اور جس کے ساتھ ہزاروں پاکیزہ اور صالح لوگ تھے اور جس کے ساتھ ایک آتشی کتاب تھی، جس کی ہر سورت میں کفار و مخالفین کو آتش جہنم کی دھمکی ہے۔ تو اسے یقیناً معلوم ہو جائے گا کہ یہ نبی جن کی یہاں بشارت دی گئی ہے وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

چونکہ یہ بشارت آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر دلالت کرنے میں اس قدر واضح ہے کہ گویا آپ کے بارے میں نص ہے' اس لئے اہل کتاب نے نئے ایڈیشنوں میں یہ دونوں عبارتیں حذف کر دیں کہ "اس کے ساتھ ہزاروں پاکیزہ لوگ ہوں گے"۔ "اور اس کے ساتھ آتشی کتاب ہو گی"۔

بہرحال یہ بشارت صریح طور سے تین انبیاء' موسیٰ' عیسیٰ اور محمد علیہم الصلوۃ والسلام پر

اور مذکورہ تین مقامات میں ان پر نازل کی گئی تین کتابوں پر دلالت کرتی ہے' اور یہ سورۃ التین آیت ۱ تا ۳ میں اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے مطابق ہے :

﴿ وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ ۞ وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ ۞ وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ ﴾

قسم ہے انجیر وزیتون کی' اور سینا کے طور کی' اور اس امن والے شہر کی۔

کیونکہ اس میں بھی ان تینوں انبیاء کی بعثت کے مقامات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے' اس لئے کہ فلسطین میں بکثرت انجیر وزیتون ہوتے ہیں' اور چونکہ قرآن میں تعظیم مقصود ہے اس لئے درجہ بدرجہ ادنیٰ سے اعلیٰ کا ذکر ہوا ہے۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام کی رسالت' عیسیٰ علیہ السلام کی رسالت سے عظیم ہے' اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت ان دونوں کی رسالت سے عظیم ہے' اسی طرح مکہ ' فلسطین اور سینا دونوں سے زیادہ اشرف اور مقدس ہے' اور چونکہ توریت میں صرف تاریخی خبر دینی مقصود ہے اس لئے تینوں مقامات کو تینوں انبیاء کی بعثت کے زمانے کی ترتیب پر ذکر کیا گیا ہے۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام کی بعثت کو فجر کی آمد سے تشبیہ دی گئی ہے اور عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت کو سورج طلوع ہونے سے تشبیہ دی گئی ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کو وسط آسمان پر ظاہر اور جلوہ گر ہونے سے تشبیہ دی گئی ہے' جو کہ اپنے سابقہ دونوں سے زیادہ واضح ہے۔ چنانچہ اسی سے مخلوق پر روشنی اپنے تمام و کمال کو پہنچی' اور روئے زمین پر کوئی دین اور کتاب اسلام اور قرآن کی طرح جنہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم لائے تھے شرک وبت پرستی کو مٹانے والا بن کر ظاہر نہ ہوا۔

تیسری بشارت :

کتاب پیدائش' باب ۱۷' فقرہ ۲۰ میں ہے : "اور اسماعیل کے حق میں بھی میں نے تیری دعا سنی' دیکھ ! میں اسے برکت دوں گا اور اسے برومند کروں گا اور اسے بہت بڑھاؤں گا اور

اس سے بارہ سردار پیدا ہوں گے اور میں اسے بڑی قوم بناؤں گا"۔

۱۸۴۴ء کے ایڈیشن میں اس کی عبارت یوں ہے : "اور اسماعیل کے حق میں بھی میں نے تیری بات قبول کی' دیکھ ! میں اس کو برکت دوں گا اور اسے بڑا کروں گا اور اسے بہت بڑھاؤں گا' چنانچہ اس سے بارہ سردار پیدا ہوں گے اور اسے ایک بڑی قوم کے لئے بناؤں گا"۔

یہی نص بعض پرانے عربی تراجم میں اس طرح آئی ہے : "اسماعیل کے بارے میں میں نے تری دعا قبول کی' دیکھ ! میں نے اس کو برکت دی اور اسے برومند کروں گا اور "ماد ماد" کے ذریعہ اسے بڑا بناؤں گا"۔

قاضی عیاض نے شفا میں صراحت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ناموں میں سے ایک نام "ماد ماد" بھی ہے۔ لہٰذا بشارت میں یہ جو آیا ہے کہ "میں اسے ایک بڑی قوم بناؤں گا"۔ یا "اسے ایک بڑی قوم کے لئے بناؤں گا"۔ یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بشارت ہے' کیونکہ اسماعیل علیہ السلام کی نسل میں ان کے حفید محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کوئی نہیں ہے جس کی بڑی قوم اور بڑی امت ہوئی ہو۔ یہ وہی ہیں جن کے حق میں سورۃ البقرہ' آیت ۱۲۹ میں اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے اندر ابراہیم اور اسماعیل علیہم السلام کی دعا مذکور ہے :

﴿ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَ يُزَكِّيهِمْ إِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴾

اے ہمارے رب! اور تو ان میں انہیں کے اندر سے ایک رسول بھیج' جو ان پر تیری آیات تلاوت کرے اور انہیں کتاب و حکمت سکھائے اور انہیں پاک کرے' بیشک تو غالب حکمت والا ہے۔

قرطبی نے اپنی کتاب "الاعلام بما فی دین النصاریٰ من الفساد والاوہام" میں ذکر کیا ہے کہ جملوں کا (ابجد والا) حساب جسے یہود آپس میں استعمال کرتے ہیں اس کی رو سے اس بشارت کی عبرانی عبارت سے دو مقام پر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نکلتا ہے' کیونکہ یہ جو عبارت آئی ہے کہ "میں اسے بہت بڑھاؤں گا" اور بہت سے ایڈیشنوں میں ہے کہ "بہت بہت بڑھاؤں گا" تو اس کے مقابل عبرانی زبان میں "بماد ماد" ہے' اور یہ جو لفظ آیا ہے کہ "ایک بڑی قوم کے لئے" اس کے مقابل عبرانی میں "لجوی جدول" ہے' اور ان عبرانی کلمات کے حروف کا مجموعہ وہی ہے جو جملوں (ابجد) کے حساب سے کلمہ "محمد" کے حروف کا مجموعہ ہے' یعنی ۹۲۔ مذکورہ حساب سے اس کی صورت حسب ذیل ہے :

م ح م د

۴۰ + ۸ + ۴۰ + ۴ = ۹۲

ب م ا د م ا د

۲ + ۴۰ + ۱ + ۴ + ۴۰ + ۱ + ۴ = ۹۲

ل ج و ی ج د و ل

۳۰ + ۳ + ۶ + ۱۰ + ۳ + ۴ + ۶ + ۳۰ = ۹۲

جب یہودی عالم عبدالسلام دفتری دسویں صدی ہجری (سولہویں صدی عیسوی) میں مشرف بہ اسلام ہوئے تو ایک چھوٹا سا رسالہ تصنیف کیا' جس کا نام "الرسالہ الہادیہ" (رہنما رسالہ) رکھا اور اس میں ذکر کیا کہ یہود کے بیشتر دلائل حرف جمل کبیر یعنی حرف ابجد کے ذریعہ ہوا کرتے ہیں۔ انہوں نے اس رسالے میں ان یہود کی تردید بھی کی جو انکار کرتے ہیں کہ فقط لفظ "بماد ماد" محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کا رمز ہو' جیسا کہ علمائے یہود نے اس کو باہم جان رکھا اور چھپا رکھا ہے۔ انہوں نے اس حساب کو ان کی طرف سے

استعمال کئے جانے کی کیفیت کی مثال بھی بیان کی۔

غرض اللہ نے حضرت ابراہیم اور حضرت ہاجرہ سے حضرت اسماعیل کے ذریعہ ان کی نسل بڑھانے کا یہاں جو وعدہ فرمایا ہے وہ حضرت اسماعیل کی مدح و شرف کے طور پر آیا ہے' اور محض نسل کی کثرت میں کوئی مدح و شرف نہیں ہے اگر وہ توحید و ایمان پر نہ ہو' اور چونکہ مکہ میں ان کے بعد ان کے حفید محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کوئی نبی ظاہر نہ ہوا' اس لئے اسماعیل کا ایک بڑی امت ہونا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہی کے ذریعہ ظاہر ہو سکا' اور جو شخص آپ پر اس بشارت کے صادق آنے اور آپ کے ظہور کے ذریعہ اللہ کا وعدہ سچا ہونے کو تسلیم نہیں کرتا وہ ہمیں بتائے کہ امت محمدیہ کے علاوہ وہ کون سی بڑی امت ہے جو حضرت اسماعیل علیہ السلام کے لئے ظاہر ہوئی۔

چوتھی بشارت :

کتاب استثناء' باب ۳۲' فقرہ ۲۱ میں بنی اسرائیل کی بت پرستی کا ذکر کرتے ہوئے یہ عبارت آئی ہے : "انہوں نے اس چیز کے باعث' جو خدا نہیں' مجھے غیرت اور اپنی باطل باتوں سے مجھے غصہ دلایا' سو میں بھی ان کے ذریعہ سے جو کوئی امت نہیں ان کو غیرت اور ایک نادان قوم کے ذریعہ سے ان کو غصہ دلاؤں گا"۔

۱۸۴۴ء کے ایڈیشن کی عبارت یوں ہے : "انہوں نے' جو خدا نہیں ہے' اس کے ذریعہ مجھے غیرت دلائی اور اپنے باطل معبودوں کے ذریعہ مجھے غصہ دلایا' اور میں بھی' جو قوم نہیں ہے' اس کے ذریعہ انہیں غیرت دلاؤں گا اور ایک جاہل قوم کے ذریعہ انہیں غصہ دلاؤں گا۔"

اس بشارت کو کتاب یسعیاہ' باب ۶۵' فقرہ ۱ تا ۶ کی درج ذیل عبارت مزید واضح کرتی ہے' اس میں جو الفاظ قوسین کے درمیان ہیں وہ ۱۸۴۴ء کے ایڈیشن کے ہیں : "جو

میرے طالب نہ تھے میں ان کی طرف متوجہ ہوا' جنہوں نے مجھے ڈھونڈا نہ تھا مجھے پالیا۔ میں نے ایک قوم سے جو میرے نام سے نہیں کہلاتی تھی (یا نہیں پکاری جاتی تھی) فرمایا: دیکھ میں حاضر ہوں۔ میں نے سرکش (غیر مومن) لوگوں کی طرف' جو اپنی فکروں کی پیروی میں بری راہ پر چلتے ہیں ہمیشہ ہاتھ پھیلائے۔ ایسے لوگ جو ہمیشہ میرے روبرو باغوں میں قربانیاں کرنے اور اینٹوں پر خوشبو جلانے (اور پکی اینٹوں پر ذبح کرنے) سے مجھے برافروختہ کرتے ہیں۔ جو قبروں میں بیٹھتے اور پوشیدہ جگہوں (مدفنوں) میں رات کاٹتے (اور بتوں کی سجدہ گاہوں میں سوتے) اور سور کا گوشت کھاتے ہیں۔ اور جن کے برتنوں میں نفرتی چیزوں (ناپاک گوشتوں) کا شوربا موجود ہے۔ جو کہتے ہیں تو الگ ہی کھڑا رہ (مجھ سے دور رہ) میرے نزدیک نہ آ۔ کیونکہ میں تجھ سے زیادہ پاک ہوں (کیونکہ تو نجس ہے) یہ میری ناک میں دھوئیں کی مانند اور دن بھر جلنے والی آگ کی طرح ہیں۔ دیکھو! میرے آگے یہ قلمبند ہوا ہے۔ پس میں خاموش نہ رہوں گا' بلکہ بدلہ دوں گا' بدلہ دوں گا (پلٹاؤں گا اور بھرپور بدلہ دے کر) ان کی گود میں ڈال دوں گا"۔

جاہل' نادان قوم سے مراد عرب ہیں' کیونکہ وہ انتہائی گمراہی اور جہالت میں تھے۔ اور ان الفاظ سے کہ "جو میرے طالب نہ تھے"' "جنہوں نے مجھے ڈھونڈا نہ تھا"' "جو میرے نام سے نہیں کہلاتی تھی"' یہی لوگ مقصود ہیں۔ کیونکہ یہ لوگ اللہ کی حقیقی توحید سے ناواقف تھے' اس کی صفات اور اسماء حسنیٰ کو نہ جانتے تھے اور درست شریعت پر عمل پیرا نہ تھے' انہیں بت پرستی کے سوا کچھ معلوم نہ تھا' تو گویا وہ اللہ کے طالب نہ تھے' اسے ڈھونڈ نہ رہے تھے اور نہ اس کے نام سے پکارے جاتے تھے' بلکہ گمراہی کی وادیوں میں بھٹک رہے تھے' جیسا کہ اللہ نے سورۂ آل عمران آیت ۱۶۴ میں فرمایا ہے:

﴿ لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ

وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلٰلٍ مُّبِينٍ ﴾

یقیناً اللہ نے مومنوں پر احسان کیا کہ ان کے اندر خود انہیں میں سے ایک رسول بھیجا جو ان پر اللہ کی آیتیں تلاوت کرتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب و حکمت سکھاتا ہے' اور یقیناً یہ لوگ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔

اور اسی طرح سورۃ الجمعہ' آیت ۲ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے :

﴿ هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيٰتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلٰلٍ مُّبِينٍ ﴾

وہی ہے جس نے امی لوگوں میں خود انہی کے اندر سے ایک رسول بھیجا' جو ان پر اس کی آیتیں تلاوت کرتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب و حکمت سکھاتا ہے' اور یقیناً یہ لوگ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔

یہود' عرب کو حقیر سمجھتے تھے' کیونکہ وہ لونڈی ہاجر کی اولاد تھے' اللہ کو نہ جانتے تھے اور گمراہ تھے' اور یہود اپنے آپ کو یہ سمجھتے تھے کہ وہ عربوں سے ممتاز ہیں' کیونکہ وہ آزاد عورت سارہ کی اولاد ہیں اور ان میں انبیاء' کتابوں اور تشریع کا سلسلہ رہا ہے' لیکن بنی اسرائیل نے انبیاء کو قتل کر کے' توحید سے منحرف ہو کر' بت پرست قوموں کے معبودوں کی پوجا کر کے اور ان کے لئے قربانیاں دے کر اللہ کو برافروختہ کر دیا' اس لئے اللہ سبحانہ نے چاہا کہ ان سے نبوت منتقل کر کے اور عرب کو جو ان کی نگاہوں میں حقیر اور جاہل تھے چن کر انہیں کڑھن اور جلن میں ڈالے۔ چنانچہ اس ان پڑھ قوم میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور صراط مستقیم کی طرف ان کی ہدایت کے لئے آپ پر کتاب و حکمت کا اتارا

جانا بنی اسرائیل کے لئے انتہائی کڑھن اور جلن میں ڈالنے کی بات تھی۔

اور ہم یہود کی تاریخ کا تتبع کریں تو ہمیں یہ بات ملے گی کہ سب سے زیادہ جس قوم سے یہود کو جلن اور کڑھن ہوئی وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد کی عرب قوم ہے۔ کیونکہ اگرچہ فارس و روم نے فلسطین میں مملکت یہود کو کئی بار تاخت و تاراج کیا اور انہیں قید و بند میں ڈالا' لیکن ان میں موسیٰ علیہ السلام کی نبوت و کتاب کے مقابل کوئی کتاب و نبوت ظاہر نہ ہوئی جو یہود کے غصہ' جلن اور غیرت کا سبب بنتی۔ لیکن محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت نے یہود کو قید و رسوا بھی کیا اور اللہ نے بنی اسرائیل سے نبوت کاٹ کر اس امت کو کتاب و نبوت کا وارث بھی بنایا' یہاں تک کہ یہود نے عرب سے منافقت کی' ان کے ساتھ چاپلوسی سے پیش آئے اور ان سے خوفزدہ رہے۔ اور کوئی شک نہیں کہ اس میں بنی اسرائیل کے لئے انتہائی غصہ اور غیرت دلانے کی بات ہے۔

اور جس نے اس بشارت کی تفسیر حضرت مسیح علیہ السلام کی نبوت سے کی ہے' اس کی تفسیر قابل التفات نہیں' کیونکہ حضرت مسیح بنی اسرائیل سے تھے اور انہیں میں بھیجے بھی گئے تھے' اور انسان اپنے بیٹوں پر غیرت نہیں کرتا' البتہ بھتیجوں اور چچیرے بھائیوں پر غیرت کرتا ہے' خصوصاً جبکہ وہ اس کی نظر میں حقیر رہے ہوں' پھر جہالت و امیت کا وصف چھٹی صدی عیسوی کے خاتمے تک عرب کے علاوہ کسی اور قوم پر صادق نہ آتا تھا' کیونکہ پڑھنا لکھنا اور دوسرے علوم عرب قوم کے سوا اس زمانے کی دوسری قوموں میں معروف تھے۔ تو گویا یہ بشارت ان کے بارے میں اور ان کے اندر بھیجے گئے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں نص ہے۔

اہل کتاب کی کتابوں میں بشارتیں بہت سی ہیں۔ بعض بشارتیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق ہیں اور بعض میں آپ کی امت کی طرف' یا آپ پر نازل کی جانے والی وحی کی

طرف' یا آپ کے جہاد کی طرف' یا تسبیح واذان کی طرف' یا مکہ مکرمہ کی طرف' یا رقبہ اسلام کی وسعت پذیری کی طرف اشارہ ہے' اور بعض بشارتیں حضرت مسیح علیہ السلام مثالوں کے بیان کی صورت میں لائے ہیں جیسا کہ اناجیل نے انہیں نقل کیا ہے۔

خاتمہ

میں اللہ تعالیٰ کی حمد کرتا ہوں کہ اس نے مجھے اس مختصر کو مکمل کرنے کی توفیق بخشی' اور اللہ سبحانہ سے دعاگو ہوں کہ اسے ان بہت سے بھائیوں کے حسن ظن کے مطابق بنائے جنہوں نے مجھے اس عمل جلیل کا مشورہ دیا تھا۔ اسی طرح میں اللہ سبحانہ سے دعاگو ہوں کہ وہ اسے حق کے طلبگار قاری کے لئے نفع بخش بنائے۔

قاری محترم! اس کتاب نے آپ کے سامنے عہد قدیم و عہد جدید کی کتابوں (بائبل) کی حقیقت بے پردہ کر دی ہے اور ثابت کر دیا ہے کہ اہل کتاب کے نزدیک عہد قدیم و جدید (بائبل) کی کتابوں میں سے کسی بھی کتاب کی متصل سند نہیں پائی جاتی اور ان کتابوں سے وحی والہام کی صفت ناپید ہے۔ یہ اختلافات' تناقضات' غلطیوں اور تحریفات سے بھری پڑی ہیں۔

اسی طرح اس کتاب نے تثلیث اور الوہیت مسیح کا عقیدہ باطل کر دیا ہے اور حضرت مسیح کا بشر و مخلوق ہونا اور اللہ کا بندہ و رسول ہونا اس طرح ثابت کر دیا ہے کہ شک کی کوئی گنجائش نہیں چھوڑی ہے۔

اس کتاب میں ان شبہات کا بھی رد ہے جنہیں عیسائیت کے داعی اور مستشرقین قرآن کریم اور سنت نبویہ شریفہ کے خلاف اٹھاتے رہتے ہیں۔ چنانچہ یہاں کئی باتیں ہیں جو قطعی دلالت کرتی ہیں کہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جسے اللہ نے اپنے بندے اور رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا ہے اور جس کی بشارت اہل کتاب کی کتابوں نے بھی دی ہے۔ اور باوجودیکہ ان کتابوں میں تحریفات ہوئی ہیں لیکن پھر بھی ان کتب میں جو بشارات ہیں ان کی تصدیق محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہی سے ہو سکی ہے۔ تو گویا وہ نص صریح ہیں کہ آپ ہی نبی صادق ہیں اور آپ ہی ساری دنیا کے لئے اللہ کے پیغمبر ہیں۔

لہٰذا اے ہوش و خرد رکھنے والے عقلمند! تعصب اور ہوائے نفس چھوڑو اور اپنے لئے وہ دین اختیار کرو جسے اللہ تعالیٰ نے سارے لوگوں کے لئے پسند فرمایا ہے کہ :

﴿ اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ﴾

یقیناً دین اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے۔

یا اللہ! ہمیں بد اعتقادی سے محفوظ رکھ۔

و آخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين۔

فہرست عناوین

موضوع — صفحہ نمبر